

لهم ملأ وارثك الكنز الكائن العد القيوم

ملفوظات

جنا

تسهیل و ت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَوْ لَهُ مِنْ تَعْكِيرٍ فَمَا شَاءَ اتَّخَذَ الدِّرْدِيْرَ سَبِيلًا (القرآن)
﴿ اہل ایمان کو اللہ سے بڑی محبت ہوتی ہے ﴾

مہماج الحشمت فی ارشاد الوارثی

ملفوظات سیدنا حافظ حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز

از تالیف منیف

جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ شیداوارثی لکھنؤی
تسهیل و تحریج و حواشی: راشد عزیز وارثی المعروف فقیر مراد شاہ وارثی



ناشر: مکتبہ وارثیہ سنگھوئی، جہلم - پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں	
نام کتاب	منہاج العشقیہ فی ارشاد الوارثیہ
مؤلف	مرزا ابراہیم بیگ شیداوارثی
تسهیل و تخریج و حواشی	راشد عزیز وارثی المعروف فقیر مراد شاہ وارثی
پروف ریڈنگ	ڈاکٹر راشد علی اویسی
کمپوزنگ	سبطین علی تاج
ٹائپیل	ایاز شہباز (لکھنی پرنگ پریس، جہلم)
صفحات	۳۶۸
تعداد	۵۰۰
سن طباعت	۲۰۱۸ء
ہدیہ	۵۰۰ روپے
اشاعت باہتمام	فقیر ڈاکٹر قاضی تنور شاہ وارثی
ناشر	مکتبہ وارثیہ سنگھوئی، جہلم
طبع	زاویہ فاؤنڈیشن، لاہور 0322-4695246
رابطہ برائے حصول کتاب	
۱۔ ناظم حلقہ فقراء وارثیہ	دیوبہ شریف (انڈیا)
۲۔ آستانہ عالیہ وارثیہ	چھپر شریف (پاکستان)
۳۔ زاویہ فاؤنڈیشن	داتا صاحب والی گلی، لاہور (پاکستان)
۴۔ مکتبہ وارثیہ	سنگھوئی، تحریصیل و ضلع جہلم (پاکستان)

شرف انساب

منهاج الحشیہ فی الرشاد الظاریح

کا یہ حسین و جمیل نقش ثانی

مرشد کریم سرکار حضور عالم پناہ

سپرنا حاج ناظر حاجی وارث ملی شاہ قدس سرہ العزیز

کی بارگاہ بے کس پناہ میں بطور نذرانہ عقیدت و محبت پیش ہے

بوساطت

پاکستان میں دیوبند شریف

آستانہ عالیہ وارثیہ چھپر شریف

کے بنیان

سرکار حضور عالم پناہ کے آخری احرام پوش

پنجابی حافظ حضرت فقیر اکمل شاہ وارثی

اور شیخہ وارث عالم نواز

حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی

مختصر شجرة عاليه نسبت اويسیه وارثیه

محمد گل است و علی بوئے گل
بود فاطمه اندریں برگ گل
ز عطرش برآمد حسین و حسن
و روح ز عطرش کے گل بدن
معطر ز خوشبوکش ارض و سماں
و نامیست وارث علی دار جہاں

(شم)

نذرِ عقیدت بحضور وارثِ عالم نواز

قدس سرہ العزیز

وارث کارساز کے صدقے
 مرشد بے نیاز کے صدقے
 ہم فقیروں کو سر بلند کیا
 ایسے ذرہ نواز کے صدقے
 میری حیرت آنہیں کا صدقہ ہے
 اپنے آئینہ ساز کے صدقے

(شہیدِ محبت حضرت الحاج فقیر حیرت شاہ وارثی)

فہرست مضمایں

شمار		
۱۲		
۱۳		
۱۴	مضایں	
۱۵		
۱۶		حصہ اول
۱۷	حرف آغاز نقش ثانی	(الف)
۱۸	دیباچہ---(حصہ اول)	
۱۹	ابتدائیہ----	(ب)
۲۰	بیعت کے بیان میں----	۱
۲۱	توحید کے بیان میں	۲
۲۲	محبت کے بیان میں----	۳
۲۳	کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو----	۴
۲۴	حرص و طمع و حسد کے بیان میں	۵
۲۵	کسب و تکل----	۶
۲۶	تشخیص انکار و اشغال وغیرہ--	۷
(ت)	اسم ذات کی تعلیم----	۸
	اسم حق کی تعلیم----	۹
حصہ دوم	درود شریف----	۱۰
(الف)	تصور کی اہمیت----	۱۱

خاص مجہدات	۱۲
شغل سلطان الاذکار	۱۳
محبت کا اثر	۱۴
روزہ کے حکم میں	۱۵
حج کے بیان میں	۱۶
حکم گوشہ نشینی	۱۷
حکم خاموشی	۱۸
آنکھ بند رکھنے کا حکم	۱۹
آنکھ کھلی رکھنے کا حکم	۲۰
خدا بخش صاحب کا واقعہ	۲۱
عام ہدایات	۲۲
لنی جانشین و خلافت کے بیان میں	۲۳
پیر و مرید کی نسبت	۲۴
امداد غیری	۲۵
فیضان وارث پاک	۲۶
تقریظ بے نیم از جناب حاجی سلیمان احمد	(ت)

حصہ دوم

تمہید

(الف)

(ب)	مقام فقر کے بیان میں ---	۱
۱	فقرائے وارثی کے بیان میں	۲
۲	طریقہ تہبند پوشی ---	۳
۳	حضور انور کے احرام شریف پہنچ کا انداز	۴
۴	حضور انور کے حج کے بیان میں	۵
۵	لباس (احرام شریف) کی بیان میں	۶
۶	زرد رنگ کے احرام کے بیان میں	۷
	اولیاء اللہ کی انبیائے سابقین سے مناسبت	۸
	تبدیلی اسم کے بیان میں ---	۹
	اولاد سلبی و قلبی کے بیان میں	۱۰
	مختلف احکامات فقر ---	۱۱
	فقیر کی تعریف ---	۱۲
	فقیر کو کسب سے احتراز ---	۱۳
	قناعت کے بیان میں ---	۱۴
	توکل خاص کے بیان میں ---	۱۵
	گند، تعویذ، دعا و بدعا کی ممانعت	۱۶
	زمین پر بیٹھنے لینے کا حکم ---	۱۷
	پیر کی اطاعت کے بیان میں --	۱۸
	مناکحت و تجرید کے بیان میں --	۱۹

(ب)

تقریظ

- | | |
|---|---|
| ١ | تقریظ بے مثل (حاجی او گھٹ شاہ) |
| ٢ | تقریظ رینجت (مولوی عمران احمد وارثی) |
| ٣ | تقریظ تارنخ (حکیم مولوی سید احمد وارثی) |
| ٤ | تقریظ (شیخ اعجاز احمد عرف نوشہ میاں) |
| ۵ | تقریظ دل پذیر (مولوی ضمیر احمد وارثی) |
| ٦ | قطعہ تارنخ (قاضی سلیمان احمد وارثی) |

حرفِ آغاز نقش ثانی

- از قلم: راشد عزیز وارثی المعروف فقیر مراد شاہ وارثی -

جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ شیدا وارثی (۱۲۸۱ھ تا ۱۳۶۲ھ) مغلیہ خاندان کے چشم و چاغ تھے۔ آپ نے لکھنؤی دبستان میں پرورش پائی۔ حسن و عشق کے دلدادہ تھے۔ صاحب مطالعہ بھی تھے، بخشن شناس بھی تھے اور شعر گوئی کی صلاحیتوں سے بھی مالا مال تھے۔ بچپن میں ہی سرکار و ارث عالم نواز کے دست حق پرست پہ بیعت ہو گئے۔ انہوں نے سادہ لباس میں فقیری کی۔ سرکار کی وضع پا یئے عمل پیرا ہوئے کہ ساری زندگی مجردر ہے۔ سرکار سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنا سب کچھ اس محبت میں ترک کیا، آبائی وطن چھوڑا اور بھرت فرمایا کہ ہمیشہ کیلئے سرکار حضور عالم پناہ کے کوچے میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ساری زندگی سرکار کے قدموں میں گزاری۔ اور بعد از وصال آستانہ کے پہلو میں کتب خانہ کے صحن میں آپ کا مدفن بننا۔

جبھی جا کے مکتبِ عشق میں سبق مقام فنا لیا

جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف مدل سے بھلا دیا

مشنوی شریف میں مولانا روم فرماتے ہیں کہ ”شریعت کتابوں سے مل جاتی ہے۔ لیکن عشق اور روحانیت و طریقت کیلئے مرشدِ کامل کی صحبت ضروری ہے۔“

صد کتاب و صدور ق در نار کن

روئے دل را جانبِ دلدار کن

حدیث
حاصل
کے در
کھدر
چینی او
باندھ کر
زبان ق
وہاں کچ
پیدا ہو۔

مانند چاک
حصے میں آ
جب وارث
وارث، مت
میں محبت ک

شیدا میاں علمی اعتبار سے اپنی ذات میں ایک مکمل ادازہ تھے۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، منطق، فلسفہ، عروض، شریعت، طریقت ہر میدان میں انہیں دسترس حاصل تھی۔ آپ کی جملہ کتب اس امر کی شاہد ہیں۔ لیکن جب ہم سرکار وارث پاک کے دربار گہر بار پہ نظر ڈالتے ہیں تو وہاں شیدا میاں زبان کوتالا گئے کہیں کسی کو نہ کھدر رے میں دیکھنے نظر آتے ہیں۔ نہ کوئی علمی موشکافی، نہ کوئی بحث مباحثہ، نہ کوئی نقطہ چینی اور نہ ہی کوئی رعب و بد بہ کاظہ ہار۔ سب کچھ بھلا کے مولا ناروم سما مشورہ پلے باندھ کر مرشدِ کریم کے قدموں میں بیٹھے رہے کہ جب کسی مولوی کی محفل میں جاؤ تو زبان قابو میں رکھو اور جب کسی مردِ کامل کی بارگاہ میں حاضر ہو تو دل قابو میں رکھو۔ وہاں کچھ سوچنا بھی منوع ہے کہ ولی کامل کی نگاہ اللہ کے فضل سے دل کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والے معمولی سے معمولی خیالات کو بھی لمحہ بھر میں بھانپ لیتی ہے۔

تیری نگاہ کو رب کی نگاہ کہتے ہیں

اسی لئے تجھے عالم پناہ کہتے ہیں

شیدا میاں نے اپنی زبان کو اور اپنے دل کو قابو میں رکھا اور اپنا سینہ سیپ کی مانند چاک رکھا۔ لہذا جب ابر بھار بر ساتھ رحمت کے جو قطرے اس چاک گریبان کے حصے میں آئے وہ سچے موئی بن گئے۔ شیدا میاں نے انہیں چکے سے سنبھال لیا۔ لیکن جب وارثیوں کی صحت یا بی کیلئے ان سچے موئیوں کی ضرورت پڑی تو انہیں حیات وارث، منہاج العشقیہ، خلاصۃ السلوک، بلوغ المرام اور تو صیف وارث کے نسخوں میں محبت کی روح کے ساتھ ملا کر اکسیر بنا کر منظر عام پلے آئے۔

ہم نے اکثر جید وارثی فقراء حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی، حضرت

عبدالسلام

سلف صاحب

اور علم و حکم

سے مشکور

وقت دیا

دی۔ اللہ

استفادہ کا

لی۔ تو میں

تو سل و قہ

ہونے اور

ثُم آمین یا

الحاج فقیر سید عنبر علی شاہ وارثی، حکیم صابر شاہ وارثی مدظلہ العالی اور فقیر میاں احمد شاہ وارثی پنجتنی کی زبان گوہ رافشاں سے یہ سنا ہے کہ اگر کسی نے وارثیت کو سمجھنا ہے تو وہ شید امیاں کی منہاج العشقیہ کا مطالعہ ضرور کرے۔ شید امیاں نے جو پھول سرکار حضور وارث عالم نوازؒ کی بارگاہ اقدس سے چنے تھے ان کو ایک خوبصورت گلدستہ کی صورت میں اس تالیف مذیق میں پیش کر دیا ہے۔

موصوف نے سرکار حضور کے ملفوظات کی تفہیم کیلئے بڑے ہی خوبصورت پیرائے میں ان کی بڑی مدلل، مبسوط، مفصل شرح قلمبند کی۔ لیکن آج کے دور کاالمیہ یہ ہے کہ عربی، فارسی اور قدیم اردو سے دوری کے سبب سوائے چیدہ چیدہ احباب کے نسل نو کیلئے ان زریں اقوال اور ان کی شرح کو سمجھنا انتہائی مشکل ہو گیا ہے۔ چنانچہ برادر گرامی فقیر ڈاکٹر نوری شاہ وارثی کے ایما پا اس مفید ترین تصنیفِ لطیف کی تسهیل و تحریج اور حواشی کے ساتھ اشاعت ثانی کا اہتمام کیا گیا۔

میں نہ تو کسی قسم کے علم و فضل کا دعویدار ہوں اور نہ ہی کسی علمی و ادبی مقام و مرتبہ کا علمبردار۔ بس فقط ایک ہی دھن ہے کسی طور و حانیت و طریقت کا یہ سفر جاری رہے۔ اس راہ کے مسافروں کیلئے اصلاح اور فلاح کا سامان مہیا کیا جائے۔ جو حقیقی زاد راہ ہے اس کی طرف ساکان کی توجہات مبذول کرائی جائیں۔ تاکہ اس راہ کے راہی فوز و فلاح کی دائی منزل پا سکیں۔ ان تعلیمات کو سمجھنا، سمجھانا، پھیلانا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہی میرا مقصد و حید ہے۔

اس کتاب کی تسهیل و تحریج اور حواشی نویسی کے کام کو بطریق احسن پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میرے لاائق صد تکریم و تعظیم عظیم درویش منش استاد جناب مولانا

عبدالسلام چشتی صاحب نے میری بھرپور رہنمائی فرمائی۔ اور قرآن و حدیث، فقه اور سلف صالحین کی تعلیمات کی روشنی میں ان ملفوظات کی آسان اور سلیس شرح بیان فرمائی اور علم و حکمت کے خوب خوب موتی بکھیرے۔ میں حضرت موصوف کا دل کی گہرائیوں سے مشکور و منون ہوں کہ جناب نے اس ضعیفی اور کمزوری کے عالم میں بھی مجھے مکمل وقت دیا اور میرے وقت بے وقت تنگ کرنے پا پنی جبین نیاز پڑ را بھی شکن نہ آنے دی۔ اللہ انہیں جزائے خیر سے نوازے، سدا صحت و سلامتی سے رکھے، ان سے مزید استفادہ کا موقع دے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پہ تادری قائم رکھے۔ آمین۔

اگر وارثی احباب نے اس کتاب کے مطالعہ سے حقیقی وارثیت کی روشنی پا لی تو میں سمجھوں گا کہ میری تمام تر محنت و کاؤش بار آور ہو گئی۔

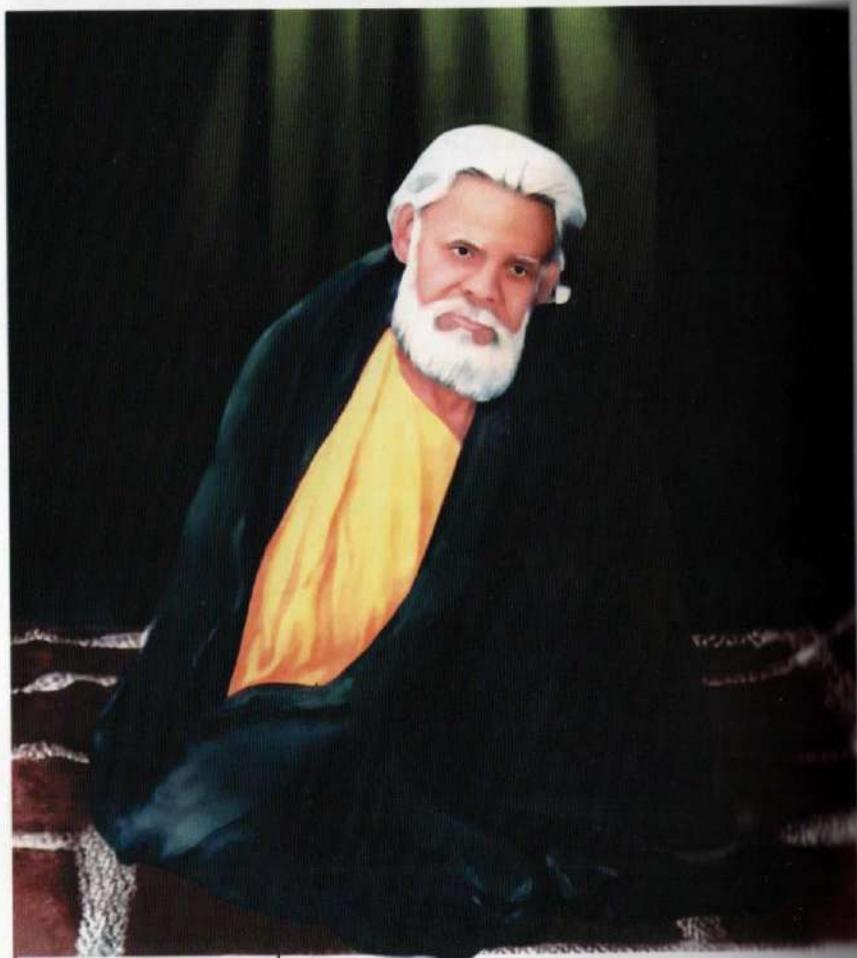
مولا کریم، حضور سرور کائنات، پنجتن پاک، سرکار وارث الاولیاء کے شرف توسل و تصدق سے ہمیں اسلام، تصوف اور سلسلہ واثیہ کی حقیقی تعلیمات پہ عمل پیرا ہونے اور ان کی روشنی میں مخلوق خدا کی اصلاح اور فلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
ثم آمین یا رب العالمین بحق سید المرسلین ﷺ۔

خاکِ درِ حبیب

راشد عزیز وارثی المعروف فقیر مراد شاہ وارثی

سنگھوئی، جہلم (پاکستان)

وارثانہ جمالِ خویشتن رحم کُن برمابحقِ پنجتن



سرکار عالم پناہ حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ کاظمی الحسینی قدس سرہ العزیز

دیباچہ

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چین

کانجا ہمیشہ باد بدست سست دام را

(عنقا پر نہ کسی شکاری سے شکار نہیں ہوتا۔ اے شکاری تو اپنا جال اٹھا لے۔ کیونکہ اس کلیئے جال لگانے والے کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جس طرح عنقا کو کوئی شکار نہیں کر سکتا، جال لگانا اور کوشش کرنا لا حاصل و بے سود ہے اسی طرح ذاتِ اللہ کی محبت اور عشق کا کوئی ادراک نہیں کر سکتا لہذا اس بارے میں سوچ اور فکر بیکار ہے۔ عقل میں جو گھر گیا، وہ خدا کیونکر ہوا۔)

واقعی جو کام اپنے امکان سے باہر اور حیثیت استعداد سے زیادہ اور حد اختیار کے بہت آگے اور دور ہواس کے حصول اور یافت کی کوشش کرنا اور جس تذکرہ کی گنجائش کے واسطے لفظوں کی چوحدی کا میدان تنگ اور ناکافی ہواس کو تقریر یا تحریر کے احاطہ میں محدود کرنا شاید عالی خیال حضرات کا منصب اور لائق مصنفین اور بلند پایہ مؤلفین کا حصہ ہو۔ لیکن مجھنا چیز کا ایسے اہم اور دشوار کام میں ہاتھ ڈالنا اور اس کے تتممہ کی جستجو کرنا نادان بچوں کے کھیل سے کم نہیں ہے۔ اور اگر یہ خیال خام جو درحقیقت خواب پریشان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا دماغ میں سما جائے تو اس کو ایک قسم کا خطب یا مقدمہ جنوں کہنا بے جان ہو گا۔

اس مختصر تمہید کا حاصل یہ ہے کہ مجھ کو اپنی کمزور تحقیق اور ضعیف معلومات کا

﴿منہما۔﴾
پورا علم و اندازہ ہے۔ اور خوب جانتا ہوں کہ تالیف و تصنیف کا بارگراں میری واقفیت
کے ناتوان کاندھوں کے واسطے ضرور ناقابل برداشت ہے لیکن اس کے بعد بھی ارادہ
یہ کرتا ہوں کہ شہسوار میدان تحریید، تاجدار کشور تحریید، سلطان العاشقین، امام
الواصلین، مرشدی و آقائی، وارثی و مولائی، قطب الاقطاب لمستغنى عن جمیع الالقب
سالک مسالک لی مع اللہ حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ اعظم اللہ ذکرہ کے
ارشادات میں ایسی چند ہدایتیں جن کو غلامان و اوثی کے مذاق و مسلک سے گہر اعلق
ہوا گرفصل اور مشرح طور پر نہ ہو سکیں تو اجمال اور اختصار ہی کے ساتھ جمع کروں جو
میرے فخر و مبارکات کے واسطے کافی اور میری سعادت دارین کا باعث اور آئینہ نسلوں
کے لئے مفید اور بکار آمد ہوں۔

اگر اس کوشش میں خدا نے مجھ کو کامیاب کیا تو یہ مجموع "بیک کر شمہ دوکار"
(ایک پنچہ دوکان) کا مصدقہ ہو گا کہ ظاہری صورت تو اس کی بھی ہو گی کہ جناب والا
کے بعض ارشادات کا مختصر مجموعہ ہو گا۔ اور دوسری نظر سے اگر دیکھا جائے گا تو حضور
کے پاک حالات اور مبارک واقعات کا ایک چھوٹا حصہ بھی اس رسالہ کو کہہ سکتے ہیں۔
حالانکہ ضرورت اس کی تھی کہ جس رہنمائی غفلت میں کئنے والی ہماری اس
زندگی کو اپنی عنایت سے ہوشیار اور بے بہاذندگی بنادیا۔ اور ہم کو وہ سبق جوانسان کے
شرف و اعزاز کا سبب ہے از سرنو پڑھایا۔ لبس غلامان و اوثی کا فرض منصبی نہیں بلکہ یہ
فرض عین ہے کہ اپنے محسن حقیقی کے مبارک حالات مکمل طور پر جمع کرتے جس کے
دیکھنے کے لئے کثیر التعداد جماعت کی آنکھیں مشتاق ہیں۔ ورنہ یہ فروگذاشت یقینی
ہماری خدمت اور جاں ثاری کے شفاف دامن میں بد نماد حصہ لگائے گی۔

اس وجہ سے بھی تذکرہ وارثی کی زیادہ ضرورت ہے کہ ہزاروں غلامان وارثی وہ ہیں جن کو حضور نے سیر و سیاحت کے زمانہ میں اور مختلف مقامات پر داخل ہیئت فرمایا، مگر پھر شرف زیارت حاصل کرنے کا ان کو موقع نہ ملا۔ اور متعدد حلقہ گوش آپ کے ایسے ہیں جو دور دور سے خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ اور تمغہ غلامی لے کر اپنے وطن مالوف کو واپس گئے لیکن بعد مسافت کی مجبوری نے ان کو دوبارہ حاضری سے محروم رکھا۔ ایک گروہ کی یہ حالت ہے کہ وقتاً فوتاً حاضری تو نصیب ہوئی اُنادر دولت پر زیادہ قیام ان کا نہ ہوا۔ اور حالات حضرت سے پوری واقفیت نہیں رکھتے۔

اس لئے اگر حضور کے مفصل حالات اور مشرح واقعات لکھے جائیں تو قریب قریب جملہ غلامان بارگاہ کے واسطے وہ کتاب معلومات کا وسیلہ اور جمیعت خاطر کا باعث ہوگی۔ تذکرہ وارثی کے مترتب ہونے کی ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ سے اسلام میں تصوف کا نقراہ نجح رہا ہے۔ اور ہر عہد اور ہر قرن میں برگزیدہ اہل تصوف کے مقدس ہاتھوں سے وہ کام ہوئے جو بہادروں کی تلوار بھی نہیں کر سکتی لیکن دور وارثی میں حضرت عشق کاشاندار ارشان ایسا بلند ہوا جس کے خوشنما پھریرے نے ہزاروں بنی آدم کے سر پر سایہ کر لیا اور یہ عہد وارثی دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار سمجھا جائے گا۔ لہذا ایسے ہم باشان مظہران اوار الہی کے پاک حالات اور مبارک واقعات جو پرده خفا میں مستور ہیں اگر غلامان وارثی کی سعی اور کوشش ان کو جملہ خلوت سے محفل جلوت میں لائے تو یہ معمولی بات نہیں، بلکہ اپنے ہم عصروں پر احسان کرنا اور آیندہ نسلوں کے واسطے خداشائی کا قاعدہ بناتا ہے۔

تذکرہ وارثی کا تکملہ اس خیال سے بھی اب جلد ہونا چاہئے کہ وہ غلامان

کے ساتھ ہو
اور غلامان و
حضرت کوتا
تصنیفات -

قریب سب ک
ہے۔

نظر
معلوم ہوتا کہ
بلکہ یہ بہت آ
باطنی۔ لہذا حض
ان عطیات وہ

ہاں
وہی عادات آر
ہے کہ عام مخلوقاں
مگر نہ
کیونکہ درحقیقت
اور صنعت الہی ک
طرز معاشرت ج

دارثی جو بلحاظ قدامت جناب والا کے حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں وہ
معمر خدا شناس بھی اس نیرنگ عالم فانی کی پوری سیر کر چکے۔ اب ملک جاودا نی کا سفر
درپیش ہے۔ کوچ کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ داعی اجل کو بلیک کہنے کے لئے تیار
ہیں۔ بقول

خیے مسافران عدم نے نکالے ہیں
جس قافلہ میں ہم ہیں وہ سب جانے والے ہیں

عنقریب وہ زمانہ آتا ہے کہ یہ قدیم اور مختلف صورتیں جو آج بزم عالم میں
چھلملاتے ہوئے چراغ سحری کی طرح دکھائی دیتی ہیں کل باوفنا کا جھونکا جب ان کو
معدوم کر دے گا اس وقت ان کا ہم عصر صحبت دیرینہ کو یاد کرے گا، اور حسرت و افسوس
کے ساتھ کہے گا۔ رباعی:-

یاران موافق ہمہ ازدست شدند
درپائے اجل یگان یگان بست شدند
بودند بیک شراب در مجلس عمر
(موافق کرنے والے دوست چلے گئے ہیں۔ موت کے پنجے میں ایک ایک کر کے
سب گرفتار ہو گئے ہیں۔ زندگی کی مجلس میں وہ صرف ایک ہی شراب پیتے تھے۔ ہم
سے ایک زمانہ پہلے وہ مست ہو گئے۔)

اس لئے جناب والا کے مبارک حالات جمع کرنے میں جہاں تک ممکن ہو
عجلت کی جائے ورنہ آج جس کو مشکل کہتے ہیں کل اسی مشکل کا نام مجبوری ہو گا۔ اور جو
کام آج اہم اور دشوار معلوم ہوتا ہے کل یہی ناممکن اور محال سمجھا جائے گا۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جس قدر تذکرہ وارثی کی تکمیل نہایت تعجبیں

کے ساتھ ہونا ضروری اور لازمی معلوم ہوتی ہے۔ اسی قدر اس کا رخیر میں تاخیر کا معنہ اور غلامان وارثی کی خاموشی بھی قابل غور ضرور ہے۔ اس لئے کہ سیکڑوں مطیعان حضرت کو تالیف اور تصنیف کی وہ مہارت ہے کہ ان کی قابلیت کی شہرت ان کی تصنیفات کے لحاظ سے دور دور ہے۔ لیکن پیشوائے حقیقی کا تذکرہ لکھنے میں قریب قریب سب کو سکوت ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ارادہ سے کوئی مجبوری ان کو روکتی ہے۔

نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس خاموشی کا سبب سوائے اس کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت وارث پاک کے حالات اور واقعات تکمیل طور پر لکھنا آسان نہیں بلکہ یہ بہت اہم اور دشوار کام ہے۔ کیونکہ حالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ لہذا حضور کے حالات باطنی کا تواریخ بھی ہمارے فہم و خیال سے باہر ہے اور ان عطیات وہی کو شرح و بسط کے ساتھ لکھنا یقینی ہماری طاقت سے بعید بلکہ ناممکن ہے۔

ہال صفات ظاہری کا لکھنا اس وجہ سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ بادی انتظر میں وہی عادات آپ کے بھی ہیں جو ہر فرد و بشر کے ہوا کرتے ہیں۔ فرق اس قدر ضرور ہے کہ عام مخلوقات کے عادات سے آپ کے عادات میزرا اور ممتاز ہیں۔

مگر نہیں تھوڑا غور کرنے سے ہمارا یہ خیال و اندازہ بھی غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ درحقیقت حضور کے صفات ظاہری بھی ایسے ہیں جن کو قدرت ایزدی کا مجموعہ اور صنعت الہی کا گلدستہ کہا جائے تو زیبا ہے۔ بلکہ حضور کے عام اخلاق اور روزمرہ کا طرز معاشرت جس کو ہم انہیں آنکھوں سے دیکھتے تھے وہ بھی عجیب و غریب شان رکھتا

ہے۔ مثلاً آپ کی غیوری، خوش مزاجی، درد مندوں کی غم خواری، اہل حاجت کی دلداری، خادموں کی پرورش، غلاموں کا خیال، وضع کا لحاظ، اوقات کی پابندی، معتقدین پر عنایت، مریدین کی ہدایت، مہمانوں کی تواضع، مسافروں کی فکر، سائلوں پر مہربانی، اہل کمال کی قدردانی، کھانا نوش فرمانے کی عجیب شان، پانی پینی کی خاص صورت، بوقت خواب ہوشیاری، بیداری میں خوشنما سکوت، ایک پہلو سے ہمیشہ استراحت فرمانا، عاشقانہ مزاج، معشوقة انداز، باتوں میں دلفریب سادگی، وجاہت اور جامہ زیبی، مردانہ حسن، شہانہ طبیعت، غرض یہ روزمرہ کی باتیں جن کو حضور کے اخلاق سے تعلق ہے۔ اور انسان اپنی عقل سے ان کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔ اور ان کے احساس کے واسطے نہ منطق کی بحث درکار ہے نہ فلسفہ دانی کی ضرورت ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کی صفات ظاہری کی ایک ایک صفت ہزار ہزار خوبیوں سے مملو ہے۔ اور آپ کی انہیں عادات کو یہ تصریح لکھنا نہایت مشکل اور دشوار ہے۔ کیونکہ جناب والا کی معمولی باتیں بھی غیر معمولی باتوں سے بہت زیادہ حیرت انگیز ہیں۔ اور اس کی پوری تصدیق وہی شخص کر سکتا ہے جو دربار وارثی میں باریاب ہوا ہے۔ اور حضور کے عادات اور طرز معاشرت کو دیکھ چکا ہے۔

لیکن میں اپنی حیثیت کے لاکن اس بیان کی تائید میں جناب حضرت کے صفات ظاہری میں سے صرف ایک صفت مختصر تشریح کے ساتھ تمثیلاً نگارش کرتا ہوں۔ اور یہ بھی خوب سمجھتا ہوں کہ میری یہ تصریح ضرور کافی ہوگی۔ کیونکہ میری مدد و دستعداد ہرگز اس لاکن نہیں کہ ایک صفت وارثی کی بھی پوری تصریح اور کما حلقہ تشریح کر سکے۔ مگر اس ناتمام تشریح سے بھی ناظرین کو یہ اندازہ ضرور ہو جائے گا کہ حضور اقدس کے

صفات ظاہری بھی کس قدر جامع اور معنی خیز ہیں۔ اور آپ کی ایک ایک صفت کے واسطے کیسی طویل اور بسیط تشریح کی ضرورت ہے۔

چنانچہ حضور کی بر جتہ تقریر جو روزمرہ کی بات ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ آپ کی معمولی تقریر بھی بے حد خوبیوں سے مملو ہوتی تھی۔

اگر آپ کی تقریر کو فصاحت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو باوجود اس مستقل استغراق کے بر جتہ اور نہایت سلیمانی اور سادگی سے بھری ہوتی تھی۔

آپ کی تقریر میں اکثر مستند محاورات شامل ہوتے تھے۔ اور بعض اوقات کوئی حدیث یا آیت قرآنی تمثیل ای شریک ہوتی تھی۔

جناب والا کی تقریر عموماً مختصر مگر جامع اور خوشنگوار اور معنی خیز اور ممتاز کے ساتھ انکسار آمیز ہوتی تھی۔

علاوه اور خوبیوں کے آپ کی تقریر میں ایک حسن یہ تھا کہ حاضرین مختلف خیال کے ہوتے تھے مگر سب سمجھتے تھے کہ یہ ارشاد آپ کا ہماری موافقت میں ہے۔

جناب حضرت کا کلام ہمیشہ برائی اور ہجوم سے مبرأ تکدر اور تعصباً سے پاک، سچائی اور محبت سے سراپا مملو ہوتا تھا۔

انداز تقریر کی یہ شان تھی کہ حاضرین موثر اور ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ آپ مجھی سے مخاطب ہیں۔

جو شمحویت اور غلبہ استغراق کے باعث اکثر سلسلہ تقریر بدلتا رہتا تھا۔ مگر نہایت حسین اور خوشنما طریقہ سے اگر بہ سنبیل تذکرہ کوئی اپنا گذشتہ واقعہ بیان کیا تو پنجی انظر کر کے اور ایسے سادہ الفاظ میں کہ خود ستائی کی جس میں بونہ ہو۔

تھے۔ اور سے
دیا۔

آپ کی تقریر میں خوبصورت روانی اور بے تکلف آمد اور صفائی تھی جو
فصاحت کے واسطے لازمی ہے۔ آپ کی برجستہ تقریر کا لمحہ ایسا خوش وضع اور ہر دل
عزیز تھا جس سے ہین طور پر شان محبوبیت کا اظہار ہوتا ہے۔

عموماً آپ سلیس اردو میں تقریر فرماتے تھے مگر اکثر اہل عرب سے عربی اور
ایرانیوں سے فارسی میں اور اہل کابل سے پشتو میں بھی گفتگو کرتے تھے۔
بلحاظ بلاعث اگر دیکھا جائے تو آپ کی مختصر تقریر ید قیق مسائل تصوف اور فقر
اور لاطائف معنوی سے مملو ہوتی تھی۔

آپ کی روزمرہ کی تقریر ایسی فیض رساب اور تصرف آمیز ہوتی تھی کہ طالب
خداہدایت پاتے اور فائز المرام ہوتے تھے۔

ا
سے جب،
صاحب کا خ
جن کو تو حیدر
و
کر شمہ دکھا
نے سب کو
ہذا اکثر واقع
آ
خیالات و تک
کہ ہمیشہ قلد
ایسی "پراسرا

آپ کی روزمرہ کی ایک تقریر ایک ہی وقت میں مختلف الخیال مریدین کی
تسکین اور ان کے خواہشات کو پورا کرتی تھی۔ چنانچہ میرا مشاہدہ ہے کہ بیک وقت
چار مسٹر شدین قدم بوی کے واسطے حاضر ہوئے۔ ہنوز کچھ عرض نہیں کیا گیا تھا کہ حضور
نے فرمایا "جو شخص خدا پر بھروسہ کرتا ہے اس کی مدد خدا ضرور کرتا ہے۔ اور تم تو آج رہو
گے کل چلے جانا"۔ یہ کہہ کر ان کو خصت کر دیا۔ مگر وہ لوگ بہت خوش اور مسرور چلے۔
ان کی یہ غیر معمولی مسیرت دیکھ کر خیال ہوا کہ ان سے خوشی کا باعث دریافت کرنا
چاہئے۔ شب کو ان کی قیام گاہ میں گیا، اور مستفسر حال ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک
صاحب کا ہائی کورٹ میں مقدمہ ہے اور اس کی کامیابی کے لئے ملتی تھے۔ ایک
صاحب کو عقیدتاً کچھ خدشات تھے۔ ایک تہبند پوش تھے، ان کی یہ خواہش تھی کہ کوئی
ذکر یا شغل مجھ کو تعلیم فرمایا جائے۔ اور چوتھے صاحب نکات تو حیدریافت کرنا چاہتے

تھے۔ اور سب کو مسرت اس کی ہوئی تھی کہ فیضان وارثی نے ہماری خواہشات کو پورا کر دیا۔

اب اس مختصر تقریر کی قوت اور ان معمولی جملوں کے تصرفات کا اندازہ کون کر سکتا ہے کہ بظاہر تو سادہ الفاظ میں دو جملے فرمائے تھے۔ مگر نہیں معلوم کون سالغت ان غلاموں کے پیش نظر کر دیا گیا تھا کہ اسی عبارت کے معنی اپنے اپنے خیال کے مطابق ہر شخص نے علیحدہ علیحدہ سمجھے۔ اور لطف یہ ہے کہ اپنی سمجھ پر اس قدر بھروسہ اور وثوق ہوا کہ مطمئن اور مسرور ہو گئے۔

اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ بعد کچھ عرصہ کے انہیں حضرات سے جب ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ صاحب مقدمہ کو کامیابی ہوئی۔ اور دوسرے صاحب کا خدشہ رفع ہو گیا۔ اور شاہ صاحب کو دیکھا تو اسم ذات کا ذکر جاری ہے۔ اور جن کو تو حید کا سبق ملا تھا ان کا وجودی مسلک پایا۔

قربان ہدایت وارثی کی قوت و شان پر کہ معمولی الفاظ کے پردے میں یہ کر شدہ دکھایا کہ ان چاروں کے امراض گو مختلف تھے مگر اس طبیب باطنی کے ایک نئے نے سب کو شفاً کامل مرحمت فرمائی۔ طالب دنیا کو دنیا می اور طالب خدا کو خدا ملا۔ علی ہذا اکثر واقعات اسی مضمون کے ہیں جن کا اعادہ بخوبی طوالت نہیں کیا جاتا۔

آپ کی اسی برجستہ تقریر کا یہ روحانی اثر بھی دیکھا کہ اکثر غلاموں کے قلب خیالات و تکدرات نفسانیہ سے صاف ہو گئے۔ اور فیضان کلام سے یہ تصفیہ ایسا قوی ہوا کہ ہمیشہ قلب کو یقین اور اطمینان رہا جس کو عرف صوفیہ میں تصدیق کہتے ہیں۔ ہذا ایسی ”پراسرار تقریر کی تصریح“ کون کر سکتا ہے۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ۔

مدینہ شریف

جومدنی م

جس نے

چھوٹے

فقر نصیب

سے ملا قار

زمرغ صح ندام کہ سون آزاد

چہ گوش کرد کہ بادہ زبان خوش آمد

(میں نہیں جانتا کہ صح کے پرندے سے سون نے کیا بات سنی کہ اس کی زبان خاموش ہو گئی۔)

آپ کی برجستہ تقریر میں ایک عجیب شان یہ دیکھی کہ اگر کسی مخاطب سے متبسم لبوں کے ساتھ کچھ فرمایا۔ گواہی مفہوم اس عبسم آمیز تقریر کا بھی روزمرہ کی باتوں کے مثل ہوتا تھا۔

لیکن مخاطب خودی سے بے خود اور شراب محبت سے مسرور ہو جاتا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ در بھنگ میں نواب صادق علی خاں صاحب کے مکان میں قیام پذیر

تھے کہ ماہین عصر و مغرب ایک مدنی صاحب آئے۔ آپ نے یہ فرمایا کہ ان کو اس وقت

رخصت کر دیا کہ ”مدنی صاحب کل آپ کی خاطر ہو جائے گی۔“ دوسرے روز مریدین

کا مجمع تھا، اور انوار علی خاں صاحب کے مکان سے حضور برآمد ہوئے۔ اور مدنی

صاحب کو ایک ٹکڑا تہبیند کا جو آسمانی رنگ اور مالینہ کا تھا متبسم لبوں سے یہ فرمایا کہ

کیا کہ ”لو یہ تمہارا حصہ ہے۔“ مدنی صاحب نے وہ ٹکڑا تو فوراً لے لیا۔ مگر در دنا ک آہ

کی اور مضطرب ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، اور مش ماہی بے آب تڑپنے لگے۔ اور

ان کی سچی آہ کے اثر سے حاضرین کو جوش ہوا۔ لیکن حضور بار بار متبسم لبوں سے یہ

فرماتے تھے ”مدنی صاحب کو یہ کیا ہو گیا؟“ آخر جب بستر پر تشریف لائے تو مدنی

صاحب کو اسی حالت بے تابی میں لباس فقر یعنی تہبیند مرحمت فرمایا اور ان کا عرب شاہ

نام رکھا۔ اور حکم دیا کہ ”صادق علی خاں کے بغلہ میں رہا کرو۔ اور اگر دل گھبراۓ تو

مدینہ شریف چلے جانا جمعہ کے روز ہم سے ملاقات ہوا کرے گی۔“

معلوم نہیں کہ اس جملہ کے درحقیقت کیا معنی تھے کہ ”لو یہ تمہارا حصہ ہے۔“

جو مدنی صاحب سمجھے۔ اور اس معمولی تقریر کے پہلو میں کیسا نازک پیکان پوشیدہ تھا جس نے مدنی صاحب کو بے قرار اور سینہ کے اندران کے مرغ دل کو شکار کیا۔ اور اس چھوٹے سے جملہ میں کتنا بڑا فیض بھرا تھا کہ ایک آن واحد میں مدنی صاحب کو خلعت فقر نصیب ہو گیا۔ اور اس کی تصریح تو میرے امکان سے باہر ہے کہ ”جمعہ کے روز ہم سے ملاقات ہوا کرے گی۔“

علاوه مدنی صاحب کے اکثر غلامان وارثی اس وقت بھی اس تبسم آمیز تقریر کے شیفتہ اور فدائی موجود ہیں۔ اور دیکھنے والے جانتے ہیں کہ حضور کے متبرم بیوی کی دلفریب تقریر نے ان کو کیا سے کیا کر دیا۔ اگر ان کے واقعات تفصیل کے ساتھ لکھ جائیں تو طوالت ہو گی۔

آپ کی تقریر میں ایک خوبی یہ بھی دیکھی کہ حضور اپنے غلاموں سے ان کی عدم موجودگی میں خطاب فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک روز بعد مغرب آپ نے فرمایا کہ ”یا باسط پڑھا کرو، اور بظاہر کوئی موجود نہ تھا۔ اتفاق سے بہت عرصہ بعد ایک حلقة بگوش بارگاہ وارثی نے اشنا نے گفتگو میں یہ بیان کیا کہ اس کے قبل میں بہت نادر ہو گیا تھا۔ ایک روز بعد مغرب حسب دستور تصور کیا تو حضور کی بربخ قائم ہو گئی۔ اور اسی حالت میں مجھ کو یہ ہدایت ہوئی کہ ”یا باسط پڑھا کرو۔“ میں نے اس کی تعمیل کی۔ اور بہت جلد میری پریشانی فراغت اور خوش حالی سے مبدل ہو گئی۔

اس خوش نصیب کی زبانی جب یہ قصہ سناتو مجھے پہلا واقعہ یاد آگیا اور سمجھا

چنانچہ ای

صورت

آپ کی

قابلیت ک

گئے بلکہ

کے ساتھ

اندازہ

نے آپ

ہو گا۔

کام نہیں

آنکھیں نہ

لکھنا نمک

خاموش یا

نہ ہوتا۔ اور

کہ وہ ارشاد بے ضرورت نہ تھا بلکہ اس میں یہ راز مستور تھا۔

آپ کی تقریر کا ایک انداز یہ بھی دیکھا کہ کبھی کسی مسئلہ کی نسبت ایسے الفاظ ارشاد فرمائے جو ظاہراً اس مسئلہ سے ربط نہیں رکھتے تھے مگر تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ تبھی آخری اس مسئلہ کا یہی ہے۔

آپ حاجت مندوں کے باب میں اکثر صریح اور صاف الفاظ میں حکم نہیں فرماتے تھے شاید اس کا یہ سبب ہو کہ مزاج اقدس میں سادگی اور انگسار بہت تھا۔ اور خمود و شہرت سے بے حد نفرت تھی اس وجہ سے ایسے جملہ ارشاد ہوتے ہوں جن کا ظاہری مفہوم اہل حاجت کے معاملہ سے تعلق نہیں رکھتا تھا لیکن بعض خدام کو کسی قدر مہارت ہو گئی تھی کہ بقدر حیثیت وہ حضور کے برجستہ کلام سے حاجت مند کی کامیابی یا عدم کامیابی کی نسبت اندازہ کر لیتے تھے۔

بارہ حضور نے آیندہ واقعات کو اشارتاً اور بھی صاف لفظوں میں بھی ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ ایام علالت میں ۲۹ محرم روز پنجشنبہ سہ پہر کے وقت دریافت فرمایا کہ ”کے بجے ہیں؟“ عرض کیا کہ تین بجے گئے ہیں۔ اس کے بعد حضور نے چند کلمات ارشاد فرمائے جن کا ایک حصہ یہ ہے ”ابھی بہت دیر ہے، مشکلی گھوڑے کی ناگ ٹوٹ گئی، بہلی آگئی ہے، چار بجے سوار ہوں گے۔“

حضور کے اس ارشاد سے جملہ حاضرین ساکت اور متیر ہو گئے۔ اور اکثر خدام اس ارشاد کی تاویل سے غمگین اور مایوس ہوئے۔ ان کو یہ خیال ہوا کہ مشکلی گھوڑے سے شب تاریک مراد ہے تو شاید اس کا سلسلہ اب قریب اختتام ہے کہ ناگ ٹوٹ گئی اور بہلی سواری سفر کی ہے وہ آگئی، اور چار بجے کا وقت پسند فرمایا ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بارہ گھنٹے کے بعد ٹھیک چار نئے کے پندرہ منٹ پر وہ دلفریب صورت ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہو گئی۔

الغرض اس معمولی تصریح سے بھی ناظرین کو یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی روزمرہ کی باتوں میں کس قدر فیوضات اور خوبیاں ہیں۔ باوجود یہ میری عدم قابلیت کی وجہ سے وہ نکات معنوی جن کا تعلق روحاںیت سے ہے بغیر تصریح کے چھوٹ گئے بلکہ ظاہری خوبیوں کو بھی کماحتہ دکھانے سکا۔ اور نہ آپ کی تقریر کو مذکورہ بالاخوبیوں کے ساتھ محدود کر سکتا ہوں۔ کیونکہ جس قدر خوبیاں بیان ہوئیں یہ تو میرے فہم ناقص کا اندازہ ہے۔ اور جو سامعین عالی خیال اور صاحب ادراک ہوں گے خدا جانے انہوں نے آپ کی بر جستہ تقریر کی شان و عظمت کیا سمجھی ہو گی اور کیا فیض اس سے حاصل کیا ہو گا۔

حق یہ ہے کہ حضرت وارث عالم پناہ کے ارشادات کی تشریح کرنا مجھنا اہل کا کام نہیں ہے بلکہ آپ کے مبارک کلام کی تشریح وہ کر سکتا ہے جس کو دیدا اور یافت کی آنکھیں نصیب ہوئی ہوں اور محبت کا مارا ہو ادل اس کے پہلو میں ہو۔

بس اسی سبب سے اس کا خیال ہوتا ہے کہ جناب والا کے حالات کا بہ تشریح لکھنا ناممکن اور محال ہے اور یقینی اس وجہ سے ہمارے برادران طریقت ساکت اور خاموش ہیں۔ اگر یہ دقتیں نہ ہوتیں تو تذکرہ وارثی کے مرتب ہونے میں اس قدر عرصہ نہ ہوتا۔ اور یہ خاموشی ان کی صحیح بھی ہے۔

درکار خانہ کر رہ علم و عقل نیست

وہم ضعیف و رائے فضولی چراکند

الفاظ

علوم

نہیں

اور

جن کا

قدار

یابی یا

ارشاد

مایا کہ

ملمات

ٹوٹ

درکثر

لہ مشکلی

ہے کہ

ا ہے۔

(ایسے کارخانہ میں جہاں علم و عقل کو گزر یا رسائی نہیں ہے وہاں وہم اور فضول رائے کیوں کر کام کرے۔)

بعض ہمارے معزز اور عالی حوصلہ بھائیوں نے اس میں کوشش بھی کی۔ اور ان کو ایک قسم کی کامیابی بھی ہوئی کہ بقدر وسعت جناب والا کے حالات جمع کئے اور بہ صرف زر کشیر ان کو چھپوا بھی دیا۔ اور ایک طور پر وہ اپنا فرض منصبی ادا کر چکے۔ اور ان کی یہ خدمت قابل قدر ہے اور ان کا یہ ایسا احسان ہے جس کا شکر یہ ادا کرنے سے ہم کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتے۔

مگر نہایت ادب کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ آج تک اس بیان میں جس قدر رسائل تالیف ہوئے وہ ناتمام اور ناکافی ضرور ہیں۔ اس وجہ سے کہ بڑی سے بڑی کتاب کو بھی اگر دیکھا جائے تو سر کار عالم پناہ کے حالات اور واقعات کا اس کو چھوٹا حصہ کہہ سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے ضروری باتوں کو بھی مجملًا بیان کیا ہے۔ اگر بقدر حیثیت ان کی بھی تصریح کردیتے تو ہم کو زیادہ فائدہ پہنچتا۔ اور ہمارا خیال پختہ ہونے کا مفید ذریعہ ہوتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مؤلفین مجبور تھے۔ اس لئے کہ واقعات کسی اور کے ہوتے تو یہ دقتیں نہ پیش آتیں۔ چونکہ حالات اس واقف اسرار الہی کے تھے جس کی معمولی بات بھی غیر معمولی باتوں سے زیادہ حیرت خیز ہے۔

اس سے اب یقین ہو گیا کہ حالات امام العاشقین کا بالتفصیل لکھنا دشوار ہے۔ اور اس اہم کام کے انصرام کے واسطے ایسا شخص درکار ہے جو علاوہ تحریر ظاہری کے باطنی طور پر اہل دل بھی ہو۔ مگر اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ہم ما یوس ہو جائیں

کبھی نہ ہوتا
یہ ہے کہ اس
ضمون نہ پیٹ
کی روشن عام
ہے۔ اور اس
مستند نہ ہمارا

کے غلامان وارثی کی جماعت میں ایسا شخص ملنا دشوار ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ”کل امر سر ہون باوقاتھا“ (ہر کام اپنے وقت پر گروئی رکھا ہوا ہے۔) کا مضمون ہے جس وقت فیضان وارثی نے ہماری مجبوری پر توجہ فرمائی فوراً اس کا انتظام ہو جائے گا۔ اور ”خشے از غیب بروں آیدو کارے بکند“ (غیب سے ایک شخص ظاہر ہو گا اور یہ کام کر گزرے گا۔) کا مفہوم صادق آئے گا۔ اور انشاء اللہ تذکرہ وارثی کو مکمل دیکھیں گے اور شکر کے ساتھ کہیں گے۔

الحمد لله رب العالمين

آخر آمد ز پس پرده تقدیر پدید

(تمام تعریف اللہ کیلئے ہے۔ ہر وہ چیز جو دل چاہتا ہے آخر تقدیر کے پردہ کے پیچے سے ظاہر ہوتی ہے۔)

لیکن میری عجلت اور جسارت کا دوسرا سبب ہے وہ یہ کہ اس تھوڑے عرصہ میں ایسا تغیر ہو گیا کہ ہدایت وارثی نے جو مذاق ہم کو سکھایا تھا ہم اس کو بھولنے لگے۔ اگر جناب والا کے حالات اور ارشادات مفصل طور پر لکھے جاتے تو یہ انقلاب بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ وہی کتاب ہمارے واسطے مکمل قانون کا حکم رکھتی۔ اور اب مشکل یہ ہے کہ اس کے انتظار کا بھی وقت نہیں رہا۔ خوف یہ ہے کہ ”از عراق تا تریاق“ کا مضمون نہ پیش آئے۔ کیونکہ آج کل ایسے بھی وارثی نما حضرات پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کی روشن عام لوگوں کے خیالات کی صحت خراب کرنے کے واسطے مہلک وبا کا اثر رکھتی ہے۔ اور اس متعددی مرض کا بھی علاج سمجھ میں آتا ہے کہ ہدایت وارثی کا مخبر اور مستند نہ ہمارے پاس ہو۔ اور ہم اس پر عمل کریں۔

انہیں وجوہات سے اس پیغمبران نے یہ جرأت کی ہے کہ ایک رسالہ مذاق و مسلک کے متعلق ایسے مستند طریقہ سے لکھا جائے جو غلامان وارثی کے خیالات کا بظاہر محافظ ہو۔ اور وہ مستند طریقہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ حضور اقدس نے وقار فتوحہ جو بدایتیں فرمائی ہیں اس میں سے چند ارشادات کا خلاصہ مگر مسلسل نگارش کروں لیکن اس قید کے ساتھ وہ بدایتیں نقل کرتا ہوں جن کو شخصی یا واقعی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ بغیر کسی فرق و امتیاز کے جملہ غلامان وارثی کے واسطے جن کا ایک حکم ہے اور تماں مریدین کو جن سے یکساں تعلق ہے۔ اور ہر فرد کو جن کی تعقیل ہر حالت میں لازمی ہے۔ اور وہ متواتر غلامان وارثی کے گوش گذار ہو چکی ہیں۔ یہ بھی کیا ہے کہ بعض بدایات کی تصریح اس لحاظ سے کرنا چاہی ہے کہ مدلل اور عام فہم ہو تو ایسی حالت میں اکثر آیات قرآنیہ یا احادیث صحیحہ کا حوالہ دیا ہے۔ یا امشابہیر حضرات صوفیہ کے اقوال کتب مندرجہ ذیل سے نقل ہیں:-

عوارف المعارف مصنفہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ،
نعت عظیمی: ترجمہ طبقات الکبریٰ مصنفہ امام عبدالوباب شعرانی علیہ الرحمۃ، فوائد الفواد
مصنفہ مولانا حسن علآخری، مثنوی مولانا روم و شرح مثنوی مولانا روم مصنفہ مولانا بحر
العلوم، صحائف السلوك مصنفہ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی، قول الجمیل مصنفہ
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مناقب رزاقیہ مصنفہ ملاظ نظام الدین فرنگی محلی، سیخ الاسرار
مصنفہ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ، رسالہ روح و عشق مصنفہ حضرت یوعلی شاہ قلندر،
سیخ سماں، لطائف اشرفی، مرآۃ الاسرار، مثنوی یوعلی شاہ قلندر، سیر الاولیاء، تذکرہ
اولیاء، تذکرۃ المصنفین، کتاب المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفقہاء

مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی، معدن المانی، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ میری یہ معمولی واقفیت ہرگز اس لائق نہ تھی۔ مگر ”السعی منی والا تمام من اللہ تعالیٰ“ (کوشش کرنا میرا کام ہے اور کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اللہ کی طرف سے ہے۔) پر بھروسہ کر کے کوشش کرتا ہوں۔ اور اگر خدا کو مظہور ہے اور اس کا فضل شامل حال ہے۔ اور یہ چھوٹا سا مجموعہ بھی اس بیان میں تیار ہو جائے تو برادران طریقت کی خدمت میں اس غرض کے ساتھ پیش کروں کہ بقول ”وہ ہی مثل ہے پھول نہیں پکھڑی سکی“۔

ہر چند اس کا بھی پورا یقین ہے کہ غلامان وارثی کی ضرورت محسوس فرمائکر آئینہ قابل موالفین نہیں مضامین کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ نقل فرمائیں گے۔ اور ان کی تالیف میرے اس رسالہ سے ہزار درجہ بہتر ہو گی۔ لیکن ضرورت چونکہ اس وقت ہے اس نے گویا اس تختہ زمین کے گوش میں ایک معمولی پودا نصب کرتا ہوں جہاں عقریب ایسا پر فضا باع لگایا جائے گا جس میں نایاب چلوں اور خوش رنگ پھلوں کے ہزاروں شاداب درخت ہوں گے یا اس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ آج اس افتادہ زمین پر داعی نیل ڈالتا ہوں جس پر کل انشاء اللہ ہمارے عالیٰ منزلت اور بلند حوصلہ بھائی نہایت خوشنما نقش کی رفع الشان عمارت بنائیں گے جس میں ان کے جو ہر ذاتی کی سیکنڑوں صنعتیں اور قابلیت کے ہزاروں نقش و نگار ہوں گے۔

میری اس عجلت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اگر یہ رسالہ جلد تیار ہو جائے تو اس کی صحت اور عدم صحت کا تصفیہ بھی واضح طور پر ہو جائے گا۔ کیونکہ ماہا اللہ ابھی ہمارے وہ بزرگ اور ممتاز بھائی اس عالم فانی کی سیر میں مصروف ہیں جن کو بارگاہ

وارثی میں باریابی کا شرف اور خدمت دیرینہ کا افتخار حاصل ہے انہوں نے اگر پسند فرمایا تو یہ معتبر سمجھا جائے گا۔ اور یہی اس کے واسطے کافی سند ہو گی۔

اب یہ نیازمند بہزار بجز و ادب اپنے محترم بھائیوں کی خدمت عالی میں ملتمنس ہے کہ اس رسالہ میں آپ کے پیشوائے برحق کے چند مشہور ارشادات نقل کرنے میں یہ جسارت بھی کی ہے کہ بعض ہدایات کی تشریح کرنا چاہی ہے جو میری نادانی کی صریح دلیل ہے۔ کیونکہ اس کا اعتراض ہے کہ میری عدم قابلیت ہرگز اس کی مقاضی نہیں کہ ایک ارشاد وارثی کی بھی شرح کرے۔ لہذا متندی ہوں کہ ناظرین مجھ نااہل کی بے ربط تحریر پر حافظ فرمائیں۔ بلکہ نقطہ نظر ہدایات وارثی مفہوم ظاہری اور نکات معنوی پر رہے۔ بقول حکیم سقراط کہ ”غوط خور کے بے حیثیت ہونے سے موتی کی آب و تاب اور قدر و قیمت میں فرق نہیں آتا“، اور یہ بھی گذارش ہے کہ جہاں غلطی ہواں کی تصحیح کریں، اور بارگاہ وارثی کے اس ادنی غلام کو اپنا ممنون کرم اور مشکور احسان فرمائیں۔

لملتمنس آپ کا خادم

محمد ابراہیم شیدا وارثی

(اگر تو اسی حسن
گیا۔)

اور دا

لیشان رحمت۔

کے سپرد کیا جواہر
ہاتھ کی صورت

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت احادیث جل جلالہ نے اپنی عین رحمت سے ہم کو عبادیت کی تعلیم اور شکرگزاری کی ہدایت میں ایک طریقہ ادائے شکر کا بتایا ہے کہ ”وَامَا بَنْعَمَةُ رَبِّكَ فَحَدَثَ“ (اور اپنے رب کی نعمتوں کا خوب تذکرہ کریں۔ سورۃ الرحیم: ۱۱) لہذا ہم اپنے خدائے عز و جل کے بے شمار انعامات بلکہ لا تعداد غیر محسوس راحات میں میں سے ایک ایسے احسان کو شکر کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو ہماری اس حیات قافیٰ کے واسطے ہائی افتخار و اعزاز اور عالم جاودا و ای کے لئے خاص سرمایہ ناز ہوا۔ وہ یہ کہ خالق حقیقی کی بندہ پروری ہے کہ ہم کو دور وارثی میں پیدا کیا۔ اور ہماری یہی آنکھیں اس مظہر الوار الہی کی زیارت جمال جہاں آرائے مستفیض ہوئیں جس کی شان محبوبیت کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔

تو بدیں جمال و خوبی سرطور اگر خرامی

ارنی بگوید آس کس کے لگفت لن ترانی

(اگر تو اسی حسن و خوبی سے طور پر جلوہ فرمائو تو وہی شخص ارنی کہے گا جسے لن ترانی کہا گیا۔)

اور دل سے، زبان سے، قلم سے خداوند عالم کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کے لیشان رحمت نے صرف ہماری آنکھوں ہی کو نہیں مشرف فرمایا۔ بلکہ ایسے وارث عالم کے سپرد کیا جو اس قرن میں ”يَدَ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ“ (ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔ سورۃ الفتح: ۱۰) کا مصدق ہوا۔ اور اس کے

اگر پسند
عالیٰ میں
دات لقل
جو میری
لزاں کی
طرین مجھ
ماہری اور
سے موتی
س ہے کہ
ن کرم اور

دست کرم نے ہمارے کمزور ہاتھوں کو پکڑا۔ اور اس راز مکنون سے خبردار کیا جو ہماری اسی ہیکل جسمانی میں مستور ہے اور آئیہ وافی ہدایہ ”فی انفسکم افلات بصرؤن“ (اور خود تمہارے نفوس میں بھی ہیں، سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ سورۃ الذاریات: ۲۱) جس کی دلیل ہے اور عشق احادیث جل جلالہ کا دشوار سبق جو ہر مذہب و ملت کی جان بلکہ عین ایمان ہے اور جس کا سمجھنا ہمارے ناقص فہم و ادراک کو محال تھا، آسان لفظوں میں اپنی کمال شفقت سے پڑھایا۔ اور اس دشوار گذار را میں پوری دشیری فرمائیں اپنی قوت کاملہ سے اکثر غلاموں کو منزل مقصود تک پہنچایا اور جو ارشاد حقیقی کا تماشا دکھایا۔

لہذا اس پیشوائے کامل کے باطنی عطیات اور روحانی فیوضات کا اندازہ کرنا تو محالات سے ہے حتیٰ کہ ظاہری ریاضت و مجاہدات کے بارے میں جو ہدایتیں فرمائی ہیں ان کو بھی حصار تحریر میں محدود کرنا اس وجہ سے ناممکن ہے کہ یہ ہشتاد سالہ دور وارثی جس کی رفعت و شان کا چار دنگ عالم میں نقارہ بجا، اور لا تعداد مخلوق الہی شرف بیعت سے مشرف ہوئی۔ اور اس رہبر صادق نے اپنے ہر ایک حلقة بگوش کو اس کے ظرف و استعداد کے مطابق ضرور ہدایت فرمائی۔ پس ہماری یہ محدود و اتفاقیت ان تمامی ہدایات کی تفصیل و قصر تبحیث میں کیونکرنہ عاجز ہو۔

بظاہر یہ ممکنات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ارشادات وارثی نقل ہو سکتے ہیں جن کو بگوش خود یا ہمارے معزز زبانیوں نے سنائے۔ اور جو صفحہ خیال کما حقہ محفوظ ہیں لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو یہ بھی آسان نہیں۔ چنانچہ عہد وارثی کا ایک چھوٹا سا حصہ تھا جس کو میں نے اپنی اس قلیل مدت کی حاضری میں دیکھا ہے کہ مختلف طبقات

کے لاتعداد نفوس حلقہ غلامی میں داخل ہوئے۔ اور ہر شخص کو اس کی الہیت اور حیثیت کے لحاظ سے حضور نے ہدایت فرمائی۔ لہذا جو جو ہدایتیں مریدین کو میرے سامنے تعلیم فرمائی ہیں خیال کرتا ہوں کہ انہیں ارشادات کا مجتمع کرنا معمولی کام نہیں۔

قطع نظر اس کے اگر کوشش بھی کی جائے اور بقدر اپنے علم و حافظہ کے ہدایات وارثی نقل میں ہوں تو وہ مجموعہ برادران طریقت کے واسطے زیادہ مفید نہ ہوگا کیونکہ ہر طالب کی حالت جدا گانہ ہوتی ہے۔ اور جس طرح ہر مرض کیلئے ایک دوا مقرر ہے اسی طرح طالبین کی طلب کے فرق و امتیاز کے لحاظ سے ان کی تعلیم بھی ان کے مناسب حال ہوتی ہے پس ہمارے طبیب باطنی نے اپنے ہر ایک دست گرفتہ کا علاج اس کے مرض و مزاج کی مناسبت سے کیا ہے، اور جو سنخہ اس کے لئے مفید متصور ہوا وہی اس کو مرجمت فرمایا ہے۔ اس لئے ایک مریض کا نسخہ دوسرے بیمار کے مناسب حال کیونکر ہو سکتا ہے۔

مثلاً ایک مرتبہ میلہ کا نک میں منتی امیر جان صاحب منصف و رئیس سہرام نے مجھ سے کہا کہ میری تمنا ہے کہ جناب حضرت کوئی وظیفہ مجھ کو تعلیم فرمائیں۔ میں ان کو جناب حضرت کے حضور میں لا لیا۔ اور بعجز و ادب ان کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور نے مسکرا کے ایک اسم حضرت باری ان کو تعلیم فرمایا۔ اس وقت منصف صاحب کے ہمراہ ان کے بھائی اور بھتیجے اور صاحبزادے بھی تھے۔ انہوں نے یہ بندہ پروری دیکھی تو یکے بعد دیگر یہی درخواست کی۔ میں نے دیکھا کہ حضور نے ہر مرتبہ قدرے سکوت فرمائے کہ مختلف اسماے الہی کی ہدایت فرمائی۔ اور ہر مرتبہ جو آپ نے غور فرمایا تو اس سے صاف یہ محسوس ہوتا تھا کہ جس طرح طبیب بعض دیکھتا اور بیمار کے مرض کی

لیا جو ہماری

بصرون،

۱۰۔ سورۃ

جو ہر مدھب

کو محال تھا،

ہ میں پوری

ور جوار شاہد

۱۱۔ اندازہ کرنا

ایتیں فرمائی

لہ دور وارثی

زف بیعت

کے ظرف و

امی ہدایات

ہو سکتے ہیں

محفوظ ہیں

یک چھوٹا سا

ف طبقات

تشخیص کرتا ہے اسی طرح حضور بھی ہر ایک کے درد دل کو دریافت فرماتے ہیں۔ اور یہی ہوا کہ جس کا جیسا در تھاوی می دوا اس کے لئے تفویض ہوئی۔

بلکہ یہ بھی دیکھا ہے کہ حضور نے ایک وقت میں دو طالبوں کو ایک ہی ذکر تعلیم فرمایا۔ مگر قاعدہ مختلف تجویز ہوا۔ چنانچہ جناب حضرت سے فقیر شاہ شاکر صاحب نے ایک مرتبہ یہ تمبا ظاہر کی کہ کوئی ذکر مجھ کو تعلیم فرمایا جائے۔ پیشوائے برحق نے ذکر اسم ذات جلالی قاعدہ سے ان کو تعلیم فرمایا۔ اور اسی جلسے میں احمد علی شاہ صاحب متواتر شیخ پورہ نے بھی یہی درخواست کی۔ اور اتفاق سے ان کو بھی ذکر اسی ذات کی ہدایت ہوئی۔ مگر دوسرے قاعدہ سے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ طالبین کی حالت اور واردات میں تفرقہ تھا لہذا ان کی تعلیم بھی اسی رعایت سے فرمائی گئی۔

بدیں خیال وہ ہدایتیں جن کی نسبت یہ علم بھی ہے کہ مختلف مریدین کے حق میں ارشاد فرمائی ہیں، ان کا ذکر اس رسالہ میں نہ کروں گا بلکہ وہ طریقہ اختیار کرتا ہوں جو باوجود اختصار کے انشاء اللہ زیادہ مفید ہو گا یعنی ایسے چند ارشادات نگارش کرتا ہوں جن کو حضور نے عام طور سے متواتر فرمایا ہوا اور جن کا عقائد اور اعمال، مذاق و مسلک سے گہر اتعلق ہو، اور جن کا تناطیب جمع غلامان بارگاہ وارثی کے شامل حال ہوا۔ اور جن کو قریب قریب جملہ مستر شدین نے گوش خود سنائے۔ اور جن کی تعییں سے سرکار عالم پناہ کا کوئی حلقة گوش مستثنی نہیں ہے اور جن کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں کیسے وقیق اور بڑے بڑے مسائل کا سبق دیا ہے۔ اور اس کا بھی اندازہ بخوبی ہو جائے کہ غلامان وارثی کا مذاق کیا ہے اور کیا کیا پابندیاں ان کے واسطے لازمی ہیں۔

لہذا پہلے بیعت کا ذکر کرتا ہوں جس میں مریدین کی مساوی حیثیت ہے اور غاص و عام کا فرق و امتیاز قطعی نہیں ہے۔ کیونکہ اقرار اطاعت جمیع علامان وارثی نے ایک طور پر کیا ہے لیکن حلقہ علامی میں داخل کرنے کے وقت حضور نے کیا ارشاد فرمایا، وہ البتہ قبل غور ہے۔

یہ مسلمہ ہے کہ جناب والا کا جوش عشق اور غلبہ استغراق کبھی اس کا مقاضی نہ تھا کہ آپ ہم دنیاداروں کی جانب متوجہ بھی ہوتے۔ علاوہ اس کے مزاج ہمایوں کا یہ انداز تھا کہ کوئی معاملہ کیسا ہی اہم کیوں نہ ہو گر اس میں طوالت ناپسند تھی۔ شاید انہیں وجہات سے بیعت لینے کے وقت جو قاعد مروج ہیں ان میں حضور نے اختصار فرمایا۔ اس اختصار کو یا تو جناب والا کا اجتہاد کہنا چاہئے۔ کیونکہ اکثر مقتدر حضرات

صوفیہ کرام نے بعض مسائل طریقت میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہے جیسے مخدومان حضرات چشت نے جملہ خانوادگان کے بر عکس مقامات سلوک میں نہایت اختصار فرمایا ہے۔

یا حضور نے اس وجہ سے قواعد بیعت میں اختصار پسند فرمایا کہ اصول بیعت کے واسطے جو شرائط لازمی ہیں انہیں کو اختیار کیا، اور فروعات کی ضرورت نہ بھجی۔ کیونکہ حضرات صوفیہ کرام نے بیعت لینے کے وقت ایک صورت نہیں اختیار فرمائی ہے۔ بیعت کے قواعد مروجہ میں بہت اختلاف ہے۔ مثلاً بعض خانوادوں میں بیعت کے وقت خطبہ کے ساتھ جو دعا میں پڑھتے ہیں تو دوسرے خانوادہ میں دیگر ادعیہ قواعد بیعت میں مروج ہیں۔ بعض بیعت کے وقت شجرہ بزرگان طریقت بھی پڑھتے ہیں، بعض نے موڑا شی کو بھی لازمی گردانا ہے، کسی خاندان میں کلاہ و خرقہ پوشی بھی ضرور

پیر کو موجود

نہیں کیونکہ

جس چیز کو پ

بغیر محبت کے

مفتضاً نے محو

ب

الرحمۃ کا (:

ہے) قول

اور تمہارا اغ

لکھا ہے کہ

محبت پیر

رجوع ہونا ا

ایسا ہی فرما

خاکر کرو ب

مروجہ کی تقلیب

اس کی محبت

کو بھی نہیں

بلکہ اکثر حض

بھی بائیں الف

ہے۔ کسی سلسلہ میں جام نوشی بھی بیعت کی ایک شرط خاص ہے۔ مگر تمامی پیشوایان طریقت نے اصول بیعت اسی کو مانا ہے اور اسی کی پابندی فرمائی ہے کہ توحید حضرت احمدیت کی تصدیق اور اطاعت مرشد کا اقرار ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقرار اطاعت اور تصدیق وحدانیت کے بعد جس قدر قواعد بیعت کے وقت مروج ہیں وہ سب فروعات میں داخل ہیں، اور ان کو مشايخین عظام نے بھی ضروری نہیں سمجھا ورنہ یکساں مطابقت کرتے۔ کیونکہ رواسم مروجہ اصول بیعت نہیں ہیں۔ بلکہ عہد رسالت سے چند صد یوں کے بعد یہ قواعد بیعت راجح ہوئے ہیں۔ چنانچہ صاحب کتاب معدن المعانی نے حضرت مخدوم سید شرف الدین یحییٰ علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد صفحہ ۱۶۲ میں نقل فرمایا ہے ”در عہد رسول علیہ السلام حلق و قصر و بیعت بدیں ہیئت نبود۔ خواجہ جنید از خود ابداع کردہ است۔“ (رسول اللہ ﷺ کے دور میں حلق، قصر اور بیعت کا طریقہ اس صورت میں راجح نہ تھا بلکہ اسے خواجہ جنید بغدادیؒ نے ایجاد کیا۔) شاید اسی وجہ سے آپ کی اختصار پسند طبیعت نے یہ منظور فرمایا کہ قواعد بیعت کا خلاصہ مگر مطابق اصول بیعت مرید سے یہی اقرار لینا کافی ہے کہ ”ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا پنجتن پاک کا خدار رسول کا“، اور باقی فروعات کو چھوڑ دیا۔

لیکن بیعت کی دوسری شرط یعنی اطاعت مرشد یہ کسی قدر تصریح طلب ہے کہ اطاعت پیر سے صرف ہاتھ پکڑنا ہی نہیں مراد ہے بلکہ مرید کو لازم ہے کہ ظاہری احکام پیر کی اتباع کا بھی تہبیہ مستقل ہو۔ اور باطنی اطاعت یعنی رجوع بیعت کے وقت محبت پیر بھی ہو جس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بیعت کے واسطے شرط لازمی محبت پیر ہے کیونکہ جس قدر عقائد مرید کے لئے منضبط ہیں یہ سب محبت پیر پر محول ہیں۔ مثلاً

پیر کو موجودہ تمام عالم سے بزرگ و برتر سمجھنا جو عقیداً لازمی ہے۔ یہ بغیر محبت کے ممکن نہیں کیونکہ محبت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ محب اپنے محبوب کو تمام عالم سے بہتر سمجھنا ہے۔ یا جس چیز کو پیر سے نسبت ہواں کا نقصان بیان کرنا قطعی ممنوع ہے تو مرید کا یہ خیال بھی بغیر محبت کے قائم نہیں ہو سکتا۔ یا تصور پیر جو مرید کے واسطے بہت ضروری ہے لہذا یہ بھی مقتضائے محبت ہے۔

چنانچہ امام شعرانی طبقۃ الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ شیخ عدی بن مسافر علیہ الرحمۃ کا (جن کا ۵۵ھ بھری میں انتقال ہوا۔ اور ملک شام کے قصبه باس میں مزار ہے) قول ہے کہ ”تم اپنے پیر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے مگر اس صورت میں کہ محبت ہو اور تمہارا اعتقاد اس کی نسبت ہر اعتقاد سے بڑھا ہوا ہو“، اور صاحب فوائد الفواد نے لکھا ہے کہ ”ارادت و بیعت عبارتیست از عشق و محبت پیر“، (ارادت و بیعت عشق و محبت پیر سے عبارت ہے۔) جس کا خلاصہ یہی ہوتا ہے کہ مرید کا محبت کے ساتھ رجوع ہونا اصل بیعت ہے۔ علی ہذا ہمارے وارث عالم پناہ نے بھی اس اعلان میں ایسا ہی فرمایا ہے جو ضبط تحریر میں آیا اور جس کا ذکر کسی جگہ آئے گا کہ ”چمار ہو یا خاکر ہو جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔“ شاید اسی وجہ سے حضرت نے قواعد مروجہ کی تقلید ضروری نہیں سمجھی۔ اور جب صاحب ارادت نے محبت سے رجوع کیا تو اس کی محبت ہی اس کی بیعت کے واسطے کافی متصور ہوئی۔ گو بظاہر سنت حضرات صوفیہ کو بھی نہیں چھوڑا کہ مرید کا ہاتھ بھی پکڑا اور خلاصہ طور پر مشروط بیعت کا بھی اقرار لیا۔ بلکہ اکثر حضور نے بیعت لینے کے وقت عبارت مذکورہ بالا کے پہلے انبات واستغفار کا بھی بایں الفاظ اقرار لیا ہے کہ استغفروا اللہ ربی من کل ذنب و اتوب

الیہ۔ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب۔ (میں اپنے ربِ کریم سے گناہوں اور خطاؤں کی معافی چاہتا ہوں۔ زبان سے اس کا اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔)

اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ اس مختصر عبارت میں اور اختصار فرمایا ہے یا کبھی یہ ہوا کہ اہل ارادت کے صرف رجوع پر یہ فرمایا کہ تم مرید ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہی راز مستتر تھا کہ جیسی محبت ارادت مند کی ہوئی اسی قدر اس کی بیعت میں اہتمام ہوا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ بیعت کے لئے صرف ہاتھ پکڑنا کافی نہیں ہے بلکہ شرط اولیٰ محبت پیر ہے۔

اکثر حضور نے اہل ارادت کی غائبانہ بھی بیعت لی ہے۔ چنانچہ متعدد حلقة بگوش ایسے ہیں کہ جو بذریعہ خط کے خواستگار بیعت ہوئے اور آپ نے ان کی یہ استدعا قبول فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے فقیر حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے کسی طالب صادق کا منظوم عریضہ پیش کیا جس میں غائبانہ بیعت کا وہ متندی تھا۔ آپ نے فرمایا کہ لکھ دو ”اگر محبت ہے تو مرید ہیں۔“ اور بعض مریدین نے عالمِ خواب میں بیعت کی اور اس واقعہ کو جب عرض کیا تو جناب والا نے اس بیعت کو قائم رکھا۔ یہ جملہ صورتیں اسی کی دلیل ہیں کہ بیعت کے واسطے خلوص اور محبت کافی ہے۔

حضور کے تصرفات باطنی اور فیوضات روحانی کی یہ شان بھی دیکھی ہے کہ آپ نے اکثر گذشتگان ماسبق کی ارادت ان کے ورثاء کی استند عا پر قبول فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سید نامدار شاہ صاحب متوفی مضاضات گیانے یہ گذارش کی کہ میری قرابت میں ایک بی بی ہیں جو بسببِ اجدِ مسافت حاضری ہے قاصر ہیں مگر بیعت کی

متنی ہیں۔ آپ نے فرمایا ”ہم نے ان کو مرید کر لیا۔“ شاہ صاحب نے یہ عنایت دیکھی تو ملجمی ہوئے کہ میرے لڑکوں کو بھی مرید کر لیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ ”وہ بھی مرید ہیں۔“ جب دریائے فیض و رحمت کا یہ جوش دیکھا تو شاہ صاحب نے دست بستہ گزارش کی کہ میرے بزرگان ماسبق کو بھی داخل بیعت فرمائیے۔ آپ نے تبسم کے ساتھ فرمایا ”اچھا سب کو مرید کر لیا۔“

علیٰ ہذا ایک مرتبہ قاضی منیر عالم صاحب مختار در بھنگ نے عرض کیا کہ مجھ کو تو شرف غلامی نصیب ہوا، مگر میرے آبا اجداد اس نعمت سے محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ”ان کو بھی مثل اپنے ہمارا مرید سمجھو۔“ قاضی صاحب نے یہ شفقت وارثی دیکھی تو مستدی ہوئے کہ میرے خاندان میں آئندہ پیدا ہوں وہ بھی میری طرح حضور کے نلاموں میں محسور ہوں۔ ارشاد ہوا کہ ”منیر عالم محبت سے سب ہو سکتا ہے۔ اچھا ان کو بھی مرید کر لیا۔“

یہ طریقہ بیعت گو بظاہر عجیب بلکہ بعد اعقل معلوم ہوتا ہے، مگر نہیں۔ یہ محبت کی زبردست نسبت کا شرہ ہے۔ وہ با تین جن کے سمجھنے میں ہمارا اور اک قاصر ہے وہ بجہت محبت سب ہو سکتی ہیں۔ بلکہ اکثر صاحبان قوت بزرگان طریقہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ”سیع سنابل“ نے لکھا ہے کہ سیدفتون نے حضرت مخدوم شیخ صفائی قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا نے مجھ کو فرزند نزینہ عطا کیا ہے لہذا آپ اس کو کلاہ و شجرہ مرحمت فرمائیں۔ حضرت مخدوم نے کشف باطنی سے معلوم فرمایا کہ سیدفتون کے آئندہ پانچ لڑکے ہوں گے۔ اور اس وقت تک نہ رہوں گا۔ ”پس پنج کلاہ و پانچ شجرہ حاضر کر د۔ و فرمودہ کہ ہر پنج پسر ان شمارا مرید کرو دیم۔ بعد از مدتے حضرت

قطب الـ
اس کی کاـ
تصرفات
کے مرید کـ
عین کر شمـ
ہیں جو عـ
وشفقت بـ
یا تھادعاـ
فما تعارـ
ا شکر ہے۔
ان میں یـ
میں بھی اذـ
مستقیض
ہمیشہ انـ
ہیں، تو انـ
کبھی غائبـ
طرح شخصـ
یا گز شتہ یـ

مخدومن فوت شد۔ و درخانہ سید فتن پیچ پرمولڈ شدند۔ ازیں معلوم شد کہ پیش تولد مردم نیز انابت وارادت درست است۔“ (پس پانچ ٹوپیاں اور پانچ شجرے حاضر کئے گئے اور فرمایا کہ تمہارے پانچوں بچوں کو ہم نے مرید کر لیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت وصال فرمائے۔ سید فتن کے ہاں پانچ بچے پیدا ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی غیر موجودگی میں بھی بیعت اور انابت وارادت درست ہے۔)

اور صاحب سبع سنابل نے سنبلہ دویم میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم شہ مینا قدس سرہ نے ایک شخص کو اس کے مرجانے کے بعد کلاہ و شجرہ (اس سلسلہ میں کلاہ پوشی بھی شرائط میں داخل ہے) مرحمت فرمایا۔

اور صاحب تذکرہ المتقین نے حضرت بدیع الدین قطب مدار علیہ الرحمۃ کے سفر جو نپور کے قصہ میں لکھا ہے ”شہاب الدین درہنگامہ سفر عرض کرد کہ در افادہ بیعت خلق اللہ چھ کھم می شود، فرمودند ہر کہ بحضور بالشرف ارادت مشرفت گشت او را تا ہفت پشت قبول کردیم۔ وہر کہ بے غیبت ماما مید ارادت وست صادق ما خواہند بوسیدو برائی نیزتا ہفتے اولاد برگزیدیم“۔ (دوران سفر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عرض کیا کہ مخلوق کی بیعت کا کیا فائدہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جو کوئی بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو جاتا ہے اس کی سات پیش قبول ہو جاتی ہیں۔ اور جو کوئی غیر موجودگی میں بھی ارادت کی امید سے ہمارے دستِ حق پرست کو بوسدے گا تو اس کی بھی سات پیش بگزیدہ ہو گنیں۔)

لہذا حضرت مخدوم شیخ صفی علیہ الرحمۃ کا پسر ان سید فتن کو قبل ولادت کے مرید کرنا۔ اور حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ کا ایک موئی اکو مرید کرنا۔ اور حضرت

قطب المدار کا اپنے مرید کی ہفت پشت قبل و ہفت پشت آئینہ کی ارادت کو قبول فرمانا اس کی کافی دلیل ہے کہ غائبانہ بیعت بھی جائز ہے۔ اور ہادیان راہ طریقت کے تصرفات باطنی سے غیر موجود ارادتمند بھی مستفیض ہوئے ہیں جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ مرید کی عقیدت و محبت اور پیر کے فیض و تصرف کو قلب اور باطن سے سروکار ہے جو عین کر شمہ روح ہے۔ اور روحانی تعلقات اس عالم مثال میں اسی نسبت سے ہوتے ہیں جو عالم ارواح میں قائم ہو چکے ہیں حالانکہ مرید کی ارادت و محبت اور پیر کی عنایت و شفقت بظاہر اس عالم ناسوت کے ارتباط و اتحاد کا سبب معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ اتحاد عالم ارواح میں قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ”الا رواح جنود مجندۃ فما تعارف منها ایتلف وما تنا کر منها اختلاف۔“ (رومیں ایک آراستہ کیا ہوا لشکر ہے۔ پس جن روحوں نے اس وقت ایک دوسرے سے جان پہچان حاصل کر لی۔ ان میں یہاں التفات ہوا۔ اور جنہوں نے ایک دوسرے سے نفرت کی انہوں نے دنیا میں بھی اختلاف کیا۔)

لہذا مقبولان بارگاہ ایزدی کے فیض و تصرف سے عالم ارواح میں جو روحیں مستفیض ہوتی ہیں ان کی ارادت بدستور قائم رہتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ہادیان برحق ہمیشہ ان کے نگران اور معین الحال رہتے ہیں۔ اور جب عالم مثال میں تشریف لاتے ہیں، تو ان کو اپنی بیعت میں داخل فرماتے ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ کبھی بقید اجسام اور کبھی غائبانہ محض روحانیت سے ان کی ارادت اس عالم میں قبول کرتے ہیں۔ اور جس طرح شخص موجود کو اپنے تصرف سے فیض یا ب کرتے ہیں اسی طرح شخص غیر موجود یا گزشتہ یا آئینہ نسلوں کو بھی اپنے فیض سے مستفیض فرماتے ہیں۔ لیکن یہ انہیں ذی

یعنی از لی ہو
ہیں۔ مگر لازم
سے بیعت:
اً
کے بعد اطا
کروں گا کہ
مسئل کے

(شیخ اور فاضل)
بیان بات۔
چھپ کر پی
اً
پاک سے ما
پوری تھے۔
ا
نسبت کا یہاں

اقتدار اور صاحب اختیار حضرات کا منصب ہے جو عنایات وہی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ طبقات الکبری میں لکھتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے تھے کہ ”میں اپنے مریدوں کو روز است بر بکم سے پہچانتا ہوں۔ اور اسی راز سے میں اپنے مریدوں کی تربیت کرتا رہا ہوں اور وہ صلیوں میں تھے مگر مجھ سے پوشیدہ نہ تھے“۔ اور اسی کو حضرت شیخ اکرم حجی الدین عربی علیہ الرحمۃ نے فتوحات میں نقل کیا ہے۔

علی ہذا حضور کے بھی بعض ارشادات کا یہی مفہوم ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایام میلہ کا تک میں چند معتقدین بے یک وقت خدمت والا میں حاضر ہو کر حصول شرف بیعت کے متدعی ہوئے۔ جناب حضرت نے تین یا چار شخصوں کی حسب دستور دست گیری کی، اور اقر ار اطاعت لے کر داخل بیعت فرمایا۔ لیکن اس کے بعد ایک طالب کا جب ہاتھ پکڑا تو فوراً چھوڑ دیا، اور مسکرا کر فرمایا ”اب بیعت کی کیا ضرورت ہے تم تو از لی مرید ہو، اور باقی طالبین کو پھر حسب دستور مرید کیا۔

دوسراؤ اقعده یہ ہے کہ جب حضور بالکل پور تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے معزز حضرات حلقة بگوش ہوئے۔ اسی وقت سے مولوی محمد احسن صاحب جو عمر اور نہایت مقدار شخص تھے بکمال خلوص و بشوق ارادت ہمیشہ خدمت والا میں حاضر ہوتے رہے۔ مگر جناب حضرت نے ان کو مرید نہیں فرمایا۔ آخر مولوی عبدالکریم صاحب نے سفارش کی تو اشاد ہوا کہ ”ان کو بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تروز ازال سے ہمارے مرید ہیں۔ اور اگر یہی خوشی ہے تو ہاتھ پکڑلو۔“

الغرض اس سے معلوم ہو گیا کہ اصل بیعت محبت پیر ہے اور یہ محبت قدیم

یعنی ازلی ہوتی ہے۔ اور علاوہ اس کے جس قدر قواعد بیعت مروج ہیں وہ مفید ضرور ہیں۔ مگر لازمی نہیں ہیں۔ اگر ان کو بھی پابندی کی جائے تو اچھا ہے ورنہ ان کے ترک سے بیعت میں نقصان نہیں آتا۔

اگر یہ خیال ہو کہ اطاعت مرشد اور توحید حضرت رب العزت کی تصدیق کے بعد اطاعت پختن پاک کا اقرار کیوں لازمی گردانا۔ اس کی نسبت پہلے یہ عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ بہت نازک ہے اور اس کی تصریح لاائق سفینہ نہیں ہے۔ ایسے ہی مسائل کے اظہار کے لئے حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

احوال شیخ و قاضی و شراب اليہود شان

کردم سوال صحیح دم زپیر مے فروش

گفتا نہ گفتنتیت خن گرچہ محرومی

درکش زبان و پرده غنہدارو مے بنوش

(شیخ اور قاضی کی شراب نوشی کے متعلق پیر مغال سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ ناقابل بیان بات ہے۔ اگرچہ تو محروم راز ہے۔ پس اپنی زبان بند رکھ اور پرده کو مد نظر رکھ اور چھپ کر پی لے۔)

اسی قدر سمجھنا کافی ہو گا کہ حضور کا سلسلہ نسبِ بکمال صحت حضرات پختن پاک سے ملتا ہے۔ چنانچہ اکثر آپ نے فرمایا ہے کہ ”ہمارے بزرگ سادات نیشا پوری تھے۔ اور ہماری غیر خاندان سے مناکحت نہیں ہوتی۔“

علاوہ اس کے آپ کو حضرات پختن پاک سے خاص نسبت تھی۔ اور اسی قومی نسبت کا یہ اثر تھا کہ آپ نے بیعت لینے کے وقت گود گیر پیر ان طریقت کا ذکر نہیں کیا

کیونکہ اصل
استعمال فرمائے
مٹنے والوں کا
ایسی کے ساتھ
مہدہ ابرہمہ سے
علوٰ
آپ کے عشق
بیان کیا ہمیشہ
فرمایا کرتے۔
کبھی اپنی مرشد
کے جس سے ہے
فرمایا پانی لاوے
”پانی پی لیں،“
تھے۔ اور اگر وہ
تھا۔ اور کھانا کہ
تھا، اس وقت خیل
یہ فرماتے تھے کہ
اور بہت تھوڑا
مطلق التفات نہ

لیکن بکمال اہتمام مریدین سے اطاعت پختن پاک کا اقرار ضرور لیا۔ جو حضور کی عین
ہندہ پروری کی بھی دلیل ہے کہ ہم غلاموں کو اپنے اجداد طاہرین کے سپرد فرمایا جہاں
ہمارے وہم و خیال کی بھی رسائی ناممکن اور محال تھی۔ چنانچہ اپنی نسبت کو جناب والا
نے بارہا بلکہ متواتر یوں فرمایا ہے کہ ”جب ہم جنتِ البقع میں گئے اور حضرت خاتون
جنۃ کا مزار دیکھا تو اس طرح قبر سے لپٹ گئے جیسے کوئی اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔
اور مزدہ بھی دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ خون کا جوش ہے۔“

یا اس کا سبب یہ تھا کہ حضور نے اکثر فرمایا ہے کہ ”ہمارا مشربِ عشق ہے۔ اور
سلسلہ عشق حضرات پختن پاک پر ختم ہوتا ہے۔“ بقول مولانا عشق امیر المؤمنین حیدر بود۔
تو حضور کا کرم تھا کہ اپنے ہر ایک حلقہ بگوش سے ان برگزیدہ خدا کی اطاعت کا اقرار لیا جو
سرچشمہِ عشقِ حقیقی ہیں۔

ہر چند کہ جملہ حضرات صوفیہ کرام کا مشربِ عشق سے ماخوذ ہے۔ ارباب
طریقت کا یہ کلیہ ہے کہ بغیر عشق صادق عرفان الہی اور اسرارِ احادیث سے آگاہی محال
ہے۔ مگر حضور نے عشق کی ناگزیر منزل جس صبر و استقلال سے طے فرمائی۔ اور جس
شان و خوبی سے ہو کے ویران اور سنسان میدان میں مردانہ واربر کی اس کی نظیر چند
صدیوں سے نہیں ملے گی حتیٰ کہ لوازمات عشق کو بھی نہیں چھوڑا۔ اور ایک ایک کو اتمام و
اختتام کی حد تک پہنچادیا۔ لہذا آپ کے شوق باطنی سے تو ہم بالکل بے خبر ہیں مگر چند
ظاہری آثار زگارش ہوتے ہیں جن سے آپ کے عشق کامل کا اظہار ہوتا ہے۔

مثلاً پہلے آپ کے وضع لباس کو دیکھئے جس سے سراپا غلبہ روحانیت اور شان
عشق آشکار سے۔ مزید برآں رنگ بھی وہ پسند فرمایا جو خاص عاشقوں کا نشان ہے۔

کیونکہ اصل رنگ آپ کے احرام کا زرد ہے۔ اور آپ نے زرد ہی رنگ کا تہبند زیادہ استعمال فرمایا ہے جو خاکساری کی نمایاں دلیل ہے کہ زرد رنگ مٹی کا ہوتا ہے۔ اور مٹی ملنے والوں کا نشان ہے یا مٹ جانے کا سبق دیتی ہے جو عاشقان جان باز کا شیوه ہے۔ اسی کے ساتھ برہنسہ پارہنا عین آزادی اور دنیا سے بے تعلق ہونے کا ثبوت ہے۔ مہذاب برہنسہ سر رہنا اہل محبت کی بے چینی کی تصویر ہے۔

علی ہذا آپ کے صبر و قناعت میں بھی خاص خصوصیت ہے۔ اور یہ اخلاص آپ کے عشق کامل کی بین دلیل ہے کہ نہ رہنے کو مکان بنایا۔ نہ کھانا پکانے کا سامان پہنچ کیا ہمیشہ سیر و سیاحت میں بسر کی۔ اگر کسی نے دعوت کی تو کھایا۔ بلکہ اکثر آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”ہم تو مسافر ہیں“۔ اور کھانے کا تو کیا ذکر ہے۔ آپ نے پانی بھی کبھی اپنی مرضی سے نہیں پیا۔ چنانچہ اکل و شرب کے بارے میں حضور کی عادت یہ تھی کہ جس سے صبر و قناعت کی عجیب شان نمودار ہوتی تھی کہ جناب والا نے کبھی نہیں فرمایا پانی لاؤ۔ بلکہ خادم سے مخاطب ہو کر نہایت نرم لمحے میں یہ ارشاد فرماتے تھے کہ ”پانی پی لیں“، اگر خادم نے کہا کہ اس وقت مناسب نہیں ہے تو آپ خاموش ہو جاتے تھے۔ اور اگر وہ لے آیا تو آپ نے پی لیا۔ گویا آپ کا پانی پینا بھی خادم کی مرضی پر تنصر تھا۔ اور کھانا کھانے میں تو یہ بھی نہ تھا۔ دعوت کرنے والا جب کھانا لے کر حاضر ہوتا تھا، اس وقت خادم عرض کرتا تھا کہ حضور کھانا آگیا ہے جس کے جواب میں اکثر آپ یہ فرماتے تھے کہ ”کھانا آگیا“، اور کبھی متبسم لبوں سے یہ ارشاد ہوتا تھا کہ ”آپ آگئے اور بہت تھوڑا کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ذائقہ کی جانب مطلقاً التفات نہیں، سے کیونکہ خدام کھانے کا نام لے کر رکاوی پیش کرتے تھے تو اکثر یہ

لے لامور
فرمائی۔ ہمیشہ^۱
حاصل نہ ہو
کہ مثل دیگر
عما
کی ہدایت کر
یہ ان طریق
چشتیہ کا شجرہ
روزمرہ کی معمولی شان تھی۔

ہوا ہے کہ حضور نے دال کو زبان پر رکھا اور فرمایا کہ شیر برخ اچھی پکائی ہے،۔

تحمل کی یہ حالت تھی کہ کبھی بیماری کی سخت تکلیف بھی بیان نہیں کی۔ انداز سے خادم پہچان جاتے تھے اور بے اسرار علاج کرتے تھے۔ حتیٰ کہ طبیب نے بھی مزان پوچھا۔ تو یہی فرمایا کہ ”اچھا ہے“، کبھی حرف شکایت سے زبان آشنا نہیں ہوئی۔ ہمیشہ راضی برضاۓ مطلوب حقیقی رہے۔ اور بارہا آپ نے فرمایا کہ ”رضاو تسلیم تو اہل بیت کے گھر کی چیز ہے۔“ دنیا اور اسباب دنیا سے نفور جملہ تعلقات سے تحریم مرادات سے فراغ خواہشات سے انقطاع اور تمام عالم سے بے سروکار رہنا آپ کے عادات روزمرہ کی معمولی شان تھی۔

اول۔
ج
یہ شجرہ کی تڑ
معمولی طریق
ہبرہ کے طا
ایک ذات۔
سروکار رہا۔
او
او جاتا تھا۔
بگوش باقی ہے
کوئی غرض۔

اس سے بھی آپ کے عشق کامل کا اظہار ہوتا ہے کہ بلا لحاظ حیثیت واستعداد اور بغیر کسی خصوصیت کے جس معتقد نے حضور کے چہرہ انور کو دیکھا بے ساختہ قلب میں تحریک محبت اور کشش پیدا ہوئی۔ اور کم یا زیادہ طبیعت گداز اور پر جوش ہو گئی۔ اور خیال مائل بہ آزادی ضرور ہوا۔ اب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ حضور کے عشق کامل کا یہ اثر تھا کہ وہ شخص جو مذاق محبت سے محض نا بلدر ہوتا تھا۔ اس کے دل میں بھی بغیر کسی کوشش کے محبت قبول کرنے کی کم و بیش صلاحیت فوراً پیدا ہو جاتی تھی۔ جس طرح نور آفتاب ہر تیرہ و تاریک مقام کو روشن کر دیتا ہے اسی طرح آپ کے کمال عشق کا یہ تقاضا تھا کہ جو دیکھتا اس کے دل میں کشش عشق کا ضرور اثر ہوتا تھا۔

اور بعض عادات و آثار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کو افاضہ عشق بغیر واسطہ اور بے حجاب بارگاہ حضرت مرتضوی سے ہوا جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بظاہر سلسلہ قادر یہ رزاقیہ اور چشتیہ نظامیہ سے آپ کو صفر سنی میں ضرور تعلق ہوا مگر کبھی آپ

لے غلاموں کی بیعت و تعلیم میں سلسلہ قادریہ و چشتیہ کے قواعد مر وجہ کی تقلید نہیں فرمائی۔ ہمیشہ اور ہر امر میں آپ نے اجتہاد فرمایا۔ پس اگر آپ کو بے واسطہ فیض حاصل نہ ہوتا اور حضرت مرتضوی سے بے جا ب اور مخصوص نسبت نہ ہوتی تو لازمی تھا کہ مثل دیگر مشايخین عظام آپ بھی پیران طریقت کی پوری تقلید فرماتے۔

علی ہذا پیران طریقت مریدین کو شجرہ مرحمت فرماتے ہیں۔ اور اس کے ورد کی ہدایت کرتے ہیں۔ مگر یہ اہتمام بھی حضور نے نہیں کیا۔ نہ خود کسی حلقہ گوش کو سلسلہ پیران طریقت کا شجرہ دیا۔ اور نہ داخل اور ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ بلکہ سلسلہ قادریہ و چشتیہ کا شجرہ جو دربار وارثی میں تقسیم ہوتا تھا اس کی ابتداء بقدر واقفیت مجملًا نگارش کرتا

اول۔

جہاں تک معتبر ذرا رائع سے سنا وہ یہ ہے کہ ۱۲۶۱ ہجری کے قبل دربار وارثی میں شجرہ کی تقسیم نہیں جاری ہوئی تھی۔ بلکہ شجرہ کا وجود بھی نہ تھا۔ اور جس طرح غیر معمولی طریقہ سے مریدوں کو آپ نے شجرہ نہیں دیا، اسی طرح خلاف معمول مرید بھی شجرہ کے طالب نہیں ہوئے جس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ حضور کو بلا واسطہ ایک ذات سے تعلق تھا۔ لہذا اسی نسبت کا یہ عکس تھا کہ مریدوں کو بھی ایک ہی ذات سے سروکار رہا۔

اور یہ عکس ایسا قوی تھا کہ سلسلہ کا خیال بھی غلاموں کے قلب سے خود بخود محظوظ جاتا تھا۔ بجز نظارة جمال وارثی ان کو کوئی اور جستجو نہ تھی چنانچہ آج بھی جو قدیم حلقہ گوش باقی ہیں۔ ان کی یہی حالت ہے کہ نہ ان کے پاس کوئی شجرہ ہے۔ نہ اس سے کوئی غرض ہے کہ کسی سلسلہ میں مرید ہوئے۔ اگر دریافت کرو تو فخر و مباحثات کے

سوال سن کر
بھی نہیاں
اتلا توقف
ہارہایہ ہوا
کیونکہ سوار

کو غریب گا
لیکن اس و
کرہ میں ہے
حصہ میں چا
کے کمرہ کے
جب عورت اور
جناب والا کا
دیکھا کرنے کا
انگلوٹ باند
کیا؟ ”حضور
متعدد واقعہ،
 حاجت رواں
چاہئے کہ یہ

ساتھ اسی قدر کہتے ہیں کہ ہم دارثی ہیں۔

لیکن ۱۲۶۱ھجری کے بعد بعض خدام نے حضرت حاجی سید خادم علی شاہ اعلیٰ اللہ مقامہ کا شجرہ قادر یہ و چشتیہ لا کر حضور کو دکھایا۔ اور عرض کیا کہ آپ کا نام بھی اس میں لکھ دیں؟ آپ نے فرمایا لکھ دو۔ جب سے وہ شجرہ بیاض میں نقل بھی ہوا۔ اور مشی خدا بخش صاحب شائق نے نظم بھی کیا۔ اور کچھ عرصے کے بعد چھپ بھی گیا۔ اور جس طرح دیگر تھائے جناب والا کے سامنے پیش ہوتے تھے وہ چھپا ہوا شجرہ بھی پیش ہوا۔ حضور نے کسی کو دس کسی کو بیس دلوادیئے۔ اور باقی شجرے مولوی عبدالکریم صاحب متوفی شیخ پورہ سے کہا کہ یہ تم لے جاؤ۔ اس وقت سے یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ غلامان دارثی نے جدید طرز پر شجرہ نظم بھی کیا۔ اور بعض عقیدت مند اس کو چھپواتے بھی تھے جس کو خدام تقسیم کیا کرتے تھے۔ مگر حضور نے اس دور میں بھی کسی کو مرید کرنے کے بعد خود شجرہ سلسلہ طریقت نہیں دیا۔

چونکہ آپ کے برادر نسبتی حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب نے صفر سنی میں آپ کی نگہداشت کی۔ اور اسی زمانے میں مرید بھی کر لیا تھا۔ اس لئے خاندان قادر یہ و چشتیہ سے جو تعلق تھا اس لحاظ سے شجرہ جود و سروں نے لکھا اور چھپوایا اس کی تقسیم کو بھی جائز رکھا۔ لیکن مثل مشاہین عظام مریدین کو خود شجرہ دینا اور اس کے ورد کی ہدایت فرمانے کو آپ نے لازمی نہیں متصور کیا۔ حالانکہ قواعد مردوجہ میں یہ بھی ایک جزو خاص ہے اور شجرہ دینے کا اہتمام نہ کرنا، یہ اس کی نیتن دلیل ہے کہ آپ کو بغیر کسی ذریعے اور توسل کے افاضہ ہوا۔

علیٰ ہذا عادات روزمرہ میں سے آپ کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ سائل کا

وال سن کر آپ بے چین ہو جاتے تھے۔ اور چہرہ اقدس پر آثار ہمدردی کے ساتھ تفکر
بھی نمایاں ہوتا تھا جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ حاجت روائی میں عجلت منظور ہے۔
اتاقوف بھی ناگوار تھا کہ خادم کو حکم دیں اور وہ سائل کی حاجت کو پورا کرے۔ بلکہ
اڑھا یہ ہوا ہے کہ ادھر سائل کا سوال سننا اور فوراً اپنا خاص فرش یا احراام پاک حوالہ کر دیا۔
کیونکہ سوائے فرش زیریں اور ایک تہبند کے اور آپ کے پاس کیا رہتا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا یہ واقعہ ہے کہ حضور شکوہ آباد میں قیام پذیر تھے۔ اور شب
کو غریب مگر پردہ نشین عورتیں قد مبوسی کو حاضر ہوئیں۔ گود یگر متاز خدام بھی ہمراہ تھے
لیکن اس وقت مجھے حقیر کو حضوری نصیب تھی۔ آپ کے حکم سے باہر آیا۔ اور وہ عورتیں
کمرہ میں بہر زیارت جانے لگیں۔ اور میں اپنی ضرورت سے اس مکان کے دوسرے
 حصہ میں چلا گیا۔ مگر بابو کنہیا الال صاحب و کیل عرف غلام وارث متطن علی گڑھ کو حضور
کے کمرہ کے پاس اس لئے بٹھا گیا کہ جب آپ طلب فرمائیں تو مجھ کو بلا لیجئے گا۔
جب عورتوں کی آمد و رفت موقوف ہوئی تو بابو صاحب موصوف نے کمرہ میں دیکھا تو
جناب والا کو تہما اور عجیب حالت میں پایا۔ بے تاب ہو کر مجھ کو بلا یا۔ میں نے جا کر یہ
دیکھا کہ نہ تو فرش کی چادر ہے نہ رضائی، نہ لحاف، بلکہ تہبند بھی دے دیا ہے۔ صرف
لنگوٹ باندھے ہیں۔ میری زبان سے اضطرابی حالت میں یہ نکل گیا کہ آپ نے یہ کیا
کیا؟ ”حضور نے مسکرا کر فرمایا کہ عورتوں نے مانگا تھا ان کو دے دیا۔“ اسی قبیل سے
متعدد واقعات ہیں کہ حضور نے سائل کو محروم نہیں رکھا۔ اور اس خوبی سے اس کی
حاجت روائی فرمائی جس سے کامل طور پر سخاۓ پختن کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا
چاہئے کہ یہ خاندانی شرف تھا جو آپ کو وراشتہ تفویض ہوا تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالحق

دہلوی نے اپنی مستند تالیف شرح سفر السعادت میں لکھا ہے کہ ”بخاری و مسلم از حدیث
جا بر آور دہ اند کہ سوال کردہ نشد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم از چیز ہرگز در بر آس لا
گفتہ باشد و قال الفرزوق فی نعمة صلے اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری و مسلم حضرت جابر روای
حدیث کے بارے میں متفق ہیں کہ حضورؐ سے کسی شے کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا
کہ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا ہو ”نہیں“، یعنی آپ نے نہ کی ہو۔)۔

ما قال لا قط الا في تشهد

لولا التشهد كانت لا واه نعم

(آپؐ نے کبھی لانہیں کہا سوائے تشهاد کے۔ اگر تشهاد نہ ہوتی تو آپؐ کے منہ سے لا بھی
نعم کے معنی رکھتا۔)

اور فرزوق کے اس شعر کا ترجمہ کسی عجمی شاعر نے بھی کیا ہے۔

نزفت لا بزباں مبارکش ہرگز

مگر با شہدان لا الہ الا اللہ!

(آپؐ کی زبان مبارک سے ہرگز لا کا کلمہ سرزنش نہیں ہوا۔ مگر صرف یہ کہ میں گواہی دیتا
ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اللہ نہیں۔)

چونکہ ہمارے سرکار عالم پناہ کو اپنے جدا علی سے کامل نسبت تھی۔ لہذا اسی
نسبت کا یہ اثر تھا کہ آپ نے کبھی سائل کا سوال رو نہیں کیا۔

از اس جملہ آپؐ کے مزاج ہمایوں کا یہ انداز بھی اسی نسبت کامل کو ظاہر کرتا
ہے کہ جب کوئی بات آپؐ کو بہت زیادہ ناپسند ہوئی۔ اور اس سے انکار قطعی منظور ہوا تو
آپؐ حضرات پنجتنؓ کی قسم کھاتے تھے۔ پھر غلاموں کو اصرار کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

کیونکہ اکثر دیکھا کہ حضور نے حضرات پنجمین کے واسطے سے جو عہد فرمایا اس کے خلاف کسی کی کوشش بکار آمد نہیں ہوئی چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ پہلے آپ کے لباس میں تین کپڑے ہوتے تھے۔ لگوٹ، تہبند، رومال اور جو شخص آپ کے واسطے تہبند لاتا تھا۔ وہ لگوٹ اور رومال بھی لاتا تھا۔ رومال کا مصرف یہ تھا کہ آپ کی عادت تھی کہ ہمیشہ دہنی کروٹ سے استراحت فرماتے تھے۔ اور رومال دانہنے ہاتھ لے کر زیر سر رکھتے تھے جس پر کچھ حصہ رخسار کا بھی ہوتا تھا۔ یا جب کہیں شریف لے جاتے تھے تو وہ رومال کمر سے باندھ لیا کرتے تھے۔ ایک روز دیوے شریف میں چند پرده نشین گورتیں قد مبوی کو آئیں۔ اور ان کے جانے کے بعد خادم نے تلاش کیا تو رومال نہ ملا۔ چونکہ رومال ہمیشہ پاس رہتا تھا، اس لئے اس کے استعمال کی عادت تھی تو حضور کی آزاد مزاجی نے اس کو بھی ناپسند کیا۔ اور اسی وقت آپ نے حضرات پنجمین کے واسطے سے فرمایا کہ آج سے رومال نہ رکھیں گے۔ اور ایک عرصہ تک صرف ہاتھ کو زیر سر رکھ کر استراحت فرماتے رہے۔ جب ہر وقت کی یہ تکلیف غلاموں سے نہ دیکھی گئی۔ اور نہ رومال کی بابت اصرار کرنے کی جرأت ہوئی تو بعض مقرب مریدین نے ململ کا سفید تین گز کا ٹکڑا اس التجا کے ساتھ پیش کیا کہ اس کو رخسار کے نیچر کھانا قبول فرمایا جائے۔ کیونکہ یہ نہ رومال ہے نہ تہبند کا ہم رنگ، جناب والا نے غلاموں کی استدعا کو یہ فرمایا کہ ”تم کو محبت ہے ورنہ ہم کو تکلیف نہ تھی۔“ مگر رومال نہ حضور نے پھر رکھا اور نہ مریدین نے پیش کیا۔

اور جناب والا کا بارگاہ مرتضوی سے بلا واسطہ مستفیض ہونا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے اکثر مریدین کی بیعت اویسیہ طریق سے لی۔ یا متعدد حلقة

الحال

سیدواہ

مریدہ

گئے

کا بیان

تعاقاب

فرمائی

باون

کیا۔ ا

لپوں۔

کہ دیکھ

طرح

ندا کی

نجف

ہناب

حال ہو

بگوش آپ کے ایسے ہیں جن کو ہدایت بھی اویسیہ طریقہ سے فرمائی۔

علیٰ ہذا بعض ارشادات سے بھی حضور کی نسبت کامل ثابت ہوئی ہے حالانکہ وہ غیور مزان اس قدر کتمان و انخفا کی جانب راغب تھا کہ ہمیشہ اس کی احتیاط رہی کہ خلوت میں بھی ایسا ذکر نہ ہو جو نمود و شہرت اور خود ستائی پر مبنی ہو۔ بلکہ فروتنی کی جانب اس قدر طبیعت مائل تھی اور یہاں تک گمانی پسند تھی کہ کبھی اپنی زبان سے اپنا نام بھی نہیں لیا۔ چنانچہ دستور تھا کہ قاصد وغیرہ میں اگر آپ کا نام نامی نظم ہو جاتا تھا تو آپ اس مصروف کو نہیں پڑھتے تھے۔ پس جومزان اس قدر سادگی پسند ہو وہ اپنے علوی مرتبت کی صاف لفظوں میں کیونکر بیان کر سکتا ہے۔ مگر تاہم بعض ارشادات خصوصیت کے ساتھ اس قوی نسبت کو ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کو بغیر واسطہ فیض حاصل ہوا۔

چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ ”عشق جس کو ملا ہے حضرات پنجتن“ سے ملا ہے۔ اور یہ بھی متواتر ارشاد ہوا ہے کہ ”عشق وہی ہے جو کسب سے نہیں ملتا۔“ یہ بھی حضور نے بطور قصہ کے اکثر فرمایا ہے کہ سید و اڑا کے ایک صاحبزادے ہمیشہ لڑکوں کے ساتھ کھیلा کرتے تھے۔ اور پڑھنے سے غیر متفق دیکھ کر اہل بستی کہتے تھے کہ میاں لڑکے تم ضرور سید و اڑا کا نام خراب کرو گے۔ مگر وہ لڑکا یہی کہتا تھا کہ ہم جن کے ہیں۔ اگر ان کو شرم ہوگی تو خود پڑھا لیں گے۔ اور یہی ہوا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہی لوگ جو لڑکے کے دادا کے برابر تھے اس کے مرید ہو گئے۔

یہ قصہ اگر بلحاظ واقعات کے دیکھا جائے تو ”گفتہ آید در حدیث دیگرال“ (کسی دوسرے کی بات بیان کرتے ہوئے اپنی، اندر کی بات کہنا) کا مضمون صادق آتا ہے۔ کیونکہ دیوے شریف کے معمر حضرات کا بیان ہے کہ آپ صغری سے مستغرق

الحال تھے۔ زیادہ وقت آپ کا تہائی یا صحرائیں گزرتا تھا۔ اور اہل بستی کہتے تھے یہ لڑکا سید و اڑہ کا نام خراب کرے گا۔ لیکن آخر میں وہی معمراً اور مقدس حضرات بھی آپ کے مرید ہوئے۔

از اس جملہ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب آپ پہلی مرتبہ حجاز گئے تھے تو جوش و جذبات کی یہ کیفیت نہ تھی جو بعد مراجعت کے دیکھی۔ اور بعض خدام کا بیان ہے کہ قیام نجف اشرف میں آپ کے جوش قلبی کی یہ کیفیت ہوئی کہ جمیع تعلقات سے دست بردار اور ہمہ تن محو تجلیات دلدار ہو گئے۔

چنانچہ اس حقیر کو ۱۳۱۲ھجری میں آنحضرت نے سفر عراق کی جب اشارت فرمائی تو بھی حکم ہوا کہ ”نجف اشرف پہنچنا تو وادی السلام میں درنجف ڈھونڈھنا۔ اور باون نگینے درنجف کے اور باون موئے نجف ہمارے واسطے لانا۔“ حسب ارشاد ایسا ہی کیا۔ اور بعد واپسی نجف اشرف کے جب ہر دو قسم کے نگینے پیش کئے تو حضور نے مقبسم لبؤں سے فرمایا ”موئے نجف تو لائے مگر تصویر نجف بھی دیکھی تھی؟“ میں نے عرض کیا کہ دیکھنا کیسا نام بھی نہیں سنا۔ اور نہ تصویر نجف کی حقیقت معلوم ہے۔ فرمایا کہ ”بس طرح درنجف میں بال دکھائی دیتے ہیں اور اس کو موئے نجف کہتے ہو۔ اسی طرح شیر خدا کی شبیہہ دکھائی دیتی ہے کہ کھڑے ہیں اور ذوالفقار ہاتھ میں ہے اور اسی کو تصویر نجف کہتے ہیں۔“ میں نے عرض کیا کہ حضور نے تصویر نجف دیکھی تھی۔ اس وقت جناب حضرت نے پنجی نظر کر کے آہ سرد کے ساتھ بے ساختہ فرمایا کہ ”اسی کو دیکھ کے تو یہ حال ہوا۔“

غرض ارشادات مذکورہ سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کو بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے

حضرت خاتم الولایۃ الکبیرہ، سید الاولیاء الشہیر، قطب دائرۃ المقادیں والملائیب مولا ناو مولی الکل اسد اللہ الغالب سیدی علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہے فیض باطنی حاصل ہوا۔ اسی وجہ سے بہت قوی اور ممتاز نسبت آپ کو حضرات پنځتن سے تھی جود گیر صوفیہ میں عام طور پر نہیں پائی جاتی۔ اور یہی سبب تھا کہ آپ کے جوش میں خاص قسم کی خصوصیت اور کیفیت میں غیر معمولی اثر تھا۔

حالانکہ جملہ و اصلاح حق کو افاضہ بارگاہ مرتضوی ہی سے ہوا اور ہوتا ہے اور ہوگا۔ مگر ہمیشہ یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ فیضان جو پیر ان طریقت کے سلسلہ سے پہنچتا ہے، اس میں اور فیض بلا واسطہ میں بدیہی امتیاز ہوتا ہے۔ چونکہ اول الذکر میں حباب حائل ہوتے ہیں اس لئے وہ خصوصیت نہیں ہوتی جو بغیر واسطہ اور بلا حباب حاصل ہونے میں ہوتی ہے جیسا کہ نور آفتاب جب بلا حباب ہوگا تو اس میں خاص قسم کی ضو ہوگی اور جب ایک شیشہ کے بھی حباب سے دیکھا جائے گا تو گو شیشہ مصفا ہوتا ہے مگر اس نور میں وہ صفائی نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ چند حباب حائل ہوں تو کیونکروہ شان رہے گی جو نور بلا حباب میں ہوتی ہے۔

چنانچہ وہ خاصان خدا جو فیض بلا واسطہ سے مستفیض ہوئے ہیں۔ ان کی حالت میں ضرور خصوصیت ہوئی ہے۔ مثلاً حضرت شاہ بدیع الدین قطب المدار قدس سرہ کا حال خاص طور پر ممتاز تھا جس کی وجہ یہی تھی کہ آپ کو بلا واسطہ حضور نبویؐ سے فیض نصیب ہوا۔ جس کی تصریح اور آپ کے ذوق و شوق جوش و جلال کا احوال کتاب تحفۃ الابرار فی مناقب قطب المدار مصنفہ شاہ عزیز اللہ مداری۔ اور سفیہۃ الاولیاء مصنفہ مرزادار اشکوہ اور کتاب اکمال فی اسماء الرجال مصنفہ شیخ عبدالحق محدث

دہوی اور رسالہ ایمان محمودی مصنفہ قاضی محمود کنثوری اور بحر المعانی وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور لطائف اشرفی میں مرقوم ہے کہ جب حضرت قطب المدار مدینہ منورہ میں عاضراً اور شرف آستان بوسی سے مشرف ہوئے تو ”بروحانیت پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفائی باطنی اور امیرگشت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکمال مہربانی خود دست اور گرفتہ اسلام حقیقی تعلیم فرمودند و بروحانیت حضرت مرتضیٰ علی گرم اللہ وجہہ سپردند“ (حضرت قطب مدار کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی روحانیت پاک سے باطنی صفائی میسر ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے بڑی مہربانی سے ان کز ہاتھ پکڑا اور ان کو صحیح اسلامی تعلیم عطا فرمائی اور انہیں روحانیت کیلئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے سپرد فرمایا۔) اس کے بعد لکھا کہ ”پس شاہ مدار حسب الحکم درنجف اشرف رفت و کار خود تمام کرده باز بہ کہہ آمدند۔“ (پس شاہ مدار حکم کے مطابق نجف اشرف تشریف لے گئے اور اپنا کام مکمل کیا اور پھر مکہ واپس آگئے۔)

علیٰ ہذا سیدی محمد ابوالمواحب شاذلی علیہ الرحمۃ جو اپنے وقت کے بہت اگلے ابرار اور صاحب جوش تھے۔ اور جنہوں نے موشحات زبانیہ نظم فرمائے ہیں۔ اور اگلہ حالت سکر میں رہتے تھے۔ آپ کی کتاب شرح الحکم اور القانون سے امام عہد الوباب شعرانی نے آپ کا ی قول طبقۃ الکبریٰ میں نقل کیا ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بیعت لی اور مجھ کو خرقہ تصوف پہنایا“، اور نیز طبقۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ سید ابراہیم متولی جو ولایت میں صاحب دو ائمہ کبریٰ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ان کا کوئی پیر نہ تھا۔ اور یہ بیداری میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے معاملات میں مشورہ لیتے تھے۔

اور تاج العارفین حضرت شیخ محبی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ کو علاوہ اس فیضان کے جو ذریعہ اور واسطہ سے ملا ہے باطنی طور پر بھی افاضہ حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ صاحب مراث الاسرار نے لکھا ہے کہ ”شیخ اکبر خرقہ بے واسطہ از دست خضر علیہ السلام نیز پوشیدہ است۔“ (شیخ اکبر و خرقہ طریقت بلا واسطہ حضرت خضر سے ملا۔)

غرض کتب سیر میں ایسے مقبولان حضرات احادیث کا ذکر اکثر ہے جن کو بغیر تو سلسلہ پیران طریقت خاص بارگاہ رسالت یا حضرت مرتضوی کے حضور سے بلا واسطہ فیض حاصل ہوا۔ اور ان کے علوی مرتبت کا اظہار اسی طرح خلق میں ہوا جس طرح ہمارے دارث عالم پناہ کے ذوق و جوش کا نقارہ چار دنگ عالم میں بجا۔ اور عرف صوفیہ میں اسی کو عنایت وہی کہتے ہیں۔ اور یہی وہ مرتبہ ہے جو کسب و کوشش سے نہیں ملتا۔

علاوہ اس کے اکثر حضرات متقدیمین کو دوسرے سلسلہ کے ایسے پیران طریقت کے فیضان باطنی سے بطريق روحانیت استفادہ ہوا ہے جن کا زمانہ صدیوں پہلے تھا۔ چنانچہ حضرات صوفیہ کرام کے حالات میں اس مضمون کے تذکرے متعدد موجود ہیں جن میں سے ایک مستند واقعہ تمثیلًا نگارش کرتا ہوں۔

محقق ملاظم الدین فرنگی محلی علیہ الرحمۃ جن کے تحریر اور تقدیس کا زمانہ معترف ہے۔ آپ نے رسالہ منا قب رزاقیہ کے وصل اول میں مرشد الافق حضرت عبد الرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ کے شجرہ قادریہ کی تصریح کے بعد ارقام فرمایا ہے کہ سلسلہ چشتیہ میں بطريق روحانیت جس کو طریق اویسیہ کہتے ہیں جناب مددوح کو خاص خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ سے اجازت یوں حاصل ہوئی

کہ جب قصہ موبہن میں آپ تشریف لے گئے اور ایک شخص کی تمنائے بیعت آپ نے قبول فرمائی۔ ”آس مرید صادق گفت من گرید گی بجناب خاندان چشت دارم۔ ہر چند ہمہ خانوادہ براحت و بزرگ انہ لیکن عقیدہ بایس خانوادہ تعلق گرفتے۔ پس آس حضرت سکوت فرمودہ، گفتند کہ حضرت خواجہ بزرگ ملاقات معنوی شدہ اجازت فرمود پس آں شخص مرید در طریقہ چشت شد۔“ (اس سچے مرید نے کہا کہ میں جناب کے خاندان چشت کا گرویدہ ہوں۔ اگرچہ تمام خانوادے سچے ہیں۔ لیکن میرا تعلق اس خاندان سے ہے۔ پس آپ نے سکوت فرمایا۔ پھر وہ شخص اس طریقہ میں مرید ہو گیا۔) اس کے بعد ملا صاحب نے لکھا ہے کہ اس مرید کے لئے خاندان چشت کا پھرہ خود آس حضرت قدس سرہ نے اس ترتیب سے لکھوا یا۔ ”نویسا نیندہ بایس طریق کہ الہی راز و نیاز یکہ فقیر عبدالرزاق بتودارو۔ الہی بحرمت راز و نیاز یکہ خواجہ بزرگ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتودارو..... الی آخرہ۔“ (آپ نے اس طریق سے یہ شجرہ لکھوا یا کہ اے اللہ تعالیٰ اس راز و نیاز کے صدقے جو فقیر عبدالرزاق تیرے ساتھ رکھتا ہے الہی اس راز و نیاز کی حرمت سے خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی جو آپ سے رکھتے ہیں..... سے آخر تک) پھر ملا صاحب رائے لکھتے ہیں کہ ”برہمیں اعتبار اگر طریق چشتی شمارند دور خواہد بود۔“ (اس اعتبار سے اگر طریق چشت کو شمار کیا جائے تو یہ دونہمیں ہو گا۔)

چونکہ قطب الاقطاب حضرت شاہ سید عبدالرزاق قدس سرہ کو بظاہر خاندان ہالت سے تعلق نہ تھا۔ لیکن بلا واسطہ بطریق روحانیت حضرت خواجہ بزرگ سے اہم احت حاصل ہوئی اسی وجہ سے آپ نے شجرہ میں اپنے نام کے بعد حضرت خواجہ

بزرگ کا نام لکھوا یا۔ چنانچہ سلسلہ رزاقیہ میں ہنوز شجرہ چشتیہ بدستور جاری ہے کہ آپ کے نام کے بعد بلا واسطہ حضرت خواجہ بزرگ کا نام نامی ہے۔ بلکہ منظوم شجرہ چشتیہ جو رسالہ کرامات رزاقیہ میں چھپا ہے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:-

ازفیل شہ غلام دوست آقاۓ زمٰن

عبدالرزاق معین الدین حسن ہند الولی

(اس بادشاہ کے صدقے جو زمانے کا آقا ہے اور غلام کو دوست رکھنے والا ہے۔ جیسے معین الدین عبد الرزاق کو رکھتے ہیں۔)

اس کے بعد سلسلہ چشتیہ صابریہ کی نسبت جناب ملا صاحب اپنے پیشوائے برحق کا یہ واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”ونیز در قصبه روی نزول فرمودہ بود۔ مردم ارادہ بیعت آور دند حضرت قدس سرہ در خطرہ آور دند کہ ایں قصبه ولایت شیخ احمد عبد الحق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مزار مبارک در آں قصبه است (یزار و یتبرک) فی الحال لقاء معنوی شد برزخ مبارک اشراف شد۔ آثار اجازت و رضا لائح شدن گرفت۔“ (علاوه ازیں آپ نے روی قصبه میں رہائش اختیار فرمائی۔ لوگ بیعت کے ارادہ سے آنے لگے۔ آپ کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ قصبه شیخ احمد عبد الحق کی ارادت میں ہے۔ حضرت کا مزار بھی اسی قصبه میں ہے اور اس مزار کی لوگ زیارت کرتے ہیں اور برکت پاتے ہیں۔ اسی وقت آپ کی روحانی ملاقات و زیارت حضرت شیخ سے ہوئی، اجازت اور رضامندی کے آثار واضح ہو گئے۔)

چنانچہ شجرہ چشتیہ صابریہ میں بھی آپ کے نام کے بعد بلا واسطہ حضرت احمد عبد الحق قدس سرہ کا نام پاک مرقوم ہے۔ اور کرامات رزاقیہ میں شجرہ چشتیہ صابریہ جو

تسطیر ہے اس کے دو شعريہ ہیں:-

از طفیل عبد رزاق ولی بانسوی

بہر احمد عبد حق خضر صراط مستوی

حرمت خواجہ جلال الدین و نمس الدین ترک

اور علی احمد علاء الدین صابر کلیری

(حضرت شاہ عبد الرزاق بانسوی کے طفیل اور صراط مستقیم پر تونق افروز حضرت احمد عبد

الحق کی خاطر، حضرت خواجہ جلال الدین، حضرت نمس الدین اور حضرت علاء الدین

علی احمد صابر کلیری کا صدقہ)

مناقب رضا قیمی کی اس روایت سے جس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ طالبان حق کو

بزرگان طریقت کے فیضان باطنی سے بطریق روحانیت افاضہ حاصل ہوتا ہے اسی

طرح بکمال وضاحت یہ بھی معلوم ہوا کہ مستفیض بالواسطہ کو بجز اپنے مفیض کے دیگر

بیان سلسلہ کے ذریعہ اور توسل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نہ مستفیض کے شجرے میں

وکر پیران سلسلہ کا نام ہوتا ہے۔ ہر چند کہ فیض لکنڈہ کا زمانہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو۔

اللہ ما قبل مفیض جس قدر بزرگان سلسلہ ہوں گے ان کو امداد اور ذرائع کی حاجت رہتی

ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ سید عبد الرزاق قدس سرہ کو جب مخدوم الملک حضرت احمد

بہر احمد ردوی قدس سرہ سے بطریق روحانیت سلسلہ چشتیہ صابریہ میں فیض اور اذان

حاصل ہوا، تو باوجود یہ کہ حضرت مخدوم کا زمانہ آپ کے زمانہ سے دو سو برس پہلے تھا۔

اور درمیان میں چند پیران سلسلہ کا واسطہ حائل ہے۔ مگر ان کے وسیلہ کی ضرورت نہ

اوی۔ اور کسی کا نام شجرہ میں نہیں لکھا گیا۔ ہوا یہ کہ جس طرح بغیر کسی توسل کے

نام کے بعد استفاضہ ہوا، اسی طرح بلا واسطہ اپنے نام کے بعد اپنے مفیض حضرت مخدوم الملک کا نام شجرہ میں لکھوا�ا۔ لیکن حضرت مخدوم الملک کے قبل جو پیران سلسلہ تھے ان کے ذرائع کی احتیاج باقی رہی اور ان کا نام نامی شجرہ میں بدستور قائم رہا۔

علی ہذا حضرت خواجہ بزرگ جن کے پانچ سو برس کے بعد حضرت سید عبدالرزاق صاحب پیدا ہوئے۔ مگر چونکہ حضرت ہندالوی سے آپ کو اجازت بلا واسطہ نصیب ہوئی۔ اس لئے درمیان کے پیران سلسلہ جن کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی۔ ان کے ذریعہ اور توسل کی احتیاج نہ ہوئی اور بلا واسطہ اپنے نام کے بعد غریب نواز حضرت خواجہ اجمیری کا نام پاک تسطیر کرایا۔

لہذا غور کرنے سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے حضور نے اپنے غلاموں کی بیعت لینے کے وقت بکمال احتیاط وہ اہتمام بھی فرمایا جو حضرات صوفیہ کرام کی سنت تھی۔ اور یہ معمولی اور فروعی طریقہ کہ بیعت کے وقت شجرہ پڑھا جائے اس کو بھی نہیں چھوڑا۔ اور اپنے مسلک خاص کا شجرہ بھی پڑھ دیا۔ اور ان واسطہوں کا ذکر بہ تصریح کر دیا جو آپ کے شجرہ طریقت میں تھے۔ کیونکہ جناب حضرت کا مسلک خاص عشق ہے جس کو متواتر آپ نے فرمایا ہے۔ اور طریق عشق میں بارگاہ مرتضوی سے بلا واسطہ آپ کو افاضہ حاصل ہوا ہے۔ اس لئے کہ سلسلہ عشقیہ میں دیگر ہادیان طریقت کے ذریعہ اور توسل کی حاجت نہ رہی جس طرح حضرت شاہ سید عبدالرزاق علیہ الرحمۃ نے شجرہ چشتیہ میں اپنے نام کے بعد اپنے تفویض کننہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کا نام اور شجرہ چشتیہ صابریہ میں اپنے نام کے بعد اپنے مفیض حضرت مخدوم ردولوی کا نام لکھوا�ا۔ اسی طرح ہمارے وارث عالم پناہ نے اس سلسلہ خاص یعنی طریق عشق کے شجرہ میں اپنے

ام کے بعد اس منع فیض کا نام مبارک قائم کیا جو فیضانِ عشق کا تفویض کننده تھا۔ اور یہی شجرہ اپنے مریدین سے بیعت لینے کے وقت پڑھوایا کہ ”ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا پلان پاک کا خدا رسول کا“، کیونکہ آپ کے مسلک کا یہی شجرہ ہے۔

لیکن ایک خیال اور ہو سکتا ہے کہ اقرار اطاعت حضرات پنجتین کے بعد مریدین سے اطاعت خدا اور رسول کا عہد لیا ہے۔ تو آخر الذکر جملہ کے ظاہری مفہوم سے ہی شبہ ہو کہ جناب سرور عالم ﷺ تو پنجتین میں شریک ہیں۔ اور محملًا پہلے آپ کی اطاعت کا ذکر ہو چکا ہے پھر اطاعت خدا کے ساتھ آپ کی اطاعت کا مکر راقرار کیوں لایا۔

اس کی نسبت پہلے یہ عرض کروں گا کہ عموماً حضور کے ارشادات بہت سادہ الحال میں اور نہایت مختصر تھے۔ مگر حقیقت میں ہر جملہ جامع اور کثیر المعانی اور طول و طویل عبارت کا خلاصہ ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ تکرار اطاعت جو ظاہر مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے متعلق جناب والا نے جس قدر نکات خاص طور پر ارشاد فرمائے ہیں ان سے الدریثیت واستعداد غلام و ارتقی واقف ہیں۔ لیکن چونکہ عام طریقہ سے یہ لطائف احمدی نہیں فرمائے ہیں۔ اس لئے بے پرده مضا میں میں ان کا اظہار مناسب نہیں۔ مگر ارشاد مذکور کے ظاہری مفہوم کو بھی غور کیجئے تو یہ تکرار اطاعت اصول بیعت کے خلاف نہیں۔ بلکہ اس تکرار میں خاص حسن ہے۔ اور یہ تکرار مریدین کے اقرار اطاعت کو از روئے عقائد بھی اور زیادہ مضبوط و مستحکم کرتی ہے۔

کیونکہ جناب سرور عالم ﷺ کو جس طرح درجہ رسالت میں کمال اتم تھا کہ الواب مرسیین ہوئے۔ اسی طرح مقام ولایت میں بھی آپ فضل الاولیاء الاولین و

مریدین کی

ایک صورت
نے کیا کیا،

دشوار ہے،

ساتھ اور ا

متواری

ریاضت و

مصروف،

ہے کہ انہیں

تعلق ہے

لبٹ ا۔

سے بتا کر

سبحان اللہ

استغفار،

لات غیرا

سے پڑیں

الآخرین تھے لیکن خلق میں تبلیغ رسالت نفس نفس فرمائی۔ اور شان ولایت کا اظہار حضرات پنجتن کے ذریعہ سے ہوا۔ جو حقیقت میں عین رسول تھے (جس عینیت کی تشریح شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے مدارج النبوة میں کما حقد کی ہے) پس آپ کی شان رسالت کا اقرار جب کریں گے تو اسلام کی تصدیق ہو گی۔ اور جب آپ کے فیضان ولایت سے مستفیض ہوں گے تو ہمارے ایمان کی تکمیل ہو گی۔ یعنی اسلام کی تصدیق اس وقت ہو گی جب آپ کو رسول اللہ کہیں گے۔ اور ایمان کامل جب ہو گا جب دل سے آپ کو ولی اللہ سمجھیں گے۔ لہذا حضرت وارث پاک کے دست حق پرست نے جب اپنے حلقة بگوش کا ہاتھ پکڑا، تو اس سے اطاعت پنجتن کا اقرار لیا۔ جس میں رسول کریم علیہ التحمیة والتسليم بدرجہ اولیٰ بحیثیت ولایت شریک ہیں۔ پھر جب خدا کی اطاعت کا اقرار لیا تو موجب آئیہ وانی ہدایہ "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ سورۃ النساء: ۵۹) خدا کے رسول کی بھی اطاعت کا اقرار لیا۔ اور یہ اقرار بلحاظ آپ کی رسالت کے لیا جس کو دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فیضان دارثی نے ہم کو بیک وقت ایمان اور اسلام سے مستفیض فرمایا۔ اس واسطے داخل بیعت فرمانے کے وقت عام طور پر اپنے غلاموں سے اس کا اقرار لیا کہ "ہاتھ پکڑتا ہو پیر کا پنجتن پاک" کا خدا اور رسول کا۔"

الغرض بیعت کے قواعد مروجہ کا ایسا جامع اور مکمل خلاصہ فرمایا جس کی جہت سے ہم گنہگاروں کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ کے حلقة غلامی میں داخل ہو گئے۔ ورنہ حضور کا دامنی جوش اور مستقل استغراق ہرگز اس کا مقتضی نہ تھا کہ ہر روز متعدد

مریدین کی قواعد مروجہ کے مطابق آپ بیعت لیتے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ جملہ غلامان وارثی کا اقرار اطاعت باللفظ اور بالمعنی ایک صورت سے ہوا تو اب دیکھنا یہ چاہئے کہ بعد فراغ بیعت اپنے غلاموں کو حضور نے کیا کیا ہدایتیں فرمائیں۔

اگر حضور کے ہدایت کا فرد افراداً ذکر کیا جائے تو ان کا حصار و احاطہ بھی دشوار ہے کیونکہ جو جس کے مناسب حال تھا، ہی اس کو حکم دیا۔ کسی کو ادائے فرائض کے ساتھ اور ادوات طائف میں مشغول کیا بعض آپ کے حکم سے دائم الصوم ہوئے۔ بعض سے متواتر حج بیت اللہ کرائے۔ کسی کو ذکر جلی، کسی کو ذکر خفیٰ تعلیم فرمایا۔ کسی کو دیگر ریاضت و مجاہدات کی ہدایت فرمائی۔ کسی کو گوشہ نشیں کیا، کسی کو سیر و سیاحت میں مصروف رکھا۔ کوئی تارک الدنیا اور فقیر ہوا۔ کسی کو تحرید کا حکم دیا۔ لیکن مجھ کو مقصود یہ ہے کہ انہیں ہدایات کا ذکر ہو جن کا بغیر کسی خصوصیت کے جملہ مریدین سے یکساں تعلق ہے۔

لہذا پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حضور نے توحید حضرت احمدیت جل جلالہ کی ابتدت اپنے غلاموں کو کیا ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ جس قدر ہندو حلقة گوش ہیں ان سے بتا کیا یہ فرمایا ہے کہ ”برہم پہچانو۔ اور پتھر کونہ پوجو۔ اور جھٹکے کا گوشت نہ کھاؤ۔“ بھان اللہ یہی تین لفظ مشرک کو موحد بنانے کے واسطے کافی ہیں۔ جھٹکے کے گوشت کا استعمال بمحض آئیہ کریمہ ”وَمَا أهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ“ (اور وہ جانور جس پر ذبح کے واتر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے۔ سورۃ البقرۃ: ۳۷۱) منع فرمایا۔ پتھر کی پستش سے پہیز خاص توحید کا سبق ہے۔ برہم پہچانو ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ

تمہارے دل
اس کی مدد و مضر
جو شخص اللہ ہے

بھی ارشاد ہے
واسطے ایک و
سر ہون با
”انسان ہزا
جو تمہاری ش
کو جورو کی ط
کا ذکر آیہ ”
جانب اشارہ ہے۔ واقعی انہیں جملوں پر عمل کرنے سے عیسائیت اور اسلام میں کوئی
فرق نہیں رہتا ہے۔

کے کام بناء
یہ فوراً علم
لرق ہے،
اہل لکھا ہے

ربہ، ”جس نے اپنے نفس کو پہچانا پس اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ الحدیث) کی شرح
کا خلاصہ ہے۔ یہ مختصر ہدایت کس قدر جامع ہے کہ یہی تین لفظ ادنیٰ کو اعلیٰ، ناقص کو
کامل، اور گمراہ کو خداشناس بناتے ہیں۔

عیسائی اور یہودی مریدین سے یہ فرمایا کہ ”عیسیٰ روح اللہ، موسیٰ کلیم اللہ
اور محمد رسول اللہ کا اقرار ایک جانو۔ جو لانفرق بین احمد من رسله“ (ہم اس
کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان بھی (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے۔
سورۃ البقرۃ: ۲۸۵) کی پوری تفسیر ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ”عیسیٰ اگر خدا کے بیٹے ہیں،
تو خدا کا باپ بھی ضرور ہوگا۔ اور خدا اس سے پاک اور منزہ ہے۔“ اس ارشاد کا ”لَمْ
يُلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كَفُوا احَدٌ“ (ناس سے کوئی پیدا ہوا ہے
اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی همسر ہے۔ سورۃ اخلاص: ۳-۲) کی
جانب اشارہ ہے۔ واقعی انہیں جملوں پر عمل کرنے سے عیسائیت اور اسلام میں کوئی
فرق نہیں رہتا ہے۔

اور عام طور پر حضور نے تو حیدا حدیت اور تصدیق الوہیت اور تلطیق ربوبیت
کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ ”خدا ہر جگہ موجود ہے“ یہ فرمان وارثی ”فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فِيمَا
وَجَهَ اللَّهُ“ (پس تم جدھر بھی زخم کرو اور ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے۔ یعنی ہر سمت ہی اللہ کی
ذات جلوہ گر ہے۔ سورۃ البقرۃ: ۱۱۵) اور ”وَهُوَ مَعَكُمْ إِنْ مَا كُنْتُمْ“ (وہ
تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ سورۃ الحمد: ۳) اور ”إِلَّا أَنَّهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ مُحِيطٌ“ (خبردار! وہی (اللہ اپنے علم و قدرت سے) ہر چیز کا احاطہ فرمانے
 والا ہے۔ سورۃ حم السجدہ: ۵۳) کا با محاورہ ترجمہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”خدا

تمہارے دل کا حال جانتا ہے۔“ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔“ جو آیہ کریمہ ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ (اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہی اسے کافی ہے۔ سورۃ الطلاق: ۳) کا مفہوم ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”بِغَيْرِ حُكْمِ خَدَا كُچھ نہیں ہو سکتا۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”خدا نے ہر کام کے واسطے ایک وقت مقرر کیا ہے۔“ اور بعد ازاں یہ حدیث پڑھا کرتے تھے ”کل امر مرحون باوقاتہا“ (ہر کام وقت کا مر ہون منت ہے۔) اور اکثر یہ بھی فرمایا ہے کہ ”انسان ہزار کوں سے جورو کی فکر کرتا ہے۔ اور محنت کر کے اس کو خرچ بھیجتا ہے۔ اور ہوتہ ہر شرگ سے قریب ہے کیا اس کو تمہاری طرف توجہ بھی نہ ہو گی جس قدر خاوند کو جورو کی طرف۔ حضور کا یہ فرمان اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس وعدہ کی تصدیق ہے جس کا ذکر کر آیہ ”وَمَا مِنْ دَآبَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا“ (اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا جاندار نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ سورۃ اللود: ۶) میں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو اپنے کام خدا کے سپرد کرتا ہے خدا اس کے کام بنادیتا ہے۔ اور جب انسان اپنی عقل کو دخل دیتا ہے تو وہ بھی بڑے ہوشیار ہیں۔ فوراً علیحدہ ہو جاتے ہیں کہ دیکھیں ان کی تدبیر کیا کرتی ہے۔“

اکثر حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو مسجد میں ہے وہی مندر میں۔ نام کا فرق ہے، ورنہ انتظام بگڑ جائے۔“ یہ توحید ذاتی کی تعلیم ہے جس کو حافظ شیراز نے پہنچا ہے۔

ہمہ کس طالب یار نہ چہ ہوشیار و چہ مست
ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

(تمام لوگ دوست کے طالب ہیں خواہ وہ رند ہوں، ہشیار ہوں یا مامت۔ ہر جگہ عشق کا
ٹھکانہ ہے خواہ وہ مسجد ہو یا کلیسا۔)

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”اگر دو بدھانہ رہے تو مسجد اور مندر میں ایک دکھانی
دے۔“ اس ارشاد میں توحید کامل کی تعریف ہے کہ موحدین خاص بعد انقطاع
تعلقات جملہ موجودات میں حضرت واحد الوجود کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی مسئلہ کو
نہایت شرح و بسط کے ساتھ جناب مولانا علیہ الرحمۃ بھی ارقام فرماتے ہیں۔

گرد و چشم حق شناس آمد ترا	دوست پر میں عرصہ ہر دوسرا
گر ترا پشمیت بکشا در گر	بعد لا آخر چہ می باید دگر
گر ہزار انند یک کس بیش نیست	چوں خیالات عدو اندیش نیست
اصل بیند دیدہ چوں اکمل بود	دو ہمیں بیند چو مردا حول بود
ایں دوئی اوصاف دیدا حول ست	ورنه اول آخر، آخر اول است

(اگر حق کو پہچاننے والی آنکھ تجھے حاصل ہو تو دونوں جہانوں میں سوائے دوست کے
اور کوئی نظر نہ آئے۔ اگر تیرے پاس آنکھ ہے تو تو اسے کھوں اور دیکھ کر لا کے بعد تجھے
اور کیا نظر آتا ہے؟ آخر تجھے اور کیا چاہئے؟ اگر یہ ہزار تجھے نظر آتے ہیں تو وہ تو ایک
کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جب دشمن کے بارے میں سوچنے والے خیالات
نہیں۔ جب نگاہ کامل ہوتی ہے تو وہ فقط اصل کو دیکھتی ہے۔ دو وہی آنکھ دیکھتی ہے
جب آدمی بھینگا ہو جائے۔ یہ دونظر آنا بھینگا پن کا کمال ہے۔ ورنہ وہی اول و آخر اور
آخر واول ہے۔)

یہ بھی حضور نے فرمایا ہے کہ ”توحید اب تک سیر ہو گئی۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ

”توحید سے واقف ہونا دشوار ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”رام اور رب ایک چیز ہے۔“

شک نہیں کہ یہ لغوی بحث اور اصطلاح ہے کہ ایک عربی زبان کا لفظ ہے دوسرا سنسکرت کا۔ مگر مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ چنانچہ ہر لفظ کے واسطے ایسا ہی ہوتا ہے کہ دوسری زبان میں اس کی تعبیر دوسرے لفظ سے کرتے ہیں۔ مثلاً اسم ذات کی تعبیر عربی زبان میں کی جائے تو اللہ کہیں گے۔ اور عبرانی میں الوهیم۔ اور فارسی میں خدا، ترکی میں تکری، رومی میں تیپوس، قبطی میں لیصا اور سریانی میں قلندر۔

غرض انہیں چند ہدایات کو نظر گائر سے دیکھا جائے تو خدا شناختی کے واسطے کافی ہیں، لیکن ہدایات مذکورہ کا تعلق عقائد سے ہے۔ اور عقائد کو صحیح اور مستحکم بنانے کیلئے عمل بھی درکار ہے۔ لہذا عنایت وارثی نے ہم کو اس نعمت سے بھی محروم نہیں رکھا بلکہ ایسا عمل تعلیم فرمایا جو جمیع اعمال کی اصل ہے کہ بغیر جس کے نہ عقائد درست ہوتے ہیں نہ اعمال۔

اور لطف یہ ہے کہ ایسا بے مثل عمل اور حضور نے اپنے ہر ایک دست گرفتہ سے خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی متواتر بلکہ روزمرہ اس کی ہدایت فرمائی جس سے کوئی غلام آپ کا مستثنی نہیں۔ اور جس کی تعلیم ہم کو لازمی ہے۔ اور جس کو حضور کے ماقبل و مسلک سے پورا تعلق ہے۔ اور ہر شخص کے مناسب حال بھی ہے یعنی بوڑھا، ہوان، امیر، غریب، عالم، جاہل، دنیادار، فقیر، غرض کسی حیثیت و استعداد کا آدمی کیوں نہ ہو۔ مگر سب کے واسطے یہی ارشاد وارثی یکساں مفید اور کارآمد ہے۔ وہ کیا ہے۔ صرف دلفظ ہیں۔ ایک بصورت امر۔ دوسری بیکھل نہیں۔ یعنی حضور نے فرمایا کہ

”محبت کرو“ اور ارشاد ہوا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔“ یہ چھوٹے چھوٹے دو جملے ایسے ہیں کہ جن کی تعمیل سے ہمارے دین و دنیا کے کام نہایت خوبی کے ساتھ بن سکتے ہیں۔

لیکن حضور کا یہ فرمان کہ ”محبت کرو۔“ بظاہر تو سات حروف کا ایک جملہ ہے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو نہایت جامع اور وسیع معنی ہے۔ حالانکہ محبت کے لغوی معنی تو اسی قدر ہیں کہ محبوب کے ساتھ قلبی تعلق ہو۔ اور کثرت محبت کا یہ اثر ہے کہ محبت دین و دنیا سے قطعی دست بردار ہو جائے۔ اور اس کو موجودات عالم سے سروکار نہ رہے۔ بقول۔

من عاشق شوریدہ ام وزکفروايمان بے خبر
دينم شدہ مہر کسی ايمان من روئے کے

(میں وہ عاشق شوریدہ ہوں جو کفر و ایمان سے بے خبر ہے۔ میرا دین کسی سے محبت کرنا ہے۔ اور کسی کے رُخ انور کو دیکھتے رہنا ہے۔)

لیکن محبت کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔ اس کا اظہار کرنا نہایت دشوار ہے۔ اور اس کی حقیقی تعریف محال اور حد انتیار سے باہر ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا فرماتے ہیں:-

هر چہ گویم عشق را شرح و بیان
چوں بعشق ایم بخل باشم ازاں
گرچہ تفسیر زبان روشن گراست
لیک عشق بے زبان روشن تراست

(میں نے جو کچھ عشق کے بارے میں اس کی وضاحت کی اور بیان کیا۔ جب عاشق ہو گئے تو ہم اپنے اس پہلے کہہ پر شرمسار ہیں۔ اگرچہ زبان کی تفسیر بہت واضح ہے لیکن بے زبان عشق کی تفسیر اس سے بھی زیادہ واضح نہ ہے۔)

اس لئے کہ محبت محض موهبت ہے۔ اور جملہ اعمال عالیہ اسی عطیۃ (وہبی) پر مبنی ہیں اور محبت کوشش و کسب سے حاصل نہیں ہوتی چنانچہ تاج العارفین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعرف میں ارتقا فرمایا ہے کہ ”سبل معروف عن المحبت فقال المحبت ليست من تعليم الخلائق انما هي مواهب الحق و فضله“ (اچھائی کے راستے محبت کے متعلق ہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ محبت مخلوق کی تعلیم سے نہیں ہے بلکہ یہ محبت صرف اللہ کے عطیات اور اس کے افضل سے ہے۔) جس کا مفہوم حضرت حافظ شیراز نے اس شعر میں لکھا ہے:-

مے خور کہ عاشقی نہ مکبب سست و اختیار

ایں موهبت رسید ز ایوان قسمتم

(شراب پی کہ عاشقی کسی اور اختیاری چیز نہیں ہے۔ یہ اللہ کے حضور سے قسمت میں عطا ہے۔)

اور محبت واردات قلبی کا نام ہے جس کو مطالعہ جمال سے تعلق ہوتا ہے بلکہ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ محبت عام، اور محبت خاص۔ محبت عام کی یہ تعریف ہے کہ اہمال صفات دیکھنے کا قلب میں میلان ہو۔ اور محبت خاص اس کو کہتے ہیں کہ روح کو اٹھاندہ جمال ذات کی خواہش ہو۔ محبت عام وہ ماہتاب ہے جو آسمان صفات جمالی پر اور گرتا ہے اور محبت خاص وہ آفتاب جو افق ذات سے برآمد ہوتا ہے۔ محبت عام وہ

نور ہے جو باعث آرائش ہو۔ اور محبت خاص وہ نار ہے جو محبت کے وجود،ستی کو نیست و نابود کرتی ہے۔ محبت عام میں تمیز ”خذ ما صفادع ماکدر“ (صف اچیز اختیار کر اور گندگی کو چھوڑ دے۔ الحدیث) ہے۔ اور محبت خاص کا کلیہ ”لاتبقی ولا تذر“ (وہ (ایسی آگ ہے جو) نہ باقی رکھتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے۔ سورۃ المدثر: ۲۸) ہے محبت عام میں مماز جنت اغراض شامل ہیں۔ اور محبت خاص علت اور مخالفت سے پاک اور منزہ ہے۔ محبت عام وہ خمار ہے جس میں صفا و کدورت، لطافت و کثافت کا ہوش رہتا ہے۔ اور محبت خاص وہ شراب ہے کہ محبت کے تمامی اجزاء جسم کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ روح کو شوق مشاہدہ اور قلب کو ذوق مذاکرہ ہوتا ہے۔ اور نفس کو لذت معاملہ نصیب ہوتی ہے۔ بلکہ یہ لذت تمام لذات طبعی پر غالب ہوتی ہے۔ کیونکہ قلب محبت کو یہ شراب اپنے رنگ میں ایسا محو کرتی ہے کہ غایت صفا و لطافت سے صورت وحدت ظاہر ہوتی ہے چنانچہ حضرت جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے ”المحبت دخول صفة المحبوب على البدل من المحب“ (محبت کیا ہے؟ محبوب کی صفات کا عاشق کے دل میں داخل ہو جانا۔) اور ”تخلقو ابا خلاق اللہ“ (اللہ کی عادات سے متصف ہو جاؤ۔ الحدیث) کے بھی یہی معنی ہیں۔

بعض عارفین نے محبت کو پانچ نوع پر تقسیم فرمایا ہے۔ اول الفت۔ دوئم مودت، سوم انس، چہارم محبت، پنجم عشق جو اصل محبت ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ محبت تین درجوں پر منقسم ہے۔ الفت، محبت، اتحاد، بعدہ مرتبہ وحدت کا ہے جس کو اصلاح صوفیہ میں عشق کہتے ہیں۔

لیکن حضرت شیخ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلی قدس سرہ العزیز نے اپنے

مکتوبات میں اقسام محبت کی تفصیل نہایت وضاحت سے فرمائی ہے۔
 چنانچہ منقول ہے کہ محبت کے دس مرتبے اور ہر مرتبے کے پانچ درجے ہیں
 اور مرتبہ اول کا نام الفت ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ ”وہی میلان القلب الی
 المالوف“ (محبوب کی طرف دل کا متوجہ ہونا الفت کی تعریف ہے۔) جس کا پہلا
 درجہ مطلوب حقیقی کے صنائع پر نظر کرنا ہے۔ اسی حالت کو ہمارے سر کار عالم پناہ نے
 یہ فرمایا ہے کہ ”عاشق ہر چیز میں معشوق ہی کا جلوہ دیکھتا ہے۔“ بقول

وفي كل شئٍ له آيته

تدل على انه واحد

(ہے میں اللہ کی پہچان کی نشانی موجود ہے۔ ہر شے اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ذات
 واحد ہے۔)

اور دوسرا درجہ کتمان میلان اور خلل شدت مشقت ہے۔ اور تیسرا درجہ تمنا ہے
 کہ الیف آرزوئے وصل یار میں ایثار جان کو بھی گوارا کرتا ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا
 ہے کہ عاشق وہ ہے جو معشوق پر جان قربان کرے۔“ بقول

اگر فرہاد راحصل نشد پیوند باشیریں

ہم آخر جان شیرینش برآمد در تمنا لیش

(اگر فرہاد کو شیریں کے ساتھ تعلق نہ ہوتا تو اس کی تمنا میں اس کی جان شیریں نہ لگتی۔)

چوتھا درجہ اخبار و استخار ہے کہ محبت اپنا حال اظہار کرتا ہے اور محبوب کے
 امار کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ پانچواں درجہ تضرع ہے۔ اس حالت کی نسبت
 حضور نے یہ فرمایا ہے کہ ”عاشق کا کام رو نہ ہے۔“

اور محبت کا مرتبہ دویم صداقت ہے۔ اس کی تعریف حضرات صوفیہ کرام نے یہ فرمائی ہے ”استواء القلب فی الوقاو الجفاء والمنع والعطاء“ (وفا اور جفا میں اور محبوب کے کچھ عطا کرنے یا نہ کرنے میں دل کا ایک جیسا رہنا۔ یہ محبت ہے۔) یہ بھی پانچ درجوں پر منقسم ہے۔ اور پہلے درجے کا نام صفا ہے جس کی علامت یہ ہے ”علامۃ بغض النفس والهوائی و مخالفۃ المراد و المنی و ترك الشهواة بعین الرضاۃ والخروج بالکلیۃ من حب الدنيا“ (ہوا نے نفس اور کدوڑت نفس سے بغض اور مقصد و مراد کی مخالفت اور رضامندی کے ساتھ ترک شہوات اور حب دنیا کا مکمل طور پر ترک صفا کی علامات ہیں۔) شاید اسی مقام کی نسبت ہمارے حضور نے اکثر فرمایا ہے کہ ”عشق میں ترک ہی ترک ہے۔“ اور فرمایا ہے کہ ”عاشق وہ ہے جو رضاو تسلیم میں ثابت قدم رہے۔“ اور دوسرا درجہ اس کا غیرت ہے کہ محبت کو گوار نہیں ہوتا کہ اغیار نام یا رہی لیں۔ چنانچہ حضور کا ارشاد ہے کہ ”محبت میں رقابت ضرور ہوتی ہے۔“ تیسرا درجہ اشتیاق ہے کہ محبت شوق دیدار میں بے قرار رہتا ہے۔ چوتھا درجہ ذکر محبوب ہے بمصدق ”من احبا شیاً فقد اکثرا ذکره“ (جو کسی شے سے محبت کرتا ہے وہ اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔) پانچواں درجہ تحریر ہے کہ محبت وفور محبت کے باعث تحریر رہتا ہے۔ اس حالت کی نسبت ہمارے سرکار عالم پناہ نے یہ فرمایا ہے کہ ”محبت میں انسان اندازا اور بے خود ہو جاتا ہے۔“ اور محبت کا مرتبہ سویم مودت ہے۔ اور اس کے بھی پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ نیاحت اور اضطرار ہے۔ بقول۔

در فراق تو اے بت مدد روئے

می کند نوحہ بر تم ہر موئے
 (اے چاند جیسے چہرے والے صنم تیری جدائی میں میرے جسم کا ہر بال نوحہ کنایا
 ہے۔)

دوسرادوچہ بکا ہے۔ کیونکہ گریہ شرائع محبت میں سے ہے چنانچہ مالک حقيقة
 ہل جلالہ نے ہمارے اوقات روزمرہ کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ ”فليض حکوا
 قليلًا ولبيكوا كثيرًا“ (پس انہیں چاہئے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں۔ سورۃ
 التوبہ: ۸۲) علی ہذا ”وَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَائِمُ الْحُزْنِ وَالْبَكَاءُ“ (اور آپ
 نبی شمس نبی ملکین اور افسر دہ رہتے تھے۔) تیسرا درجہ حضرت ہے کہ صاحب وداد اپنے ضائع
 شدہ اوقات پر حضرت کرتا ہے اور جو ساعت بغیر یاد محبوب گزرتی ہے اس پر نادم ہوتا
 ہے۔ اس حالت کی نسبت ہمارے پیشوائے برحق نے یہ فرمایا ہے کہ ”عاشق وہ ہے
 جس کی کوئی سانس خالی نہ جائے۔“ بقول۔

عمرے کہ بے تو می رو دا ز مرگ بدتر است
 روزے کہ بے تو می گذر دا رو ز محشر است
 (وہ زندگی کہ جو تیرے بغیر گذرے وہ موت سے بھی بدتر ہے۔ ہر وہ دن کہ جو تیرے
 الہی گزرے وہ میرے لئے روزِ محشر ہے۔)

چو تھا درجہ تفکر بہر محبوب ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ”ان فی
 الک لآیات لقوم یتفکرون“ (بے شک اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو
 فکر و فکر کرتے ہیں۔ سورۃ الجاثیۃ: ۱۳) اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
 ارشاد ہے ”تفکر ساعتہ خیر من عبادة ستین سنۃ“ (ایک لمحہ کا تفکر ساٹھ سال

کی عبادت سے بہتر ہے۔) کیونکہ تفکر قرب محبوب کا باعث ہوتا ہے ”لأن التفكير
في المحبوب يو جب القرب اليه“ (محبوب کے بارے میں سوچ اور فکر اس
کے قرب کیلئے واجب ہوتی ہے۔) اور بعض عارفین نے فرمایا ہے ”التفکر
يصاحب والمحب الى المحبوب“ (محبوب کی فکر محبت کو محبوب کا مصاحب بنا
دیتی ہے۔) بقول۔

نحواً هم جز تو يك ساعت تفکر در دگر کردن
که در هر دو جهاد جانا ندارم جز تو دلداری
(میں ایک لمحہ بھی تیرے سوا کسی اور شے میں غور و فکر کرنا نہیں چاہتا کہ دونوں جہانوں
میں تیرے سوا اے محبوب! اور کسی کو میں دلدار نہیں سمجھتا۔)

پانچواں درجہ مراقبہ محبوب ہے جس کی عظمت یہ ہے کہ ”وہی اشد
المقامات و افضلها“ (اور یہ بہت سخت مقام ہے اور تمام مقامات سے افضل تر
ہے۔) اور اس مراقبہ محبوب کا ذکر بجمل طور پر ایات ذیل میں خوب کیا ہے۔

در دل ہمود رتن ہمو کفرم ہمو ایمان ہمو

در دم ہمو درماں ہمو پیدا ہمو پنهان ہمو

راہ ہمو رہبر ہمو درخانہ ام منس ہمو

چشم ہمو گوشم ہمو جسم ہمو ہم جان ہمو

(دل میں بھی وہی ہے اور جسم میں بھی وہی ہے۔ میرا کفر بھی وہی ہے اور میرا ایمان بھی
وہی ہے۔ میرا درد بھی وہی ہے اور میرا علاج بھی وہی ہے۔ میرے لئے خلوت و
جلوت میں ظاہر بھی وہی ہے اور پوشیدہ بھی وہی ہے۔ جس راہ سلوک کو طے کرنا ہے وہ

وہی ہے اور رہنمای بھی وہی ہے۔ میرا باطنی مونس و غنوار بھی وہی ہے۔ میری آنکھ بھی وہی ہے۔ میرا ایمان بھی وہی ہے۔ میرا جسم بھی وہی ہے۔ میری جان بھی وہی ہے۔) اور محبت کا مرتبہ چہارم ہوا یعنی خواہش ہے۔ اور اس خواہش کی تعریف یہ ہے کہ ”وهو ان يهوا إى قلبه إى المحبوب دائمًا“ (دل کا محبوب کی طرف ہمیشہ چاہنے والا (طالب) بن جانا، یہ محبت ہے۔) اور اس کے بھی پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ خضوع ہے، دوسرا درجہ بذل محبت اطاعت دوست میں علی فوق الطاقۃ، بقول قیس عامری۔

بذلت مهجنی فی حب لیلی

الای طاقتی لا تخد عنی

(لیلی کی محبت میں میں اپنی جان کو خرچ کرتا ہوں۔ خبردار اے میری طاقت مجھے دھوکا نہ دینا۔)

تیسرا درجہ صبر ہے۔ اور صبر کی یہ شان ہے کہ ”الصبر مفتاح الوصول“ (صلہ وصل کی کنجی ہے۔) اور ہمارے حضور نے یہ فرمایا ہے کہ ”معشوّق کی جفا بھی عین الٹا ہے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”عاشق کو لازم ہے کہ سرکش جائے مگر شکایت نہ کرے۔ کیونکہ قاتل بھی غیر نہیں ہے۔“ بقول سرمد علیہ الرحمۃ۔

سر جدا کردا زتم شوخ کہ باما یار بود

قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

(اُس نے سر کو جسم سے شوخی میں جدا کر دیا کہ وہ ہمارا دوست تھا۔ بات کو ختم کر دیا اور نہ سر تو بہت تھا۔)

چو تھا درجہ تضرع۔ اور پانچواں درجہ رضا و تسلیم ہے۔ جس کی تعریف یہ ہے کہ ”لَانِ الرِّضَاءَ مِنْ أَعْلَى الْمَقَامَاتِ“ (رضا یعنی محبوب اعلیٰ مقامات سے ہے۔) اس مقام میں جب صادق عطا نے محبوب کو بکمال رضا و غبت تسلیم و منظور کرتا ہے۔ چنانچہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے فرمایا ہے کہ ”عاشق کو چاہئے کہ معشوق کا ایسا فرمانبردار ہو جیسے آقا کا غلام ہوتا ہے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”عاشق کا منصب یہ ہے کہ معشوق کے آگے سر تسلیم خم رہے۔ جیسے غسال کے ہاتھ میں مردہ بے اختیار رہتا ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”رضا و تسلیم اہل بیت کے گھر کی چیز ہے ہر شخص کا حصہ نہیں ہے۔“

اور محبت کا مرتبہ پنجم شفقت ہے۔ اور اس کے بھی پانچ درجے ہیں پہلا درجہ مطابعہ اور محبوب ہے، دوسرا درجہ محافظت باطن ہے کہ محبت کے دل میں مساوائے محبوب کے غیر کا خیال بھی نہ آؤ۔ چنانچہ حضور نے اس حالت کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ ”عاشق ایک ساعت بھی اگر معشوق کی یاد سے غافل رہے گا تو وہ ساعت اس کے لئے بمنزلہ موت کے ہے“، بقول

یک دوست بکن کہ یا رب دل داری

گر مذهب مرد مان عاقل داری

(اگر تو عقل مندوگوں کا مذهب رکھتا ہے تو کسی ایک کو محبوب اور دوست بنा۔)

تیسرا درجہ معادات اعدائے دوست ہے۔ اور چوتھا درجہ محبت با محباں محبوب ہے۔ پانچواں درجہ اکفائے احوال ہے۔ جو محبت اور محبوب کے درمیان واقع ہوں۔

چنانچہ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”المحبت کتمان الاحوال“ (محبت

اپنے حالات کا چھپانا اور راز رکھنا ہے۔) اور اسی مسئلہ کو ہمارے سرکار عالم پناہ نے
یوں فرمایا ہے کہ معشوق کی عطا ہو یا جفاء عاشق کے لئے راز ہے۔“ بقول

میان عاشق و معشوق رمزیت

کراماً کا تبین راہم خبر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان ایسے ایسے راز ہوتے ہیں کہ کراماً کا تبین کو بھی ان کی خبر
نہیں ہوتی۔)

اور محبت کا مرتبہ ششم خلت ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ ”والخلة ما خوذ
من التخلية القلب عمما سوا المحبوب“ (اور خلت یہ ہے کہ محبوب کے سوا
ہش سے دل کا خالی ہو جانا) اور صاحب عوارف المعارف کا قول ہے کہ ”کاس لہا
و هج اذا استقر في الحواس و سكن في النفوس تلاشت۔“ کاس جام
یہیں ایسی گرمی ہے کہ اگر حواس و نفس میں اس کا اثر ہو جائے تو ہستی کو مٹائے اپنے رنگ
دیتی ہے۔ اور اس کے بھی پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ معاندت ہے کہ محبت صادق
اشتہار حال سے اندیشہ کرتا ہے۔ دوسرا درجہ صدق ہے۔ اس صدق کی تعریف بعض
علمائین نے یہ فرمائی ہے ”مرأة الصدق في السر والعلانية يو جب
المحبته“ (صدق کا آئینہ ظاہر اور پوشیدہ محبت کیلئے واجب ہے۔) اور بعض نے
فرمایا ہے کہ ”المحبته صدق و الصادق حبيب الله“ (محبت سچائی ہے اور سچا
الله کا دوست ہوتا ہے۔) اور ہمارے حضور نے فرمایا ہے کہ ”بامحقیقت کی کمند محبت
صادق ہے۔“ تیسرا درجہ اشتہار و شہرت ہے کہ محبت حالت بے خودی میں خموں و شہرت
کا ملک و امتیاز نہیں کرتا۔ اور آفات و صدمات میں بتلا ہوتا ہے۔ اس حالت کی نسبت

ہمارے سرکار عالم پناہ نے یہ فرمایا ہے کہ ”منصور کی بے تابی نے منصور کو دار پر چڑھایا۔“ چو تھا درجہ شکوہ ہے۔ اس مقام کے متعلق حضور نے فرمایا ہے کہ ”کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق شکایتیں کرتا ہے اور معشوق سنتا ہے۔“ پانچواں درجہ حزن ہے لیکن عاشق غمگین اس حزن و اندوہ میں بھی شاداں و فرحاں رہتا ہے۔ اور معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

جز عشق تو عیشہ فراموشم باد

حزن تو بجائے جاں در آغوشم باد

(تیرے عشق کے سو ایں عیش کو ہمیشہ کیلئے بھول جاؤ۔ تیرا غم بجائے جان کے میری آغوش میں ہمیشہ ہو۔)

اور مرتبہ ہفتہم کا نام محبت ہے جس کی نسبت ہمارے سرکار عالم پناہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”محبت بھی اک راز ہے خدا کا۔“ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ”فرشتوں کو محبت جزوی ملی ہے اور انسان کو محبت کامل دی گئی ہے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”محبت کی حقیقت تحریر اور تقریر میں نہیں آسکتی۔“ یہ بھی ارشاد ہوا ہے، ”جن کو محبت صادق ہے وہ خاموش رہتے ہیں۔“ بقول ”من عرف اللہ احبه و من عرفه کل لسانه“ (جو اللہ کو پہچانتا ہے وہی اللہ سے محبت کرتا ہے۔ اور جو اللہ کو پہچان لیتا ہے اس کی زبان گوئی ہو جاتی ہے۔) اور یہ بھی پانچ درجوں پر منقسم ہے۔ پہلا درجہ اس کا حسن اخلاق ہے۔ اس حالت میں محبت کے حرکات و سکبات نہایت محمود اور مستحسن ہوتے ہیں۔ لیکن ماسوائے محبوب موجوداب عالم سے متوجہ اور متغیر رہتا ہے۔ بقول

برویش تا نظر کردم دل از کونین بر کندم

بریدم از ہمہ عالم چو شد بادوست پیوندم
 (جب سے میں نے محبت سے اس کے چہرے کو دیکھا ہے تو میں نے دل دونوں
 جہانوں سے ہٹایا ہے۔ جب سے دوست سے میرا اصل ہوا میں نے تمام جہانوں
 سے قطع تعلق کر لیا ہے۔)

دوسری درجہ ملامت بہ اظہار سکزو حیرت ہے کہ محبت زلال محبت سے مدھوش
 ہوتا ہے۔ ملامت کا خطرہ نہ رسائی کا اندیشہ۔ دیوانہ وار سردر خرابات رہتا ہے۔ اور
 کہتا ہے۔

عشق تو مرا یار خراباتی کرد
 ورنہ من بے چارہ بہ سامان بودم
 (اے میرے دوست تیرے عشق نے مجھے شرابی بنادیا ہے۔ ورنہ میں بے چارہ سازو
 سامان والا امیر کیہ تھا۔)

لیکن خیال محبوب سے مسرو اور تابع حکم مطلوب ضرور رہتا ہے۔ کیونکہ
 اب صعوبات ملامت اور صدمات فرقت برداشت کرتا ہے، تب جوار دلدار کی سیر
 اُبھیب ہوتی ہے۔ بقول۔

اے دل بہ ہوس بر سرکارے نری
 تا غم خوری بہ غم گسارے نری
 چوں شانہ بز پیارہ تا تن نہ نہی
 ہر گز بر زلف نگارے نری
 (اے دل فقط خواہش کے ساتھ تو کسی کام کے انجام تک نہیں پہنچ پائے گا۔ جب تک تو

غم نہیں پائے گا تجھے غم گسانہیں ملے گا۔ کنگھی کی طرح جب آری کے نیچے جب تک تو اپنا جسم نہیں رکھے گا تو محظوظ کی زلف تک نہیں پہنچے گا۔)

اس حالت کی نسبت ہمارے حضور نے یہ فرمایا ہے ”عاشق نہ تعریف سے خوش ہوتا ہے نہ ملامت سے رنجیدہ“، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”یار کا تصور عاشق کی زندگی ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”ایک زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ عاشق نہ ہجر کی شکایت کرتا ہے نہ وصل کی حکایت۔“ بقول۔

دروصل جماش گل خندان منست

در ہجر خیاش دل وايمان منست

(محظوظ کے حسن کے وصل میں میرامن پھول کی طرح کھلا جاتا ہے۔ میرا دل اور ایمان اس کے ہجر کے خیال کے ساتھ وابستہ ہے۔)

تیسرا درجہ مشاہدات غیب ہے کہ محبت صادق کو دولت مکافٹہ نصیب ہوتی ہے اور دل اسرار معرفت سے بہرہ و را اور انوار محبت سے منور ہوتا ہے۔ چوتھا درجہ آرزوئے ملاقات ہے۔ پانچواں درجہ استیناس ہے کہ محبت طلب انس کا اظہار اور التماس لقا کی تکرار کرتا ہے۔ اور استیناس کی تعریف یہ ہے ”ومن علامۃ الموانست بالحبيب والتوحش من غيره“ (دوست کے ساتھ موانت اختیار کرنا عشق کی علامت ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ وحشت ہے۔) اور بعض حضرات نے فرمایا ”علامۃ الا ستیناس مراقبۃ المحبوب فی کل حال“ (ہر حال میں محظوظ کی طرف دلی توجہ ہونا اس کے ساتھ انس کی علامت ہے۔) بقول

مرا تو مونس جانی و جاناں

نديم روئے تو ديوانہ گشتم

(توہی میرے دل و جان کا منس ہے۔ اگر میں تیرے چھرے کا نہ دیکھوں تو میں
گون و دیوانہ بن جاؤں۔)

مرتبہ ہشتم عشق ہے ”والعشق عبارة من افراط المحبة و شدتها“

(عشق محبت کی کثرت اور شدت سے عبارت ہے۔) بقول

كتاب حسن توروزے قضا مخواند در گوشم

شدم از خویش بیگانه تر عقلمن ماند نے ہوشم

(اے میرے محبوب تیرے حسن کی بات میرے کانوں میں موت کا پیغام ہے۔ میں
اپنے آپ سے بے گانہ ہو جاتا ہوں۔ نہ میری عقل باقی رہتی ہے نہ مجھے کچھ ہوش باقی
رہتا ہے۔)

اور ہمارے حضور نے یہ فرمایا ہے کہ ”عشق میں کوئی غیر بھی نہیں اور بجز یار
کی سروکار بھی نہیں رہتا۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”عاشق کا ایمان رضاۓ یار ہے“ یہ بھی
فرہاد ہے کہ ”عشق میں انظام نہیں۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عاشق دین و دنیا سے بے کار
و بہاتا ہے۔“ بقول مولانا علیہ الرحمۃ

تابدانی ہر کہ را یزداں بخواند از ہمد کار جہاں بے کار ماند

ہر کہ را بآشد زیزداں کار و بار بار آنجایافت بیرون شد ز کار

(آدمان لے کے جو شخص ہر کسی کو خدا کہتا ہے تو وہ دنیا کے ہر کام سے بے کار ہو جاتا
ہے اور جو اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ باقی سب کچھ بوجھ محسوس کرتا ہے
اکام سے فارغ ہو جاتا ہے۔)

اور حضرات صوفیہ کرام نے بالاتفاق یہ بھی فرمایا ہے کہ عشق عنایت رب العزت اور عین موهبت ہے۔ اور اس مرتبہ کے بھی پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ فقدان دل ہے جس کا کلمیہ یہ ہے ”ومن لیس مفقود القلب لیس بعاشق۔“ (جو مفقود القلب نہیں وہ عاشق نہیں۔) چنانچہ حضور کا ارشاد ہے ”جس کو اپنے دل کی خبر ہے وہ عشق سے بے خبر ہے۔“ اور اس کو یوں بھی فرمایا ہے کہ عاشق یار سے خبردار اور موجودات سے بے خبر رہتا ہے۔“ بقول

هر کہ گفت من خبرے دارم از حقیقت عشق

دروغ گفت گر از خویشن خبر دارد

(جو شخص یہ بات کہتا ہے کہ میں عشق کی حقیقت سے واقف ہوں تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔
اگر وہ اپنے آپ کی خبر رکھتا ہے تو اس نے جھوٹ کہا۔)

عاشقان صادق جب کوچہ عشق میں قدم دھرتے اور طلب محبوب کا دم بھرتے ہیں، تو پہلے بہزار عجز و نیاز رونمائی میں نقد دل نذر کرتے ہیں اور خودی سے بخنوادا موجودات سے دست بردار ہو کر زبان حال سے عرض کرتے ہیں۔

زدم نشاں چہ خواہی کہ زدل خبر ندارم

تو بگو کہ دل چہ باشد من از واشر ندارم

(تو میرے دل کے متعلق کیا نشاں چاہتا ہے کہ دل کے بارے میں مجھے کوئی خبر نہیں ہے۔ تو خود ہی بتا کہ وہ دل کیا ہو گا کہ جس کے بارے میں تو کوئی نشاں نہیں پاتا۔)

بلکہ منقول ہے کہ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ سے کسی نے سوال کیا

”عن العاشق الصادق فقال اذا رأيت رجلاً معصفر الوجه مفقود القلب“

مغلوب العقل شدید البکاء طالب الموت والفناء ومع ذالك مراعى
الادب متفقد الاوقات فهو العاشق -، (سچا عاشق کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا
جب تو کسی ایسے آدمی کو دیکھے جس کا چہرہ زرد ہو، جس نے دل کو قربان کر دیا ہو، جس کی
عقل مغلوب ہو، جو سخت آہ و بیقا کرنے والا ہو، جو موت اور فنا کا طالب ہوا اور اس سب
کچھ کے باوجود آداب کو لمحوظ خاطر رکھنے والا ہو اور وقت کو یادِ محظوظ میں لگانے والا ہو،
وہ عاشق ہے۔) بقول

چہ می پرسی زمن حال دل غم دیدہ ات چوں شد
دلخون گشت خون شد آب، آب از چشم بیروں شد
(تو کیا پوچھتا ہے میرے دلِ غمگین کے بارے میں کہ وہ کیا ہے؟ میرا دل خون ہو گیا
ہے، خون پانی بن گیا ہے اور پانی آنکھوں سے آنسو بن کر روائی دواں ہے۔)

دوسرہ درجہ تأسف ہے کہ عاشق غمگین فراق معشوق میں اپنی زندگی پر افسوس
کرتا ہے، تیسرا درجہ وجہ ہے۔ یہ حالت واردات قلبی میں سے ہے۔ اس رفع المرتبہ
کیلیت کی تصریح نہ تحریر میں آسکتی ہے نہ تقریر سے ادا ہو سکتی ہے۔ بجز اس کے ”ذوق
ایں می نہ شناسی بخدا تانہ چشی۔“ (عشق کا سوا دو نہیں پہچانے گا جب تک تو یہ خونو نہیں
پہنچے گا۔) چوتھا درجہ بے صبری ہے اس مقام میں عاشق دل فگار کے قلب میں اضطرار
ہوتا ہے۔ اور اشتیاق دیدار میں عیش و آرام سے دست بردار ہو کر جستجوئے یار میں
ڈانہ وار جاں نثار کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اور جوش و خروش میں اپنی حالت زار کا
المہار کرتا ہے۔ بقول

تابود مرا طاقت بودم بشکیباً

چوں کا رجھاں آمد کنوں میں ورسوائی

سر پنجھے صبرم راہ پیچیدو بروں شد دل

اے صبر ہمیں بودت بازوئے تو انائی

(جب تک مجھے طاقت رہی تو میں صبر کرتا رہا۔ جب معاملہ جان تک پہنچا تو اب میں ذلیل ورسا ہوں۔ میرے پائے صبر واستقلال نے راستے طے کیا۔ میں دل ہار بیٹھا۔ اب اے صبر میری تو انائی تیرے ہی بازوؤں سے ہے۔)

پانچواں درجہ صبابت یعنی فور شوش عشق سے بے خودی ہے۔ اس حالت میں عاشق فرط اشتیاق سے مدھوش رہتا ہے۔ غلبہ عشق اور جوش بے خودی میں علی الدوام نالاں و مجنون وارکوہ و بیاباں میں بے سرو ساماں پریشان پھرتا ہے۔ بجز ذکر محظوظ نام مطلوب موجودات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ بقول ۔

زانہا کہ خواندہ ام ہمہ از یاد ما برفت

الا حدیث دوست کہ تکرار می کنم

(میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ تمام میری یاد سے مت گیا ہے۔ مگر دوست کی بات ہی باقی رہ گئی ہے کہ جو میں بار بار بیان کرتا ہوں۔)

مرتبہ نہم تیسم یعنی رقبت ہے۔ اس مقام میں عاشق جاں باز پر اطاعت و بندگی

میں عجز و نیاز اور مجبوری و بے چارگی کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اور اس مرتبہ کے بھی

پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ تفرد ہے کہ عاشق خودی سے بے خدا اور اغیار سے بیزار اور

موجودات عالم سے دوست بردار ہو جاتا ہے۔ اور اس کو مرتبہ اتحاد کا حاصل ہوتا

ہے۔ چنانچہ ہمارے حضور نے فرمایا ہے کہ ”عاشق جب سب کو چھوڑتا ہے تو یار سے متا

ہے، ”دوسرادرجہ استار کا ہے کہ عاشق کتمان و اخفا کی جانب مائل ہوتا ہے۔ تیسرا درجہ بذل روح یعنی ایثار جان ہے۔ چنانچہ سرکار عالم پناہ کا ارشاد ہے کہ ”عاشق سردیتا ہے تب مہم سر ہوتی ہے۔“ بقول

از من گماں مبرکہ دل از دوست بر کنم
تاجاں دریں تن است دم از عشق میر نم
گر بشنوی کہ قافلہ مرد ز غمہ
اول کے کہ جان دھدا از بھر تو منم
(میرے بارے میں یہ گمان نہ کر میں دل اپنے دوست کی یاد سے کبھی جدا کروں گا۔
لب تک اس جسم میں جان ہے تو میں عشق میں ہی سانس لیتا رہوں گا۔ اگر تو سنے کہ
قافلہ عشق تیرے غم کی وجہ سے فوت ہو گیا ہے تو سب سے پہلا جان نثار کرنے والا
ہیں ہی ہوں گا۔)

چو تھاو پا نچواں درجہ خوف و رجا ہے کہ عاشق کبھی خوف ہجر سے لرزائی اور کبھی
امید وصل میں شاداں رہتا ہے۔ اور زبان حال سے کہتا ہے۔ بقول

ز جاں دا دن نمی ترسم من ای جاں
از ایال ترسم کہ از تو دور مانم
(اے میرے محبوب! میں جان دینے سے نہیں ڈرتا ہوں۔ بلکہ تجھ سے دوری کے ڈر
لے تر ساں ولرزائیں ہوں۔ کہ جان تیرے قدموں میں نہیں دے پا رہا۔)

مرتبہ دہم والہی یعنی سرگشتنگی و حیرانی و بے خودی کی حالت میں غایت شیفتنگی
اس مقام میں عشق کو خطرہ عظیم درپیش رہتا ہے۔ کبھی دید جمال محبوب کے

خواہاں کبھی جلال مطلوب سے لرزائ کبھی خوف فردانیت سے دہشت کبھی رعب احمدیت سے حیرت میں رہتے ہیں۔ اور اس مرتبہ کے پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ سوال ہے کہ عاشق طلب محبوب کے لئے محبوب ہی سے سوال کرتا ہے۔ یہ بھی چند نوع پر منقسم ہے۔ بعض عشاق ظاہری الفاظ و عبارت میں معشوق سے طلب معشوق کے لئے سوال کرتے ہیں۔ بعض کی برجوع قلب زبان مستور سے عرضداشت ہوتی ہے بعض خواہش محبوب کو تسلیم کرتے اور عطاے مطلوب پر راضی رہتے ہیں۔ بعض معشوق کو اپنے واسطے چاہتے ہیں۔ اور بعض کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہم معشوق کے ہو جائیں۔ لیکن عاشق کا سوال کسی نوع سے کیوں نہ ہو۔ مگر مفہوم اس کا سوائے طلب محبوب اور کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ عاشق کا معشوق سے بھی سوائے طلب معشوق سوال کرنا مسلکِ عشق کے منافی ہے۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ ”خدا سے بھی نہ مانگو“، دوسرا درجہ لشرب شراب سلسلی عشق ہے۔ اس واردات قلبی کے اثر سے عشاق کے طریق و مقاصد، مدارج و مراتب مختلف ہوتے ہیں بعض عشاق یہ شراب جام اشتیاق میں پیتے ہیں۔ بعض ساغر حزن و اندوہ میں نوش فرماتے ہیں۔ بعض یہ شراب قلق و اضطراب کے پیالہ میں استعمال کرتے ہیں۔ بعض جام خوف میں بعض ساغر رجا میں بعض کاسہ درد میں اس شراب کو پیتے ہیں۔ بقول۔

شراب دردی نوشم زہجرت

نباشد یچ خوشنتر زیں شرابے

(تیرے فراق میں میں ہر لمحہ شراب درد پیتا ہوں۔ مگر ایسی شراب کہ جس سے کوئی خوشی کم تر نہیں ہے۔)

تیرا درجہ سکر ہے۔ اس مقام میں عشق مدھوش و متحیر ہوتے ہیں۔ چو تھا درجہ اضطراب ہے کہ عشق آلام بھر سے بے چین رہتے ہیں۔ کیونکہ علیل عشق کی شفاء لقاءِ خلیل ہے چنانچہ عارفین کا مقولہ ہے کہ ”طبیبی ذکر حبیبی۔“ (میری خوشی، میرا علاج میرے محبوب کے ذکر میں ہے۔) پانچواں درجہ تلف یعنی ایثار ہستی خود ہے۔ ہر چند اکثر حضرات کا خیال ہے کہ بعد مرگ عشق کو راحت نصیب ہوتی ہے لیکن نہیں۔ معتر قول یہ ہے کہ بعد مردن بھی عشق کا ناسور مندل نہیں ہوتا بلکہ کسی حالت میں عشق کے دردو اندوہ میں افق نہیں۔ خصوصاً مرگ ظاہری کے بعد قلق و اضطراب میں ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ محل عشق دل ہے اور مسکن غم بھی دل ہے۔ اور دل کو موت نہیں۔ وہ باقی بہ لقاء اللہ ہے۔ پس جب مرغ روح نفس تن سے آزاد ہو کر فضائے طلب محبوب میں پرواز کرتا ہے۔ اس وقت عشق بالائے عشق اور شوق بالائے شوق ہوتا ہے۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ صورت بھی عام عاشقین کے واسطے ہے۔

ماہشقاں صادق کے لئے یہ تغیر بھی تنقیص میں داخل ہے۔ چنانچہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے فرمایا ہے کہ ”جن کا عشق کامل ہے ان کا شوق و جوش، حیات و ممات، وصال و فراق میں یکساں رہتا ہے۔“ نہ اس کے لئے ترقی ہے نہ تزل، بلکہ وہ ازدیاد و نقصان سے منزہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا و مولا نا اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ ابہے کا قول ہے کہ ”لو کشف الغطاء ما ازدوت یقینا۔“ (اگر پردہ اٹھ بھی ہائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو گا۔) واقعی عشق کامل کا ذوق و شوق مقام ایسا ہدہ میں بھی تصور و فتور سے مبرار ہتا ہے۔ نہ وصل سے مسرورنہ بھر سے رنجور ہوتے اس۔ بلکہ قرب و دوری کے فرق و امتیاز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ بقول۔

عاشق یا رم مرابا کفر و با بیماں چہ کار
تشنہ در دم مرابا صل و با بھراں چہ کار
(میں اپنے یار کا عاشق ہوں۔ مجھے کفر و ایمان سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں درد کا پیاسا
ہوں مجھے وصل و فراق سے کیا کام۔)

اسی مقام میں عاشق کو درجہ فنا کا حاصل ہوتا ہے۔ اور پھر مرتبہ فنا فی الفنا
سے فائز ہو کر بقاء اندی و حیات سرمدی نصیب ہوتی ہے۔ بقول۔
تا مرد ز خود فانی مطلق نشود اثبات لفی او محقق نشود
از خویش بروں آئی کہ تا اتو شوی ورنہ بگراف آدمی حق نشود
(جب تک آدمی اپنے آپ سے فنا نہیں ہوتا تب تک لفی کا اثبات ثابت نہیں ہوتا۔
اپنے آپ سے باہر آ جاتا کہ وہ تو ہو جائے۔ علاوه ازیں انسان فقط لاف زنی کرنے
والا ہے۔)

الغرض احاطہ تحریر و تقریر میں حکایت عشق و محبت کی گنجائش نہیں۔ اس کی
تشریح و تصریح میں ہمارا فہم و ادراک قاصر و مجبور ہے۔ بقول۔
قلم بشکن ورق سوز و سیاہی ریز و دم در کش
حمدید ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد
(قلم توڑ دے، کاغذ جلا دے، سیاہی گرا دے اور سانس بند کر لے۔ اے حمید! یہ عشق کا
قصہ ہے جو کسی کتاب یاد فتر میں نہیں سہا سکتا۔)

الہذا حضرات صوفیہ کرام نے محبت کے اقسام بقدر یافت اور بلحاظ استعداد
تحریر فرمائے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محبت کے مدارج و مراتب محدود و مخصوص نہیں

کیونکہ مقام محبت تقریب الی اللہ میں جملہ مقامات سے افضل و برتر ہے۔ چنانچہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ”من احب لقاء الله احب الله لقاءه۔“ (جو شخص اللہ کی ملاقات کی چاہت رکھتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات پسند کرتا ہے۔) اور امام العارفین حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے ”من عرف الله احبه و العارف لا يحب الا الله۔“ (جو اللہ کی پیچان رکھتا ہے وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور عارف اللہ کے سوا اور کسی سے محبت نہیں کرتا۔)

بلکہ تمامی مقامات سلوک سے وابستہ اور جزئیات محبت میں داخل ہیں۔ جیسا کہ حضرت نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:- ”دریں باب نصوص و اخبار و آثار مخصوص نیست، چہ مقام محبت عالی ترین و فاضل ترین منازل سلوک و ہر مقام کے پیش از دست مقدمات اوست۔ وہر چہ بعد اوست لواحق و ممتازات او۔“ (اس باب میں نصوص، اخبار اور آثار کا شمار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ محبت کا مقام بہت بلند ہے۔ اور سلوک کی منازل میں بہت زیادہ فضیلت رکھنے والا ہے۔ اور ہر مقام جو اس کے بعد پیش آئے گا اسی کے مقدمات سے ہے۔ اور جو عشق کے اختیار کرنے کے بعد اس کے مقدمات کے لواحق ہیں اور وہ اس کو مکمل کرنے والے ہیں۔) لیکن محبت کی ماہیت اور حقیقت کا اظہار ناممکن اور دشوار ہے۔ بقول

المحبة امرها عجب

تلقى عليك وما لها سبب

(یہ ایک ایسی عجیب شے ہے کہ جس کا کوئی سبب نہیں۔)

جملہ حضرات صوفیہ کرام نے اس مقام پر سکوت فرمایا ہے۔ اور حقیقت محبت

(عشق اور جانے)

مکان سے

عاشقان ص

کی ظاہری

غور کرنے

ہے۔ اس

ہے۔ اور

رکھتے ہیں

کے اعتبا

بجائے خ

حضرات

(زرو

اور عالم

کے لئے قطعی تصفیہ نہیں کیا۔ بعض کا قول ہے کہ عشق صفاتِ حق میں سے ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عشق اسرارِ الہی ہے۔ بعض نے عشق کو عین ذات فرمایا ہے۔ اس لئے حقیقتِ عشق و محبت کی شرح امکان بشری سے باہر ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ جن کو مذہبِ عشق کا امام یا مجتہد کہا جائے تو شاید بے جانہ ہو گا۔ انہوں نے بھی حقیقتِ عشق کی شرح میں عجز کا اعتراف کیا۔ اور علم و عقل کو قاصر کہا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ چوں قلم اندر نو شتن می شافت چوں بعشق آمد قلم برخود نشگافت چوں سخن در وصف ایں حالت رسید ہم قلم بشکست وہم کا غذر دید عقل در شرحد چو خرد رگل بخفت شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت (قلم لکھنے میں تیزی کرتا ہے۔ لیکن جب عشق کی کوئی بات آتی ہے تو قلم خود بخود پھٹ جاتا ہے۔ جب بات اس حالت کے وصف پر پہنچتی ہے تو قلم ٹوٹ جاتا ہے اور کاغذ بھی پھٹ جاتا ہے۔ عقل عشق کی شرح یوں کرتی ہے جیسے گدھا پھول کے ساتھ خفارہتا ہے۔ عشق اور عاشقی کی شرح عشق بذاتِ خود بیان کرتا ہے۔)

حضرت مولانا کے اس ارشاد سے ثابت ہو گیا کہ حقیقتِ عشق و محبت کا اظہار قطعی ناممکن اور دشوار ہے۔ کیونکہ تذکرہ عشق و عاشقی ایسا پر اسرار ہے جہاں عقل بے سود اور علم بے کار ہوتا ہے۔ بلکہ عقل انسان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ”چو خرد رگل بخفت۔“ (جیسے گدھا پھول سے خفارہتا ہے۔)

پس جس طرح حقیقتِ روح سے ہم ناواقف ہیں۔ اسی طرح ماہیتِ عشق و محبت کی شرح میں مجبور ہیں۔ ان دونوں کی اصل و حقیقت جواب اسرار میں چشمِ خلائق سے مخفی و پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا فرماتے ہیں۔ مصرع

عشق و جان ہر دو نہا نند و سیر

(عشق اور جان دونوں آپس میں جنگ کرتے ہیں۔)

غرض عشق و محبت کے اسباب حقیقی اوسرا رباطنی کی شرح تو یقینی محال اور حدا
مکان سے باہر ہے۔ لیکن علامات عشق و آثار محبت کی تصریح اس وجہ سے ممکن ہے کہ
عاشقان صادق محبان والائق نے اپنے اپنے مراتب و مدارج کے لحاظ سے عشق و محبت
کی ظاہری نشانیاں جملائیں فرمائی ہیں۔ مگر اس میں بھی کافی اختلاف ہے۔ لیکن تھوڑا
غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف علامات محبت کی افراط و بہتان کی دلیل
ہے۔ اس لئے کہ جب تسلیم ہو چکا کہ محبت انعام وہی ہے۔ اور اس کا تعلق قلب سے
ہے۔ اور واردات قلبی محبت کی حیثیت و اہلیت کی مناسبت سے مختلف اور جدا گانہ شان
رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے عاشقان صادق اور کشتیگان محبت نے اپنی یافت اور حالت
کے اعتبار سے آثار و محبت بیان کئے ہیں۔ پس جملہ محبان ذی اختصاص کی تحقیق
بجائے خود صحیح اور درست ہے۔ اہل محبت کے ظاہری آثار اور نشانات جمل طور پر تو اکثر
حضرات نے بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

روئے زردست و آہ درد آلوو

عاشقان را گواہ رنجوری

(زرد چہرہ اور درد آلوو، یہ عاشقون کے دکھ کے گواہ ہیں۔)

اور عارف باللہ حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر نے فرمایا۔

عاشقان راشش نشانست اے پسر

آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

گر ترا پر سندسے دیگر کدام
کم خور و کم گفتن و نخشن حرام

(اے لڑکے عاشقوں کے چھنشان ہیں۔ ان کی درد آسودہ سرد ہوتی ہے، ان کا رنگ زرد ہوتا ہے اور ان کی آنکھیں تر ہوتی ہیں۔ اگر تم سے کوئی پوچھے کہ دیگر تین نشانیاں کون سی ہیں تو بتانا کہ تھوڑا کھانا، کم بات کرنا اور نیند کا ختم ہو جانا۔)

اور بعض عارفین نے آثارات محبت کا ذکر و صاحت کے ساتھ بھی کیا ہے۔
چنانچہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ عوارة میں لکھا ہے کہ محبت صادق کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کا قلب دنیا و آخرت کی لوٹ محبت سے پاک ہو۔ جیسا حضرت داؤد علیہ السلام سے جناب باری عز اسمہ نے فرمایا تھا کہ ”یا داؤد انی حرمت علیے القلوب ان ید خلها حبی و حب غیری“۔

(اے داؤد! میں نے دلوں پر حرام کر دیا ہے کہ ان میں میری محبت بھی داخل ہوا اور میرے علاوہ کسی اور کی محبت بھی داخل ہو۔ یعنی دونوں کلیختی نہیں ہو سکتیں۔) بقول

عشق تو اے حیات جان مذہب و ملت منست
قبلہ ماست کوئے تو کعبہ ماست روئے تو

(اے میری جان زیست! تیرا عشق ہی میرے مذہب و ملت ہیں۔ میرا قبلہ تیری گلی ہے اور میرا کعبہ تیرا رُخ انور ہے۔)

محبت کی یہ بھی ایک علامت ہے کہ بجز نظارہ حسن حبیب کسی دیگر حسین کے جمال پر نظر التفات نہ کرے۔ اور زبان حال سے کہے۔
گرچشم بروئے دگرے باز کنم

حق نمک حسن تو کورم سازد
 (اگر میں اپنی آنکھ کو کسی دوسرے کی طرف کھولوں یعنی محبوب کے علاوہ کسی اور کے
 ہے کو دیکھوں تو تیرے حسن کے نمک کا حق بھجھے انداز کر دے۔)
 چنانچہ مولا نا علیہ الرحمۃ نے اپنی مشنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص زن حسینہ
 کے پیچھے چلا۔ عورت نے پوچھا کہ میرے پیچھے آنے کا سبب کیا ہے؟۔ اس نے کہا کہ
 ہیں تیرا عاشق ہوں۔ عورت نے امتحانا کہا کہ میرے پیچھے میری بہن آتی ہے۔ اور وہ
 بہن سے بھی زیادہ حسین ہے۔ وہ ہونا کہ اس کے دیکھنے کے واسطے دوسری جانب
 لاطب ہوا تو ازراہ تو تیخ زن حسینہ نے کہا۔
 گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی در بیان و دعوے خود صادقی
 پس چڑا، بر غیر افگندی نظر ایں بود دعواۓ عشق اے بے ہنر
 (اے بے وقوف اگر تو واقعتاً عاشق ہے اور تو اپنے دعویٰ و بیان میں سچا ہے تو تو نے غیر
 کی جانب نظر کیوں کی۔ اے بے ہنر یہ دعویٰ عشق غلط ہے۔)
 محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ محبت صدمات فراق سے دل برداشتہ اور
 جفا و جور طلب محبوب سے بے واسطہ نہیں ہوتا، بلکہ طلب اس کی بدستور قائم رہتی
 ہے۔ بقول۔

آں کہ پامال جفا کردہ چو خاک را ہم
 خاک می بوسم و عذر کرمش می خواہم
 من نہ آنم کہ بجور تو بنام حاشا
 چاکر معتقد و بندہ دولت خواہم

(اے محبوب! میں نے اس راہِ عشق میں اپنے آپ کو پامال کیا ہے۔ میں اس مٹی کو بوسدیتا ہوں۔ اور کرم کا خواستگار ہوں۔ میں ایسا نہیں ہوں کہ تیرے جورو جفا سے روؤں۔ میں تو معتقد نوکر ہوں اور تیری دولت حسن کا چاہنے والا ہوں۔)

یہ بھی علامتِ محبت مستند طریقہ سے منقول ہے کہ وصولِ محبوب کا جو واسطہ اور ذریعہ ہو محبّ صادق اس کو بھی دوست رکھتا ہے اور اس کی بھی اطاعت کرتا ہے۔ اور اس اطاعت کو عین اطاعتِ محبوب شمار کرتا ہے۔ بمصدق آیہ وانی ہدایہ ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتibusونی يحببكم اللہ“ (اے حبیب! آپ فرمادیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ سورۃ ال عمران: ۳) اور ”من يطع الرسول فقد اطاع اللہ“ (جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ تھی کا حکم مانا۔ سورۃ النساء: ۸۰) بھی اسی کی دلیل ہے۔

محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ راہِ وصولِ محبوب میں اگر زن و فرزند مانع و حارج ہوں تو ان سے پرہیز کرے، اور محبتِ محبوب میں ثابت قدم رہے۔

ایک علامت یہ ہے کہ محبت ذکرِ محبوب میں مشغول و مشغوف رہے۔ جیسا منقول ہے ”من احبا شیاً اکثر ذکرہ“ اور کثرت ذکرِ محبوب سے خستہ اور ملوں نہ ہو۔ بلکہ سماعت ذکرِ محبوب سے قلب میں بشاشت اور آثار طرب و شکافتی ظاہر ہوں۔
لقول۔

فَجَبَكَ رَاحْتَى فِي كُلِّ حَيْنٍ

وَذَكْرُكَ مُونسِي فِي كُلِّ حَالٍ

(پس آپ کی محبت ہر وقت میرے لئے آرام و راحت ہے اور آپ کا ذکر ہر حال میں

میرا ساتھی ہے۔)

محبت کی یہ بھی علامت ہے کہ احکام محبوب کی متابعت میں مخالفت کا قصد بھی نہ کرے۔ چنانچہ حضرت سہل عبداللہ علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”المحبة معانقة الطاعة و مبانیة الفاقہ“ (محبت اطاعت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اور اس کی بنیاد فاقہ یعنی بھوک یا روزہ ہے۔) اور حضرت رویم قدس سرہ سے کسی پوچھا کہ محبت کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ”الموافقة في الجميع الاحوال“۔ (تمام احوال میں محبوب کے مطابق ہونا۔)

یہ بھی ایک علامت ہے کہ محبت کی اطاعت و ریاضت بخیال رضائے محبوب ہو۔ اور دوسری غرض مقصود نہ ہو۔ جیسا حضرت ابو بکر تانی کا فرمودہ ہے ”المحبة ایثار المحبوب“ (محبت محبوب پر قربان ہو جانے کا نام ہے۔) اور حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے ”المحبة ایثار ما یحب المحبوب و ان کرهت و کراہه ما یکرہ المحبوب و ان احبت۔“ (محبت کیا ہے؟ محبوب جس سے پیار کرتا ہے اس پر قربان ہو جانا۔ اور تو اس چیز کو ناپسند کرے جسے محبوب ناپسند کرتا ہے۔ اگرچہ وہ شے تجھے کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔)

صاحب عوارف المعارف نے لکھا ہے کہ آثار محبت میں یہ بھی ہے کہ وصال محبوب اور مشاہدہ مطلوب سے محبت کے شوق میں قلت اور اشتیاق میں خفت نہ ہو۔ بلکہ مشاہدہ و مواصلت سے شوق داعی ہل من مزید ہو۔ اور جس قدر تقریب محبوب حاصل ہوا سی قدر شوق و خلق میں ترقی ہو۔ اور محبت طلب وصول محبوب کا خواستگار رہے۔ کیونکہ جس طرح جمال محبوب کی حد و نہایت نہیں۔ اسی طرح شوق محبت کی انہتا رہے۔

اور غایت نہیں۔ بقول

سیر گشت چشم من از نظر جمال تو
ہست درون جان من ہر نفس خیال تو
(میری آنکھ تیرے جمال کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر لمحہ جبکہ
میں سانس بھی لوں تو تیرا ہی خیال ہو۔)

اور بعض محققین رموز محبت نے جس طرح آثار و علامات کی تصریح فرمائی
ہے اسی طرح خصوصیات محبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ محبت صادق کی
خصوصیات میں ایک خاصہ یہ ہے کہ حالت فراق میں محبت کی قوت مختلہ صورت محبوب
کو قائم کرتی ہے۔ اور یہ نسبت ایسی قوی ہوتی ہے کہ محبت صورت محبوب سے باقی
کرتا ہے۔ چنانچہ مولا ناعلیٰ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

صورت پیدا کند برپا د او جذب صورت آردت در گفتگو
راز گوئی پیش صورت صد ہزار آں چنان کہ یار گوید پیش یار
(جب محبوب کا ذکر آتا ہے تو محبوب کی صورت سامنے آ جاتی ہے۔ اور جو صورت اس
حالت ذکر میں سامنے آتی ہے وہی محبت گفتگو میں بیان کرتا ہے۔ اس صورت مختلہ
میں محبوب محبت سے ہزاروں باقی راز کی کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک دوست
دوسرے دوست سے گفتگو کرتا ہے۔)

اور محبت کے یہ تخیلات وہی نہیں بلکہ حقیقی ہوتے ہیں جس کو مولا نافرماتے
ہیں کہ جب محبت کا یہ جذب کامل اور مستقل ہو جاتا ہے تو صورت محبوب بھی اپنے محبت
کی دلجموئی کرتی ہے اور کہتی ہے۔

پر وہاڑا ایں زماں برداشتیم

حسن را بے واسطہ افراد شتم

(اس وقت یعنی بوقت تصور میں پردوں کا اٹھا دیتا ہوں اور محبوب کے حسن کا بغیر کسی
واسطے کے دیدار کرتا ہوں۔)

ایک خاصہ محبت کا مل کا یہ ہے کہ "المحبة عدم السوم والعزلة من
القوم" (محبت نیند کا اڑ جانا ہے اور دوسرا لوگوں سے علیحدہ ہو جانا ہے۔) یعنی اہل
محبت گوشہ گیر اور عزلت نہیں ہو جاتے ہیں اور خواب کی راحت بھی ان کو نصیب نہیں
ہوتی۔ شب و روز خیال یار میں مضطربے قرار اور خواب و خور سے بیزار رہتے ہیں۔
تعلقات یا گلگت منقطع کر کے زبان حال سے کہتے ہیں۔

خواب زچشم من بشد چشم تو بست خواب من

تاب نہاند در تسم زلف تو برد تاب من

(تیری نگاہ نے میری نیند باندھ دی کہ میری نیند میری آنکھوں سے روٹھ گئی۔ میرے
جسم میں طاقت نہیں رہی کہ تیری زلف نے میری طاقت چھین لی۔)

اور خواجہ سری سقطی قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں فرمایا ہے۔

ما فی النهار ولا فی اللیل فرح

فما ابالي اطال اللیل ام قصر

(نہ دن میں اور نہ ہی رات میں مجھے کوئی فرحت حاصل ہے۔ اب مجھے کچھ پرواہ نہیں
ہے کہ رات میں لمبی ہوں یا چھوٹی۔)

محبت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عاشقان الہی گناہ کے ضرر سے محفوظ

رہتے ہیں۔ چنانچہ مذکور ہے ”اذا احباب اللہ عبد الم يضره ذنبه“ (جب اللہ کی بندے سے محبت کرتا ہے تو کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی اللہ اپنے بندے کو گناہوں سے بچا لیتا ہے۔) اللہ تبارک و تعالیٰ کی دوستی بندے کو نقصانِ محضیت سے بچاتی ہے۔

ایک خاص محبت کا یہ ہے کہ محبت صادق کا شیطان بھی دشمن نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے اکثر فرمایا ہے کہ ”جس کو سب شیطان کہتے ہیں اس راہ میں دوست بن جاتا ہے۔“ اور اکثر یہ فرمایا ہے کہ ”محبت میں شیطان بھی غیر نہیں۔“ اور یہ ارشاد ہوا ہے کہ ”عاشقوں کے نزد یک شیطان نہیں آتا۔“ اور قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے کہ اللہ کے مخصوص بندے شرور شیطانی سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان عبادی لیس لک علیهم سلطنت۔“ (بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا تسلط نہیں ہو سکے گا۔ سورۃ بنی اسراء ۶۵:)

محبت کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ محبتِ ثروت و عمرت کے فرق و امتیاز سے مستثنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔ سُک خارا اور لحل بہا کو یکساں سمجھتا ہے۔

از شہان گدائے کویت بنداغنی فروون ست

کہ شمار کر دیکساں چہ گہر چہ زر چہ آہن

(تیری گلی کے گدا اگر اللہ سے تعلق کی وجہ سے بادشاہوں سے بھی فزوں تر ہیں۔ لوہا اور موٹی اور سوتا ان کی نظر میں یکساں ہوتے ہیں۔)

چنانچہ حضرت مسیح بن معاذ راضی علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا کہ محبت کامل کا خلاصہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”الفقر عملا و الحزن رطبا۔“ (فقر اطاعت

محبوب اور محبوب کے غم میں خوشنام ہے۔) اور حضرت مولانا نے تو عاشق مجازی میں یہ صفت دکھائی ہے۔ اور مجنون کے قصہ میں لکھا ہے۔

عاشق آں لیلے کو رو کبود ملک و عالم پیش اویک ترہ بود
نزو او یکساں شدہ بر خاک و زر زرچہ باشد کہ نہ بد جاں راخطر
(مجنوں کہ جو لیلی کا عاشق ہے کہ جس کا چہرہ نیلا پڑ گیا تھا، بادشاہی اور ملک اس کے سامنے ایک جیسے ہیں۔ اس کی نظر میں مٹی اور سونا یکساں ہیں۔ سونا کیا شے ہے اس کو تو اپنی جان کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔)

محبت کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ محبت کے رُگ و پے میں سمیت عشق کا اثر اس طرح سرایت کرتا ہے کہ اس کا گوشت تلخ اور پر ضرر ہو جاتا ہے۔ جس سے درندے بھی خذر کرتے ہیں۔ بقول۔

کیں شدہ از خونے حیوان پاک پاک بذ عشق نم و شمش زہر ناک
در خورد خود فی المثل دام و دوش زہر گرد و نم عاشق بکھدش
(یہ جانوروں کی چیر چھاڑ کی عادت سے بھی فیج جاتا ہے۔ عشق کی وجہ سے اس کا گوشت اور چربی زہر لی ہو جاتی ہے۔ جاں میں پھنسا ہوا اور مرا ہوا ایک برا بر ہیں کہ عاشق کا گوشت اور زہر ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔)

یہ بھی محبت کی خصوصیت میں ہے کہ عاشق گفت و شنید سے پرہیز کرتے ہیں۔ خیال یار میں محو اور خاموش بلکہ ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں۔ بقول حافظ علیہ الرحمۃ۔

در حریم عشق نتوان زدم از گفت و شنید
زاں کے آں جا جملہ اعضا چشم باید بود و گوش

(حریم عشق میں گفت و شنید پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس مقام پر اس کے تمام اعضاء آنکھ اور کان بن جاتے ہیں۔)

یہ بھی خصوصیت محبت میں ہے کہ محبت کامل و فور استغراق اور جوش محبت کے لحاظ سے قید ملت اور آداب ظاہری کی پابندی کا مکلف نہیں رہتا۔ جیسا چردا ہے کے قصہ میں موسیٰ علیہ السلام سے جناب باری عز اسمہ نے خطاب فرمایا۔

موسیٰ آداب دانا دیگر اند	سوختہ جان رو انان دیگر اند
عاشقان را ہر فس سوزید نیست	برده ویراں خراج و عشر نیست
گر خطا گوید درا خاطلی گلو	در شود پرخون شہید آں رامشو
ملت عشق از ہمہ دینہا جداست	عاشقان را نہ ہب و ملت خداست

(اے موسیٰ! دانا عقل مند آدمی کے آداب کچھ اور ہیں اور عاشقوں کے آداب کچھ اور ہیں۔ عاشقوں کیلئے ہر لمحہ جلتا ہوتا ہے۔ جس گاؤں میں ویرانی ہواں پر نہ خراج ہوتا ہے نہ عشر۔ اگر عاشق غلط بات کرتا ہے تو اس کو علظی کرنے والا نہ کہہ۔ اگر وہ خون سے لتحر ہوا شہید ہے تو اسے مت دھو۔ ملت عشق کا دین تمام ادیان سے علیحدہ ہے۔ عاشقوں کیلئے نہ ہب اور دین خدا ہے۔)

محبت کامل کے خواص میں ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ اس کو تربیت ظاہری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چونکہ محبت انعام وہی ہے اس لئے محبت کامل کی تعلیم استاد موبہب کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ بقول۔

لعل را گر مهر نبود باک نیست
عشق را دریائے غم غناک نیست

(لعل میں اگر چمک نہ ہو تو بھی کوئی پرواہ نہیں۔ عشق میں غم کا دریا بھی پریشان کن نہیں۔)

محبت کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ محبت صادق کا قبلہ تحقیقی جمال محبوب ہوتا ہے چنانچہ حضور نے بارہ فرمایا ہے کہ ”عشق میں کفر اسلام ہو جاتا ہے۔“ اور حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر قدس سرہ نے اپنے رسالہ روح و عشق میں لکھا ہے کہ تا عاشق صادق رادر عالم صورت و در عالم معنی قبلہ بود بجز جمال معشوق در عشق صادق نبود۔ بلکہ با اختیار خود روئے قبلہ آرد مشرک بود۔ (اس ظاہری جہان میں اور اُس آخری جہان میں عاشق کیلئے معشوق کے حسن کے سواچے عشق کے لحاظ سے کوئی شے قبلہ نہیں ہے۔ اگر اپنے اختیار سے اپنا رخ قبلہ کی طرف کرے تو مشرک ہو جائے گا۔) اور حضرت شیخ ابوالظیر ابوسعید علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ شعر

موضع شادیست ایں یا معدن جو دو کرم
قبلہ ماروئے تست و قبلہ ہر کس حرم

(یہ خوشی کی جگہ ہے یا جو دو کرم کی کان ہے۔ ہمارا قبلہ تیرا زخم انور ہے۔ جبکہ ہر آدمی کا قبلہ حرم ہے۔)

ایک خاصہ عشاقد کا یہ بھی ہے کہ اپنی محبوب ترین چیز کو مطلوب پر قربان کرتے ہیں۔ چنانچہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین بدایونی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”المحبة ایشار ماتحب لمن تحب“ (محبوب کیلئے اپنی پسند کو قربان کر دینا محبت ہے۔) اور اللہ جل جلالہ کا بھی قرآن پاک میں بھی حکم ہے کہ ”لَن تَنالوا الْبَرَ حَتَّى تَنفَقُوا مِمَّا تَحْبُّونَ“ (سورہ آل عمران: ٩٢) یعنی جب تک اپنی خاص

محبوب چیز کو نہ صرف کرو گے بھلائی کون پہنچو گے۔ حضرات مفسرین نے ممتحون کی تفہیر میں اختلاف فرمایا ہے بعض کا قول ہے کہ اولاد محبوب ترین چیز ہے بعض نے انسان کی غایت پسندیدگی مال کے ساتھ فرمائی ہے۔ بعض کے نزد یہک جان بہت عزیز ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرکار عالم پناہ کے سامنے اس آیہ پاک کا تذکرہ آیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ حضور "ممتحون" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ "جو چیز سب سے زیادہ عزیز ہو۔" عرض کیا کہ جان بہت عزیز رہتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ "بعض اوقات انسان جان دینا بھی آسانی سے گوارا کر لیتا ہے۔ اس لئے ممتحون سے انسان کی عافیت مراد ہے جو دامنی ہے اور کسی وقت ناپسند نہیں ہوتی۔"

لہذا نظر غائز سے دیکھا جائے تو یہ معنی کس قدر جامع اور مناسب حال ہیں۔

کیونکہ ممتحون کا اشارہ عاشقانِ الہی کی جانب ہے۔ اور یہ خصوصیت عاشقان صادق کی فراق کے صدمات مہمات اختیار کرتے ہیں۔ اور بکمال صبر و استقلال طلب مطلوب حقیقی میں اپنی راحت و عافیت شارکرتے ہیں۔ جو ایثار جان سے بہت زیادہ اہم و دشوار ہے۔ کیونکہ روزانہ کی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولا نا علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ حضرت ایازی مجاهد قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ستر مرتبہ بہامید شہادت جہاد میں شریک ہوا لیکن۔

چوں شہادت روزی جانم نبود	رفتم اندر خلوت و در چلہ زوو
در جہاد اکبر افگندم بدن	در ریاضت کردن ولا غر بدن
(جب میری جان کیلئے شہادت کا دن نہ ہوتا میں تھائی میں اور چلہ میں جلد ہی چلا جاتا ہوں۔ اور پھر میں اپنے بدن کو جہاد اکبر میں مصروف کر لیتا ہوں۔ اس ریاضت کی وجہ	

سے میرا جم لاغر ہو گیا ہے۔)

ناگاہ طبل رزمی کی آواز آئی اور معلوم ہوا کہ جیش غازیاں بجهت غزار وانہ ہوتا ہے۔ اس وقت میرے بطن سے نفس نے کھا کر اے ایازی ہنگام غزا آگیا ہے۔ تم بھی جہاد میں شریک ہو۔

گفتہ اے نفس خبیث بے وفا از کجا میل غزا تو از کجا
نفس باگک آورد آنگہ از درون در فصاحت بے دہاں اند رفون
کہ مرا ہر روز ایں جامی کشی
جان من چوں جان گیراں می کشی
یچ کس رامیست از عالم خبر
کہ مرا تو می کشی بے خواب و خور
در غزا بھیم بیک زخم از بدن
غلق بیند مردی و ایثار من
گفت اے سگ چوں منافق زستی
ہم منافق میسری تو چیستی
آل جہاد اصغر است این اکبر است ہر دو کار رستم ست و حیدر ست
(اے میرے خبیث، بے وفا نفس! جہاد کی خواہش کرنا تیرے لئے کھاں جائز ہے۔
اس وقت میرا نفس اندر سے آواز دیتا ہے۔ فصاحت بغیر من کے فضول ہے۔ کہ مجھ کو تو
ہر روز اس جانب متوجہ کرتا ہے۔ اے میری جان! جان لینے والوں کی طرح کیوں
کھینچتا ہے۔ ہر کسی کو جہان کے متعلق کوئی خبر نہیں کہ تو بظاہر کھانے کے اور نیند کے بغیر
مجھے کھینچ رہا ہے۔ جہاد میں شامل ہوتا ہوں کہ بدن پر ایک زخم بھی ہو جائے تو مخلوق
میری مرد انگی اور قربانی کو دیکھے گی۔ اے کتنے تو منافق کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔ تو
منافق کی طرح مرتا ہے۔ تو کیا شے ہے۔ وہ چھوٹا جہاد ہے اور یہ بڑا جہاد ہے۔ یہ
دونوں کام یعنی جہاد اصغر رستم اور جہاد اکبر حیدر کراز کے ہیں۔)

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ تکلیف روزانہ کی برداشت نہایت سخت و دشوار ہے اور اس کے مقابلہ میں جان دنیا آسان ہے۔ جیسا حضور نے ایثار جان سے ایثار عافیت کو مشکل اور افضل فرمایا۔ اور وسر افادہ اس حکایت سے یہ لکھتا ہے کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے ایثار جان کو جہاد اصغر اور کار رسم، اور ایثار عافیت کو جہاد اکبر اور کار حیدر فرمایا جس سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ ایثار جان سے ایثار عافیت نہایت فائق اور بہتر ہے۔

لیکن حضرات عارفین نے علاوہ دیگر خصوصیات کے محبت کی حیرت انگیز ایک خصوصیت یہ بھی ارقام فرمائی ہے کہ اثر محبت متفاہ ہوتا ہے۔ اور عالم تعینات میں بجا ڈالین اثر مختلف شان سے نظر آتا ہے جو کسی کو غمگین و گریاں رکھتا ہے اور کسی کوشاد و فرحان کسی میں نیازمندی کا اظہار ہوتا ہے کسی کو مستغنى اور بے نیاز کر دیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے حضور نے بھی اسی مفہوم کو یوں فرمایا ہے کہ ”محبت کسی کو ہنساتی ہے کسی کو رلاتی ہے۔“ اور حضرت مولانا بھی مثنوی کے دفتر سوہم میں اسی مضمون کو ارقام فرماتے ہیں۔

لیک میل عاشقاں لاغر کند میل معشوقاں خوش و بافر کند
 عشق معشوقاں دوزخ افروخته عشق عاشق جان اور اسوختہ
 کہر با عاشق بہ شکل بے نیاز کاہ می کوشدار آں راہ دراز
 (عاشقوں کی رغبت ان کو کمزور کر دیتی ہے اور معشوقوں کی رغبت انہیں خوش اور فربہ بناتی ہے۔ معشوقوں کا عشق دوزخ کو روشن کرتا ہے اور عاشق کا عشق اس کی جان کو جلاتا ہے۔ معشوق کہر بہ کے سامنے مٹکے کی مانند بے نیازی کے ساتھ عاشق کو اپنی جانب راغب کرتا ہے۔ عشق کی طویل راہ میں عاشق عاجز مٹکے کی مانند رواں دواں اور کوشش رہتا ہے۔)

مولانا علیہ الرحمۃ جب عشق کی نیرنگی متقابلہ کا ذکر کر چکے کہ اڑ عشق عاشق کو لاغر اور ناتوان مسحوق کو خوش و خداں کرتا ہے۔ اور کہر با میں شان بے نیازی دکھاتا ہے اور گھاس میں نیازمندی کے آثار ہو یہا ہوئے ہیں کہ سرتسلیم خم کے چلی آتی ہے تو پھر محبت کی دوسری عجیب و غریب خاصیت کو بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک ہی حسین کا حسن دیکھنے والوں کے دل میں متضاد اثر پیدا کرتا ہے۔ کوئی نظارہ جمال سے اس کا شیفتہ اور گرویدہ ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کسی ناظر کو اسی حسین کے نظارہ حسن سے منظور کے ساتھ قلبی عداوت ہو جاتی ہے۔ اور اپنے اس دعوے کے لئے قطعی دلیل یہ لائے ہیں کہ حسن یوسف علیہ السلام نے متضاد اثر دکھایا کہ حضرت یعقوب علی نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فریفہ ہوئے اور برادر ان یوسف دشمن ہو گئے۔ چنانچہ آپ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

صورت یوسف چو جائے کرد خوب	زاں پدر می خورد صد بادہ طرب
پازاخواں رازاں زہر اب بود	کندرا ایشاں زہر کینہ می فزوو

(حضرت یوسف جب اچھا بابس پہن کر بن سنور کر سامنے آتے تھے تو ان کے باپ حضرت یعقوب خوشی کی شراب کے سینکڑوں جام پیتے تھے جبکہ ان کے بھائیوں کیلئے وہی حسن زہر تھا۔ ان کے دلوں میں جناب یوسف کی دشمنی کا زہر اور زیادہ بڑھتا تھا۔)

اس کے بعد مولانا محبت کے متضاد اثر کی اور تصریح کرتے ہیں کہ ایک ہی حسین کے اگر چند عشاق ہوں تو اس کے فعلہ حسن کا متضاد اثر یہ کرشمہ دکھاتا ہے کہ ان کی حالت اور کیفیت میں اختلاف اور مذاق میں تفرقہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حسن یوسف

بھی کی تمثیل دی ہے اور اشعارِ مذکورہ کے تحت میں فرمایا ہے ۔
 باز از وے مر زلینخا را سکر می کشید از عشق انیون ڈگر
 غیر انچہ بودم یعقوب را بود از یوسف غذا آں خوب را
 (حسن یوسف کو دیکھ کے زلینخا کی مستی اور ہر ہتھی تھی ۔ اور آپ کے عشق میں زلینخا کا نامہ
 دوبارا ہو جاتا تھا ۔ لیکن حضرت یعقوب کیلئے حسن یوسف ایک مدد غذا تھی ۔)

یعنی یوسف علیہ السلام پر زلینخا بھی شیفتہ تھی اور یعقوب علیہ السلام بھی عاشق
 تھے مگر حسن کے مقضاواڑ سے دونوں کے خیال مختلف اور خواہش جدا گانہ تھی کہ زلینخا کے
 عشق صادق میں خواہش نفسانی کا بھی شابہ تھا ۔ اور یعقوب علیہ السلام کی محض حقیقت
 پر نظر تھی چنانچہ مولا نابحر العلوم اس کی شرح میں لکھتے ہیں : ”حسن یوسف باز لینخا بوجہے
 مشہود بود غیر وہجے کہ بے آس یعقوب را مشہود بود ۔ کہ زلینخا اسیں حسین رامتعین می دید لہذا
 از و تلذ و نفسانی می خواست ۔ و یعقوب علیہ السلام را دریں متعین حسن ذات ظاہر با جمع
 اسماء و صفات مشہود و علیہ السلام ازو علوم معارف کے غذائے روحیت می یافت ۔“

(حسن یوسف زلینخا کیلئے ایک ظاہری وجہ تھی اور حضرت یعقوب کیلئے وجہ اور تھی کہ
 زلینخا اس حسن کو متعین سمجھتی تھی اور اس سے نفسانی لذات حاصل کرنا چاہتی تھی ۔ اور
 جناب یعقوب کیلئے اس میں حسن ذات الہمع تمام اسماء و صفات ظاہر تھی ۔ اور وہ اس
 سے معرفت کے علوم کی رو جی غذا حاصل کرتے تھے ۔)

علی ہذا حضرات صوفیہ کرام نے آثارات و حصوصیت محبت کے ساتھ مفاد اور
 نیوضات محبت بھی بکثرت بیان فرمائے ہیں ۔ اور ہم کو سمجھایا ہے کہ تمامی معاملات
 اخوی محبت پر مختصر ہیں ۔ کیونکہ محبت ہی ایسی چیز ہے کہ جس کو عقائد سے بھی تعلق

ہے۔ اور محبت ہی عبادت بلکہ ہر عبادت کی روح بھی ہے۔ اور محبت عالم جاودانی کے لئے سرمایہ ناز بھی ہے۔ اور محبت سے تکمیل ایمان بھی ہوتی ہے۔ منحصر یہ کہ محبت بندہ کو خدا سے ملتی ہے۔

میرے اس بیان کے واسطے تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ شریعت اسلام میں پہلا سبق توحید ہے۔ اور بزرگان اہل طریقت کا تو حیدری پروار و مدار ہے۔ اسی وجہ سے حضرات صوفیہ کرام نے تو حیدر جناب احادیث جل و علا کی تصدیق کو طالب صادق کے واسطے مقدم فرمایا ہے اور اس کی تحریک و تکمیل کے لئے تصفیہ نفس اور تزکیہ روح کے قواعد نہایت شرح و سبط کے ساتھ ارقام فرمائے ہیں جو بجائے خود بالکل صحیح اور بہت مفید ہیں۔ لیکن کامیابی محبت ہی پر موقوف ہے۔ اگر محبت الہی نہیں تو جملہ کوششیں بے کار ہیں۔ اور اگر آتش شوق اور سوز محبت سے سینہ معمور ہے تو شان الوہیت کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”ہوا و ہوس کے زائل ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کے لقا کی محبت ہو۔“ غرض توحید الہی کی تصدیق یہی ہے کہ حضرت احادیث عز اسمہ کو ایک جانے انما الہکم اللہ واحد۔ (تمہارا معبود، معبود و یکتا ہی ہے۔ سورۃ الکھف: ۱۱۰) اور محبت کا آخری نتیجہ بھی یہی ہے کہ بجز ذات شاہد حقیقی دوسرے کا وجود مفکود ہو جاتا ہے چنانچہ حب کے مقنی یہی ہیں کہ محبوب کے ساتھ ایسا قلبی تعلق ہو کر موجودات عالم سے سروکار نہ رہے۔ ”العشق نار یحرق ماسوی المحبوب“۔ بقول حضرت مولانا

عشق آں شعلہ ست کو چوں بر فروخت

ہر چہر جز معموق باقی جملہ سوخت
 (عشق ایسا شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو معموق کے علاوہ باقی تمام اشیاء
 کو جلا دیتا ہے۔)

نامِ یار و روز بان، خیالِ دلدار تقویتِ جاں ہو جمیع تعلقات سے فارغ اور
 بے واسطہ ہو جائے۔ ہستی شاہدِ حقیقی کے سامنے اپنی ہستی کو منایے۔ چنانچہ شیخِ اکبر
 حضرت مجی الدین عربی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ ”محبتِ انسان کو اندر حاکر دیتی ہے۔
 اور موجوداتِ عالم میں سوائے محبوب کے اس کو کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ اور حقیقتِ حب
 تمامِ اجزاءِ جسم اور روح میں اس طرح سراہیت کرتی ہے کہ محبت کے گوشت و پوست
 و عروق میں اس کو اختیار کامل ہو جاتا ہے۔ وہ محبوب ہی کی آواز سنتا ہے۔ اور ہر صورت
 میں محبوب ہی کو دیکھتا ہے۔ جب محبت اس مرتبہ پر پہنچتی ہے تو اسی کو عشق کہتے ہیں۔
 جیسا کہ حسین بن منصور حلاج کے تذکرہ میں ہے کہ جب ان کے ہاتھ اور پاؤں قطع
 کئے گئے تو ان کے خون سے زمین پر اللہ اللہ لکھ گیا تھا۔ ”علی ہذا موحد کامل کی بھی یہی
 تعریف ہے کہ۔

حیث توحید خدا آمنون
 خویشن را پیش واحد سوختن
 گرہمیں خواہی کہ بفروزی چوروز
 ہستی ہم چوں شب خود را بسور
 ہستیت در ہست ہستی نواز
 ہم چو مس در کیمیا اندر گداز

(اللہ کی توحید کیا ہے؟ یہ بات سیکھنا یعنی اللہ کے سامنے اپنے آپ کو جلا دینا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو دن کی طرح روشن ہو جائے تو اپنی ہستی کو جورات کی طرح سیاہ ہے اسے جلا دے۔ اپنی ہستی کو ہستی دینے والے میں ضم کر دے۔ یعنی اپنی نفی کر دے۔ جیسے تابا کیمیا گری میں نرم ہو جاتا ہے تاکہ تمہاری ذاتی پہچان ختم ہو جائے۔)

علی ہذا محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بھی کتاب المکاتیب و الرسائل الی ارباب الکمال والفضائل کے تکملہ میں توحید و محبت کی یگانگی کی نسبت ارقام فرماتے ہیں۔ وہ ہذا

یحهم و یحبونہ چہ گفتار است

بزیر پردہ مگر خویش را خریدار است

(وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں یہ کیسی بات ہے۔ پرده کے پیچھے خود ہی اپنے آپ کا خریدار ہے۔)

ازیں جاروشن گشت کہ حاصل توحید غلبہ محبت و ظہور یگانگی ست کہ در منظر شہود جز محبوب را وجود نہاند۔ (اسی وجہ سے اس جگہ یہ بات واضح ہوئی کہ توحید کا حاصل محبت اور یگانگت کا اظہار ہے کہ سوائے محبوب کے اور کچھ باقی نہ رہے۔)

لہذا ہمارے سرکار عالم پناہ نے اپنے غلاموں کو وہ کلیے ہدایت فرمایا کہ جس کے بغیر تصدیق توحید ناممکن اور محال ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ توحید کے واسطے محبت لازم ہے اور محبت کے واسطے توحید ملزم ہے۔ جو تمجیل توحید ہے کہ غیر کا وجود متفق و ہو وہی ماسوأ مطلوب سب کو نیست اور نابود کرتا ہے۔ غرض جمیع عقائد کی اصل اور ان کو مضبوط اور مستحکم بنانے والی اگر ہے تو محبت ہے۔ چنانچہ مولا نافرماتے ہیں۔

از محبت تلخہ شیریں شود	از محبت مسہا زریں شود
از محبت درد ہا صافی شود	وز محبت درد ہا شافی شود
از محبت دار تنخے می شود	وز محبت بار بختے می شود
از محبت بجن گلشن می شود	وز محبت روپہ گلشن می شود
از محبت نار نوری می شود	وز محبت دیو حور می شود
از محبت سگ روغن می شود	وز محبت موم آہن می شود
از محبت حزن شادی می شود	وز محبت غول ہادی می شود
از محبت سقم صحت می شود	وز محبت قهر رحمت می شود
از محبت مردہ زندہ می شود	وز محبت شاہ بندہ می شود

(محبت سے کڑوی چیزیں میٹھی ہو جاتی ہیں اور تابنا سونا بن جاتا ہے۔ محبت سے میل بھی صاف ہو جاتی ہے اور محبت کی وجہ سے درد بھی شفایاں ہو جاتے ہیں۔ محبت کی وجہ سے سوی بھی تنخے بن جاتی ہے اور محبت کی وجہ سے بوجہ بھی خوش قسمتی بن جاتا ہے۔ محبت سے قید خانہ بھی با غ بہن جاتا ہے اور محبت سے با غ بھی انگیڈھی بن جاتا ہے۔ محبت سے آگ نور بن جاتی ہے اور محبت میں چڑیل بھی حور بن جاتی ہے۔ محبت کی وجہ سے غمی خوشی میں بدلت جاتی ہے اور محبت میں شیطان بھی راہ دکھانے والا بن جاتا ہے۔ محبت میں یہاری بھی صحت بن جاتی ہے اور محبت سے ظلم اور قہر بھی رحمت بن جاتا ہے۔ محبت سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے اور محبت کی وجہ سے بادشاہ غلام بن جاتا ہے۔)

اور اگر محبت کو بے نظر عبادت دیکھا جائے تو پیشوایان طریقت نے محبت الہی کو

میں عبادت بھی فرمایا ہے۔ کیونکہ عبادت یادِ الہی کو کہتے ہیں۔ اور یادِ محبوبِ محبت کی زندگی ہے ”من احباب شیاً فقد اکثر ذکرہ“ (انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکرِ کثرت سے کرتا ہے۔) پس اگر محبت ہے تو یادِ کبریا اور ذکرِ خدا لازمی ہے ورنہ اسی کا عکس ہوگا اور بظاہر بھی کوئی عبادت ایسی نہیں معلوم ہوتی ہے کہ جس میں محبت کو دخل نہ ہو کسی عبادت میں تکلیف برداشت کرنا ہوتی ہے۔ اگر محبت نہیں تو خوشی سے تکلیف گوارا کرنا محال ہے۔ کسی عبادت میں روپے کا صرف، سفر کی زحمت، اہل و عیال کی مفارقت ہوتی ہے۔ اگر محبت نہیں تو اس کا تحمل و شوار ہے کسی عبادت میں خصوص و خشوع کی شرط ہے۔ مگر بغیرِ محبت خصوص و خشوع تو ناممکنات سے ہے۔ ہاں محبت ہے تو کوئی ریاضت شاقہ اور کیسا ہی دشوارِ مجاہدہ کیوں نہ ہو مگر اس کی تعییل بآسانی ہو جاتی ہے۔ بقول

گر پڑے ہے آگ میں پروانہ سا کرم ضعیف

آدمی سے کیا نہ ہو لیکن محبت ہو تو ہو

آخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ لا ریب محبت ہر عبادت کی اصل اور میں عبادت ہے چنانچہ حضرت شیخ ابو الحسن شاذی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ جب کہ تم خدا کے بندے ہو اور تمہارے پاس نہ علم ہے نہ عمل تو تمہیں کچھ پروادا نہیں۔ علم سے وحدانیت کا علم اور عمل سے خدا کی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کافی ہے (طبقات الکبری)

بلکہ محبت ایسی عبادت ہے اور اس عبادت میں وہ خصوصیت ہے جو دوسری عبادت میں نہیں۔ یعنی اور عبادتیں تو ہمیشہ بندہ کرتا ہے اور اللہ جل جلالہ اس کا اجر دیتا

ہے لیکن یہ عبادت ایسی ہے کہ ہم خدا سے محبت کرتے ہیں تو خدا بھی ہم سے محبت کرتا ہے یعنی ہم ویحبو نہ علاوہ اس کے غور کیا جائے تو خدا کی محبت مقدم معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ محبت بندہ کی تعریف یہ ہے کہ ذات حضرت احمدیت کے ساتھ قلب کو اشغال ہو۔ اور ذات اقدس قلب اور اشتغال قلب سے منزہ ہے۔ لہذا اس کی محبت کی تعریف یہ ہے کہ بندہ کو جذب الہی اپنی جانب میں کھینچے اور غیر کی جانب متوجہ ہونے سے باز رکھے پس درحقیقت بندہ کی محبت فرع ہے محبت خدا کی۔ کیونکہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی جانب رجوع کرتا ہے تب بندہ کو خدا سے محبت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے سرکار عالم پناہ نے یہ فرمایا ہے کہ ”عشق وہی ہے۔“ یعنی خدا کی جانب سے ہے۔

علی ہذا ایمان جس کا تعلق قلب سے ہے۔ اور روحاںی مدارج میں یہ بہت بڑا مرتبہ ہے مگر یہی محبت اس کو بھی اعلیٰ اور مکمل کرتی ہے۔ اور نقص محبت سے ایمان بھی ناقص رہتا ہے۔ جس کو حضرات اہل طریقت نے ہماری ہدایت کے واسطے بکمال صراحت ووضاحت ہیان فرمایا ہے۔ تصوف کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں اس کا ذکر نہ ہو۔ لہذا بخوف طوال اقوال صوفیہ کرام کا اعادہ نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ اس بارے میں یہی ایک مستند حدیث کافی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان کے لئے محبت کا بھی ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے کہ ”الا لا ایمان لمن لامحة“۔ یعنی جو میری محبت نہیں رکھتا اس کا ایمان نہیں۔“

اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ ایمان کے واسطے محبت کا ہونا لازمی ہے

لیکن محبت ایمان کو ایمان کامل بناتی ہے۔ اس کی بھی تصریح ہو جائے تاکہ پھر کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اس لئے ایک اور صحیح حدیث نقشہ کرتا ہوں جس میں ذکر ایسے مقتدر اور ممتاز شخص کا ہے جس کے ایمان کی خدا نے شہادت دی۔ مگر اس محبت نے اس صاحب ایقان کے ایمان کو ایمان کامل بنادیا۔ اور اس حدیث میں غم خوارامت نے جس محبت کی ہدایت فرمائی اس محبت کے اصطلاحی معنی بھی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایومن احد کم حتی اکون احب الیه من نفسه و ماله و ولده والده و الناس اجمعین“۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ وہ کامل ایمان میں نہیں ہے جو اپنی جان و مال و اولاد اور والدین اور تمام عالم سے زیادہ مجھ کو محبوب نہیں رکھتا۔

جب حضرت رسول کریم علیہ الہیتہ وَاٰلسَّلِیْم نے ایمان کامل کے واسطے بایں شرائط محبت کو لازمی فرمایا تو دلدادہ جمال رسالت یعنی حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ سچائی بھی یادگار رہے گی کہ فوراً اس طالب صادق نے عرض کیا کہ ”انت احب الی یا رسول اللہ من کل شئیی الا نفی الشی بین جنی۔ یعنی یا رسول اللہ آپ کو بجز اپنی جان کے میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں“ فقال له علیہم الصلوة والسلام لا تكون مومنا حتى الكون احب الیک من نفسک ”، یعنی جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر تمہارا ایمان کامل نہ ہو گا جب تک اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو محبوب نہ رکھو گے۔
بمحیثت شان رسالت ہدایت تو کردی مگر شفقت محمدی کو اپنے جاں نثار کایا

نقض بھی گوارانہ ہوا۔ فیضان باطنی سے قلب عمر خطاب کا ایسا تصفیہ فرمایا اور وہ استعداد مرحمت ہوئی کہ آن واحد میں صاحب ایمان کامل بنادیا ”فقال عمر و الذی انزل علیک الكتاب لانت احبابی من نفسی التی بین جنبی“ یعنی حضرت عمر خطاب نے قسم کھا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اب اپنی جان سے زیادہ آپ کو محبوب رکھتا ہوں ”فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الان یا عمرتم ایمانک“ پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے عمر اب تھار ایمان کامل ہو گیا۔

حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین محبوب العالمین سیدنا مولانا ابو القاسم احمد مجتبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بغیر کسی تعبیر و تاویل کے صاف ظاہر ہو گیا کہ محبت صادق ایمان کو ایمان کامل بناتی ہے۔ اور ایمان بھی معمولی شخص کا ایمان نہیں بلکہ ایسے صاحب عظمت و شان کے ایمان کو ایمان کامل بنایا جس کے ایمان کے واسطے رسول اللہ نے تمدن کے ساتھ دعا کی تھی جس کے ثبات ایمان سے خداراضی ہوا۔ جس کی رائے کے مطابق وہی نازل ہوئی۔ انتہایہ کہ جو رسول اللہ کا جانشین ہوا اور امیر المؤمنین کا خطاب پایا۔ اس پیشوائے امت محمدی کے اوچ ایمان کو محبت نے دو بالا کر دیا۔

اس حدیث سے مراتب ایمان اور مدارج محبت بھی مفصل طور پر معلوم ہو گئے۔ اور اس کی بھی تعلیم ہو گئی کہ مرشد کامل کے سامنے اپنے عیب و نقض کا اظہار اس قدر مفید ہے کہ پیشوائے برحق کے فیضان باطنی سے قلب طالب بجائے نقصان کے نور ایمان سے معمور ہو جاتا ہے۔

اس حدیث نے اس کی بھی ہدایت کر دی کہ طالب صادق کو تعلقات عالم سے فراغ و انقطاع لازمی ہے۔

یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شاہد حقیقی کو جان سے زیادہ عزیز رکھنا ضروری ہے یعنی طالب صادق کو چاہئے کہ راہ مطلوب میں اپنی ہستی کو منادے۔
یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح ایمان کو تصدیق قلب سے تعلق ہے اسی طرح محبت بھی واردات قلبی اور روحانی کیفیت ہے۔

غرض اس حدیث کا مضمون رہوان کوئے محبت اور سرگردان بادیہ الفت کے واسطے پورا دستور العمل ہے۔ اور اسی دستور العمل کا خلاصہ ہمارے وارث عالم پناہ نے ہم کو یہ تعلیم فرمایا کہ ”محبت کرو“ جو بظاہر چھوٹا سی لفظ ہے۔ مگر دل حقیقت بڑے بڑے مطالب اور فوائد سے مملو ہے۔ اور جس طرح عام طور پر اس کی ہدایت فرمائی اسی طرح ہر شخص کی حالات و استعداد کے لحاظ سے یہ مفید عام بھی ہے۔

اب اس کی صراحت کہ محبت بندہ کو خدا سے ملتی ہے شاید ضرورت نہیں ہے کیونکہ تصوف کی جملہ کتابوں میں بدوضاحت اس کا ذکر ہے۔ چنانچہ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ مصرع..... جامی رہ ہدمی بخدا غیر عشق نیست
(اے جامی! ہدایت کا راستہ جو اللہ کی طرف جاتا ہے وہ بخدا عشق کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔)

کتب احادیث میں اس کی بشارتیں موجود ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک شخص نے پوچھایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے واسطے کیا سامان مہیا کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ کچھ نہیں۔

مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں تب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ، آدمی اسی کے ساتھ رہے گا جس سے اس کو محبت ہو گی۔ ”چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے یہ حدیث منقول ہے کہ ”المرء مع من احباب“ جو جس سے محبت رکھتا ہے وہ اسی کے ساتھ ہو گا۔ اس فرمانِ مصطفویؐ نے مطمئن کر دیا۔ اور ہر ہی امید ہو گئی کہ جس سے ہم محبت کریں گے اسی کے ساتھ ہوں گے لیکن کسی کو یہ شبہ ہو کہ بد اعمال اگر صاحب اعمال حسن سے محبت کرے گا تو گہنہ کار شخص اس برگزیدہ خدا کی معیت میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو اس غم خوار امت نے ہم کو اس کی بھی خوشخبری دی ہے چنانچہ سنن ابی داؤد میں منقول ہے ”عن ابی ذرانہ قال يا رسول الله الرجل يحب القوم ولا يستطيع ان يعمل كعملهم قال انت يا اباذر مع من احبيت قال فاني احب الله و رسوله قال ذالك مع من احبيت قال فاعا دها ابو ذر قاعدها رسول الله صلی الله علیہ وسلم“ ابوذر نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص ایک قوم سے محبت رکھتا ہے مگر ان کے مثل عمل نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔ ابوذر نے عرض کیا کہ میں تو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے وہی فرمایا فانک مع من احبيت پھر ابوذر نے وہی کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔

اس حدیث سے وہ خدشہ بھی جاتا رہا۔ اور معلوم ہو گیا کہ محبت سے اونی شخص کو صاحب مراتب علیا کی معیت نصیب ہو سکتی ہے۔ اور اس قوی نسبت کی بدولت فرقہ و امتیاز نہیں رہتا۔

اہذا اگر محبت صادق ہے تو وہ مدارج علیاں سکتے ہیں جن کے سمجھنے میں ہمارا فہم و ادراک قاصر ہے۔ اور بالآخر محبوب اور محبت میں وہ عینیت ہے کہ وہ موتی کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ مولا تعالیٰ المرحمۃ نے مثنوی میں اسی مضمون کو لکھا ہے کہ رُگ مججون سے خون لینے کے لئے فصاد نے نشرت کالا، تو مججون نے شور مچایا۔ فصاد نے کہا کہ اے مججون تجھ کو شیروں سے نہیں خوف آیا، نشرت سے کیوں ڈرتا ہے۔

گفت مججون من نمی ترسم زمیش صبر من از سنگ خارا ہست بیش
 لیک از لیلے وجود من پر است ایں صدف پر از صفات آن ڈراست
 ترسم اے فصاد اگر فصدم کنی نیش را ناگاہ بر لیلے زنی
 داند آس عقلے کہ او دل روشنیت درمیان لیلے و من فرق نیست
 (مججون نے کہا کہ میں نشرت سے نہیں ڈرتا۔ میرا صبر خخت پتھر سے بھی ہڑا ہے۔ لیکن یہی سے میرا وجود بھرا ہوا ہے۔ یہیپ اس موتی کی صفات سے بھرا ہے۔ اے فصل گانے والے اگر تم نے میرا فصل کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ تو اچا کنک نشرت کو یہی پر مارے گا۔ عاقل روشن دل جانتے ہیں کہ یہی اور میرے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔)

غرض نہایت فخر و مبارکات کا مقام ہے کہ ہم گنہگاروں کو حضور نے وہ ہدایت فرمائی جو ہم کو ادنی سے اعلیٰ بناسکتی ہے۔ اور اس ہدایت میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ہماری حیثیت کے لحاظ سے یہ حکم فرمایا کہ ”محبت کرو“، نہیں ارشاد ہوا کہ عشق کرو۔ حالانکہ عشق کا مرتبہ ہڑا ہے کہ افراط محبت کو عشق کہتے ہیں۔ مگر آپ نے محبت ہی کی ہدایت فرمائی۔

اس ارشاد کو اگر اصولی نظر سے دیکھیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شاید عشق کا

ذکر اس لئے نہیں کیا کہ فرقان حمید میں اللہ عز اسمہ نے لفظ محبت ہی کا استعمال فرمایا ہے اور محبت ہی کی ترغیب دی ہے اور محبت ہی کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ لہذا آداب حضرت احادیث اور اتباع سنت الوہیت کا بھی تقاضا تھا کہ اپنے غلاموں کو محبت ہی کی ہدایت فرمائی۔

یا اس وجہ سے عشق کا ذکر نہیں فرمایا کہ عشق افراط محبت کا نام ہے اور مدارج علیا میں خاص اور بہت بڑا مرتبہ ہے جو خصوصیت کے ساتھ عشق کو تفویض ہوتا ہے۔ ما و شما کا کام نہیں کہ عشق کا دعویٰ کریں۔ اس لئے جناب والا نے اپنے غلاموں کو آداب عشق و عشق سے آگاہ کیا اور سمجھا دیا کہ تمہارے مناسب حال یہی ہے کہ محبت ہو اور محبت کرو۔

یا اس خیال سے عشق کا تذکرہ اس ہدایت میں نہیں فرمایا کہ عشق وہی ہے جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا۔ پس یہ شان رہبری ہے کہ اپنے غلاموں کو ایسی کوشش سے بچایا کہ عموماً جس کی الہیت یا استعداد نہیں ہے۔ ارشاد ہوا کہ ”محبت کرو۔“

الغرض ہمارے سرکار عالم پناہ نے اپنے غلاموں کو محبت کی عام ہدایت فرمائی ہے اور متواتر ارشاد ہوا ہے کہ ”محبت کرو۔“ اور اس چھوٹے سے جملہ میں وہ مفاد ہیں کہ جن کی خوبیوں کو سمجھنا ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہے۔ چنانچہ حضرات صوفیہ کرام کے اقوال سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کے شرف و اختصاص کا باعث صرف خدا اور اس کے رسول کی محبت ہے۔ اور حصول محبت خدا اور رسول مرشد کامل کی محبت پر موقوف ہے۔ کیونکہ طالب صادق کی عالم شہود سے ترقی اسی پر مخصر ہے کہ مرشد ناطق کی محبت و اثر ہو تو اسی صورت میں انوار محمدیہ کا ظہور ہو گا۔ اور پھر عینیت کا جب یقین ہو گا تو اسی

صورت میں حضرت واجب الوجود کا جلوہ آئے گا۔ اور وہی ایک صورت تمام صورتوں کا آئینہ ہوگی اور وہی ایک ذات وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا تماشا دھاتی ہے۔ اور یہی تصدیق عینیت طالب کو موحد بناتی ہے۔ اس لئے ہادیان طریقت نے محبت پیر کو عین محبت خدا فرمایا ہے۔

چنانچہ حضور نے متواتر ارشاد کیا ہے کہ ”پیر کی صورت میں خدامتا ہے۔“
یعنی جناب والا نے ہم کو بتایا کہ پیر کامل کی صورت انوار حضرت احادیث کا آئینہ ہے اور مشاہدہ تجلیات الہی کا ذریعہ ہے۔

اور حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے بھی اس عینیت پیر کا اظہار اس تذکرہ میں کیا ہے کہ جب بازیزید بسطامی قدس سرہ العزیز نے حج بیت اللہ کے لئے سفر کیا، اور راہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اور اس خدار سیدہ نے بعد دریافت حال فرمایا۔ ”گفت طوف کن گبر دمہفت بر۔“ (اس نے کہا طواف کر، میرے اروگرد، سات بار) اور آداب پیر طریقت بیان فرمائ کر حقیقت پیر ارشاد کی نسبت یہ کہا۔

چوں مرا دیدی خدا را دیدہ
گرد کعبہ صدق بر گردیدہ
خدمت من طاعت و حمد خداست
تائنا پنداری کہ حق از من جداست

(جب تو مجھے دیکھے گا تو گویا اللہ کو دیکھے گا۔ گویا کعبہ کے ارد گرد تو نے سچائی کے ساتھ چکر لگایا۔ میری خدمت خدا کی اطاعت اور حمد و شنا ہے۔ تاکہ تو یہ گمان نہ کرے کہ میں جدا ہوں اور خدا جدا ہے۔)

چنانچہ جناب مولانا بحر العلوم نے اشعار مذکور کی شرح میں لکھا ہے کہ ”خلقت انسان کامل جمیعت مراتب ذات و اسماء و اکوان وارد۔ پس ایں صورت انسانیہ خانہ حق است و ایں ظاہر است۔ وایں جا شارحان حدیث قدسی نقشی کند کہ ”الانسان سری و اناسره“، انسان سرمن است یعنی من ظاہر و باطن و من انسان ام کہ انسان ظاہر است و من باطن او۔ عارف را ایں ہر دو مشاہدہ میسر است۔ گاہ حق را باطن یا بد و خود را ظاہر۔ و گاہ خود را باطن می یا بد و حق را ظاہر۔ (کامل انسان کی پیدائش اللہ کی ذات اور اسماء اور سب جہانوں کی جمیعت رکھتی ہے۔ پس یہ انسانی صورت میں حق کا راز ہے اور یہ واضح ہے۔ اور اس حدیث قدسی کی شرح کرنے والے نے لکھا ہے کہ انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں۔ میں ظاہر ہوں اور میں ہی باطن ہوں اور میں انسان ہوں۔ انسان ظاہر ہوں اور میں ہی اس کا باطن ہوں۔ اور عارف کو یہ دونوں مشاہدات میسر ہوتے ہیں۔ کبھی وہ حق کو باطن پاتا ہے اور اپنے آپ کو ظاہر پاتا ہے۔ اور کبھی اپنے آپ کو باطن پاتا ہے اور حق کو ظاہر پاتا ہے۔)

اور یہ تو قریب قریب روزمرہ کا معمول تھا کہ جب آپ رموز تصوف اور

لطائف معنوی بیان فرماتے تھے۔ اور اس مسئلہ کا ذکر آ جاتا تھا تو مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ

شعر تبعیم کے ساتھ ضرور پڑھتے تھے۔

من نجوم زین سکس راہ اشیر

پیر جویم، پیر جویم، پیر پیر

(میں مزید کسی بلندی کا راستہ تلاش نہیں کرتا ہوں۔ میں فقط پیر کو ہی تلاش کرتا

ہوں۔ میں پیر کو ہی تلاش کرتا ہوں۔ میں پیر کو ہی تلاش کرتا ہوں۔)

اور اس کے بعد خاص نظر عنایت سے مریدین کی جانب مخاطب ہو کر آپ فرماتے تھے کہ ”آخر مولانا نے صاف کہہ دیا“۔ کیونکہ مولانا علیہ الرحمۃ نے اس شعر کے اول و آخر کے اشعار میں فیضان پیر کامل بیان فرمائے صاف لفظوں میں بظاہر کر دیا کہ طالبِ حصول مقصوداً صلی کے لئے تو سل پیر لازمی ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے۔

غیر پیر استاد و سر لشکر مبار
پیر گروں نے دلے پیر رشد
شرط تسلیم است نے کار دراز
سودند ہدود حلالت ترک تاز
من نجوم زیں سس راه اشیر
پیر جو یم پیر جو یم پیر پیر
پیر باشد نزد باں آسمان
تیر پر آس از کہ گردو از کماں
(پیر استاد کے علاوہ لشکر کار از حاصل نہیں ہوتا۔ پیر ہی رہنمائی کرنے والا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو پیر کے حوالے کر دے۔ گمراہی میں تک دو دکرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ پیر آسمان کی سیر گھی ہے۔ تیر کمان سے ہی پر یعنی مکمل ہوتا ہے۔)

اور اکثر یہ ہوا ہے کہ شعر نگور پڑھنے کے بعد یہ ارشاد ہوتا تھا کہ ”مولوی حسین علی نے اور صاف کر دیا“ (مولوی حسین علی قدیم حلقة گوش تھے) اور یہ اشعار

پڑھتے تھے

من ہمیں گویم کہ پیر من خداست	پیش منکر ایں سخن لفتن رواست
یک سوالے می کنم اے مرد ماں	پس جواب اور ادھیداے مومناں
ہیزم اندر نار چوں شد سوختہ	رشتہ اندر جامہ چوں شد دوختہ
پس درا ہیزم گویندیا کہ نار	رشتہ را جامہ بگویند یا کہ نار

چونکہ پیر من فنا فی اللہ شد رفت بشریت ہمہ اللہ شد
 (میں یہی کہتا ہوں کہ میرا پیر خدا ہے۔ مخالف کے سامنے یہ بات کہنا جائز ہے؟ اے
 لوگوں میں یہ سوال کرتا ہوں۔ پس اے مومنوں کو یہ جواب دو۔ میں آگ کے اندر لکڑی
 تھا پس وہ جل گئی۔ میں کپڑے کے اندر دھاگہ تھا جب وہ سیا گیا۔ پس اس کو لکڑی
 کہیں یا آگ، دھاگے کو دھاگہ کہیں یا کپڑا۔ چونکہ میرا پیر فنا فی اللہ ہو گیا۔ اس کی
 بشریت چل گئی اور وہ تمام خدا ہو گیا۔)

بلکہ ایک مرتبہ آپ کے فقیر اونگٹ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرات
 مشائخ میں نے فنا کے تین درجے بیان کئے ہیں لہذا فنا فی الشیخ ہونا تو ممکن معلوم ہوتا ہے
 کہ پیر کو دیکھتا ہے لیکن فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کا طریقہ سمجھ میں نہیں آتا۔ ارشاد ہوا
 کہ ”پیر ہی کی ذات میں فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کا مرتبہ بھی مل جاتا ہے۔“ اور اس
 کے بعد حضرت مولانا کا یہ شعر پڑھا۔

چونکہ ذات پیر را کردار قبول
 ہم خداور ذرا ش آمد ہم رسول
 (جب تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا تو پیر کی ذات میں اللہ بھی آگیا اور رسول بھی آ
 گیا۔)

اسی مسئلہ کو محققہ میں حضرات صوفیہ کرام نے نہایت وضاحت سے بیان
 فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ العارفین علی فرزند سید محمد و فاعلیہ المرحمتہ نے بکمال شرح و بسط اس
 میں تقریر کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”مرشد ناطق کی صورت مرید صادق کے سر کا
 آئینہ ہے جب بصیرت کی نظر سے دیکھئے گا۔ اور مرشد کے خط و خال سے اس کا باطن

آرستہ ہو گا تو اپنے مرشد کو آدم زماں اور موجودات کا مالک عنان مشاہدہ کرے گا۔ اور جب صورت آدمیہ کا حاجب انہجے جائے گا تو مخصوص روح محمدیہ کا جمال جلوہ گر ہو گا۔ اس وقت انوار روحانیہ اس کے سدرہ پر چھا جائیں گے اور مرشد کو اس حقیقت میں دیکھے گا جو ہر جلوہ گاہ میں جلوہ گر ہے تب وجود کے سامنے عدم اور حضرت شہود میں محو ہو جائے گا۔ پس مرید کا اول توفیق ہے اور اوسط تصدیق اور آخر تحقیق اور یہی انتہا ہے۔“
 (طبقۃ الکبری)

اور انہیں کا قول ہے کہ ”اگر تم کو پیر محقق مل گیا تو تم کو اپنی حقیقت مل گئی اور جب تم کو اپنی حقیقت مل گئی تو تم کو اللہ تبارک و تعالیٰ مل گیا۔ اس لئے کل مراد صرف پیر کے ملنے میں ہے۔“ چنانچہ حضرت بہلول دا نافرمانے ہیں۔

ہم نبی و ہم علی و ہم ولی

دو میں تا تو نہ باشی احوالی

(نبی، علی اور ولی کو ایک ہی ذات میں دیکھ۔ ان کو الگ الگ نہ جان۔ اگر ان کو الگ الگ جانا تو گویا تو بھینگا ہے کہ ایک کو دو سمجھتا ہے۔)

اور شیخ امام احمد ابوالعباس مری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ”میرے پیر و مرشد حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اے ابوالعباس میں نے تم کو اپنی صحبت میں اس لئے رکھا ہے کہ تم میں ہو جاؤ، اور میں تم ہو جاؤ۔“ (طبقۃ الکبری)
 اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ ”تو اے مرید شاخ ہے اور تیرے پیر کا نور آناتا ہے جو تجھ کو زندہ رکھتا ہے اور ماہتاب ہے جو تیری پر پورش کرتا ہے۔“ (طبقۃ الکبری)

اور حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے حقیقت پیر کی تصریح میں یہ فرمایا ہے کہ طالب راہ طریقت کو لازم ہے کہ پیر کامل کو ذاتِ الہی سے متعدد جانے۔ اور تصدیق عینیت اسی قوی ہو کہ ایک دیکھنے اور ایک سمجھنے اور ایک کہنے۔ اور خدمت پیر برحق کو خدمت رب مطلق تصور کرے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

خدمت او خدمت حق کرد نست
روز دیدن دیدن ایں روز نست
دو میں و دو مدان و دو مخواں
خواجہ را در خواجه خود محو داں
چوں جدا بینی ز حق ایں خواجہ را
گم کئی ہم متن و ہم دیباچہ را
چشم دل راہیں گذارہ کن ز طین
آں کیے قبلہ ست دو قبلہ میں
چوں دو دیدن ماندی از هر دو طرف
آتش در خف فقاد و سوخت خف

(پیر کی خدمت حق کی خدمت کرتا ہے۔ اسے دیکھنا حق کا ہی دیکھنا ہے۔ دونہ دیکھنے اور دونہ جان۔ خواجہ کو خواجہ میں محو و فنا سمجھ۔ جب تو حق سے خواجہ کو جدا سمجھے گا تو تو متن اور دیباچہ کو گم کر دے گا۔ دل کی آنکھ سے دیکھ مٹی کے اس گھر و ندے کو۔ یہ ایک ہی قبلہ ہے ان کو دو قبلہ مت سمجھ۔ جب تو دو دیکھنے گا تو ہر طرف دو ہی نظر آئیں گے۔ اگر تو نے موزے میں آگ ڈالی تو موزہ جل جائے گا۔)

بعض ہادیان راہ طریقت نے اس مسئلہ کو احادیث صحیح سے ثابت کیا ہے اور ملک طور پر بیان فرمایا ہے کہ طالب صادق کی ترقیات کا ذریعہ مرشد کامل کی ذات ہے چنانچہ سید محمد و فاعلیہ الرحمۃ نے اس حدیث قدسی "انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرني" (میں اپنے بندے کے لگان کے قریب ہوں۔ جو وہ میرے متعلق گمان کرتا ہے۔ جب وہ میری یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔) کی شرح میں فرمایا ہے کہ "صورتوں میں جس صورت سے مجھے تصویر کرے گا میں اسی صورت کے ساتھ اس کا مدد کرنے والا اسی صورت کے افق سے اسی صورت کے حکم کے ساتھ ہوں"۔ (طبقۃ الکبری)

علی ہذا حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الایمان کے باب حلاوة ایمان میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ "عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ و آله وسلم قال ثلث من کن فيه وجد حلاوة الایمان" یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقول ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حلاوات ایمان کے واسطے تین خصلتیں ہیں جن میں پہلی خصلت یہ ارشاد ہوئی کہ "ان یکون اللہ ورسوله احب الیہ مما سراہما" کہ خدا اور اس کے رسول کو مساوا خدا اور رسول سے زیادہ محبوب رکھے اور دوسری خصلت یہ بیان فرمائی کہ "و ان یحب المرالا یحبه الا اللہ" یعنی مغض خدا اور رضاۓ خدا کے واسطے کسی کو دوست رکھے۔

اس دوسری خصلت میں محبت مرشد کامل کی صاف ہدایت ہے کیونکہ دنیا میں مرشد ہی کی اطاعت اور محبت ایسی ہے جو طلب حق اور رضاۓ حق کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام شارح صحیح بخاری نے بھی اس خصلت ثانی کی شرح میں یہ لکھا

ہے ”متعم بالذات و مفیض علی الاطلاق جز خدائیست و ہرچہ ماسوائے اوست آں و سائط فیض اوست و رحد ذات خود اصرار و ابقاء ندارند۔ و سائط چنبراست کہ شفیق و ہادی بھراط مستقیم و منجی از عذاب الیم و سائی برائے وے بصلاح دارین است۔ و سائط دیگر بمشابه جداول من شعبہ ازیں نہ راند کہ ازاں جا اکتاب فیض نمودہ بدیگر اس می رسانند۔“
 (حقیقی طور پر انعام دینے والی ذات اللہ کی ہے اور ہر لحاظ سے فیض دینے والی ذات اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ اور جو کچھ اس کے سواب ہے یا اسی کا عطا کردہ فیض ہے۔ اپنی ذات کے لحاظ سے خود انسان نہ کچھ حکم دینے والا ہے نہ پیدا کرنے والا۔ اور واسطہ چنبرہ ہے۔ جو سیدھے راستے کی رہنمائی کرنے والا، شفقت کرنے والا اور عذاب الیم سے نجات دلانے والا ہے۔ اور اس انسان کیلئے کوشش کرنے والا۔ دونوں جہانوں کی اصلاح کرنے والا ہے۔ دیگر واسطے اس نہر کا ایک شعبہ ہیں کہ وہاں سے فیض حاصل کر کے دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔)

اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں، اور حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس کی اور وضاحت فرمادی۔ اور صاف لفظوں میں لکھ دیا کہ پیر اپنے مریدوں میں مثل نبی کے ہوتا ہے کہ دعوت خلق کرتا ہے۔ چنانچہ جہاں حقیقت پیر کا تذکرہ کیا ہے اس کے استدلال میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے ”الشیخ فی قومہ کا لبّی فی امته“ (اپنی قوم میں شیخ اسی طرح ہوتا ہے جیسے امت میں نبی۔) جس کی شرح مولانا علیہ الرحمۃ نے یہ کی ہے۔

گفت چنبر کہ شیخ وقت خویش چوں نبی باشد میان قوم خویش
 قول آن من امته را یاد گیر تاب الا و خلا فیها نزیر

(پنجمیر نے فرمایا کہ شیخ اپنے وقت میں اپنی قوم میں نبی کی طرح ہوتا ہے۔ نبی کا یہ قول "میں اس امت کا نبی ہوں" یاد رہے۔ ہر امت میں ڈرانے والا ہوتا ہے۔ اللہ نے کسی قوم کو نبی سے خالی نہیں رکھا۔)

غرض مستنداقوال سے معلوم ہو گیا کہ طالب خدا کو حضرت احمدیت جمل جلالہ کا تحرف پیشوائے کامل کی ذات سے نصیب ہوتا ہے۔ اور محبت مرشد سرمایہ اعزاز آخرت ہے۔ چنانچہ ہمارے حضور نے بار بار یہ فرمایا کہ ”جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہو گا۔“ جناب والا کا یہ ارشاد پورا ترجمہ ہے حدیث صحیح ”المر مع من احب“ کا جو حضرت ابن مسعود سے مردی ہے۔ اور یہ بھی حضور نے اپنے غلاموں سے مخاطب ہو کر متواتر فرمایا ہے کہ ”جو صورت یہاں تمہارے ساتھ رہے گی وہی قبر میں وہی حشر میں ساتھ ہو گی۔“ چنانچہ کاشف اسرار حقیقت حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بیر رہ کبریت احر آمدست
سینے او بحر اخظر آمدست
(راستے کی رہنمائی کرنے والا بیر سرخ گندھک کی مانند ہے۔ اس کا سینہ بزرگی کی طرح ہے۔)

اور حضرت ملک محمد مثنوی پدمادت میں فرماتے ہیں۔
جب کو جبہ پرست سینہوں
سو تاہ ملے نہ کچھ سند یبو
غرض تعریف الہی کے لئے محبت پیر ارشاد لازمی ہے۔ الہذا ہم غلامان وارثی

کا فرض ہے کہ اپنے پیشوائے برحق کے شوق و خیال میں مصروف رہیں۔ اور سوز مجبت سے دلوں کو معمور کریں۔ اور اگر عنایت ایزدی سے یہ توفیق بھی نصیب ہو کہ اس مظہر انوار الہی کے جمال جہاں آرائی کو جان سے زیادہ عزیز رکھیں تو یہ میں سعادت اور خوش قسمتی ہے۔ جیسا کہ بزرگان طریقت کا فرمودہ ہے کہ ”جس نے اپنے مرشد کو جان سے زیادہ محبوب رکھا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے لئے خطیرہ قدس کو کھول دیا۔ اور جو اپنے مرشد کی بارگاہ کو ناقص سے منزہ سمجھا اس کو اللہ جل و علا نے خاص عطا فرمائے۔“ (طبقۃ الکبریٰ)

لہذا بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے بہت چھوٹی سی ہدایت فرمائی کہ ”مجبت کرو۔“ مگر تھوڑا انغور کرنے سے ظاہر ہو گیا کہ اس ارشاد کے پردہ میں وہ انعامات تفویض فرمائے ہیں کہ جن کے لائق ہرگز ہم نہ تھے۔

اگر یہ خیال ہو کہ مجبت وہی ہے نہ اکتسابی۔ تو پھر حضور نے یہ کیوں فرمایا کہ ”مجبت کرو“ جس میں ہمارے اختیار و اکتساب کو دخل ہے لیکن تھوڑا انغور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد موافق اصول طریقت ہے۔ کیونکہ جس طرح جملہ حضرات عارفین کے اقوال سے ثابت ہے کہ مجبت وہی ہے اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ سب نے اس کی تاکید فرمائی کہ مجبت کرو۔ اگر حصول مجبت کے لئے سعی بے سود مغض ہوتی تو بزرگان طریقت کبھی اس کو شک کی ہدایت نہ فرماتے۔

چنانچہ سنت جاریہ اسی طور سے ہے کہ با وجود وہی ہونے کے حضرات صوفیہ نے فیضان مجبت سے مستفیض ہونے کے لئے طالبان الہی کو ہمیشہ تاکید فرمائی ہے۔ اور اس بیان کی صحیح کے واسطے بے نظر انقصار بھی ایک مثال کافی ہے کہ حضرت احادیث

جل جلال نے محبت کو وہی فرمایا ہے کہ ”یحبهم و یحبونہ“ (جن سے وہ (اللہ خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ سورۃ المائدہ (۵۲):۱۸۷ اس سے صاف ظاہر ہے کہ محبت خدا کی جانب ہے یعنی وہی ہے پھر اپنے بندوں کو محبت میں سعی کرنے کا حکم بھی دیا کہ ”فاسعوا الی ذکر اللہ“ (پس فوراً اللہ کے ذکر کی جانب تیزی سے چل پڑو۔ سورۃ الجم۹:۹) یعنی اللہ کے ذکر کی کوشش کرو۔ اور ذکر نتیجہ محبت کا ہے ”من احباب شیا اکثر ذکرہ۔“

اور احادیث صحیح سے تو صاف اور بغیر تاویل کے ثابت ہے کہ حبیب رب العالمین ﷺ نے بتا کید فرمایا ہے کہ مجھ سے محبت کرو۔ جیسا اور نقل ہو چکا ہے کہ حضرت عمر خطابؓ سے ارشاد ہوا کہ اپنی جان سے زیادہ مجھ کو دوست نہ رکھو گے تو ایمان کامل نہ ہوگا۔ پس محبت کے لئے اگر سعی بے سود ہوتی تو نہ اللہ تبارک و تعالیٰ ”فاسعوا الی ذکر اللہ“ فرماتا۔ اور نہ حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والسلام اپنے جان شمار عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے کہ اپنی جان، مال، اولاد، والدین، بلکہ تمامی خلاقت سے زیادہ مجھ کو دوست رکھو۔ جس میں صریح اکتساب کو دخل ہے۔ لہذا قدیم دستور ہے کہ محبت کو وہی بھی کہا ہے۔ اور اس کے حصول کی تاکید بھی فرمائی ہے چنانچہ اسی عمل درآمد کے مطابق ہمارے حضور نے بھی اکثر فرمایا کہ ”عشق وہی ہے“ اور اس کی بھی عام تاکید ہوئی ”محبت کرو۔“

بعض حضرات صوفیہ نے اس کی تصریح یہ فرمائی ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ذاتی و صفاتی محبت ذات محض وہی ہے جس کے لئے سعی اور کوشش بے سود ہے۔ اور محبت صفات میں اکتساب ذات محض وہی ہے جس کے لئے سعی اور کوشش بے سود

ہے۔ اور محبت صفات میں اکتساب کو بھی دخل ہے جو محبت ذات کا وسیلہ بھی ہو جاتی ہے کہ طالب صادق جب محبت صفات میں کوشش کرتا ہے اور قلب کو سوز و شوق حاصل ہوتا ہے تو اس وقت عنایت ایزدی پر منحصر ہے۔ اگر کوشش وہی ہوئی تو طالب محبت ذات سے بھی مستفیض ہوتا ہے چنانچہ محبوب الہی سلطان نظام الدین بدایوی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک خط میں مولانا فخر الدین مروزی کو اقسام محبت کے تذکرہ میں ارقام فرمایا کہ محبت ذات موبہت ہے۔ اور محبت صفات کسب کو بھی فی الجملہ دخل ہے۔ شاید اسی لحاظ سے ہمارے وارث عالم پناہ نے ہم کو یہ ہدایت فرمائی کہ "محبت کرو" جس سے محبت صفات مقصود ہو۔ کیونکہ محبت ذات بہت بڑا مرتبہ ہے اور عشق کا مترادف ہے جس کی نسبت اکثر آپ نے یہ فرمایا کہ "عشق وہی ہے جو کب سے نہیں حاصل ہوتا۔"

بلکہ صاحب سیر الاولیا نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الہی نے تو عشق کی نسبت بھی یہ فرمایا ہے کہ گوسلمہ ہے کہ عشق وہی ہے اور کسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر طالب کو لازم ہے کہ کوشش کرے اور دروازہ کھٹ کھٹائے۔ ممکن ہے کہ اسی خیال سے ہمارے حضور نے یہ فرمایا کہ "محبت کرو" اور مطلوب حقیقی کی طلب کو طلب صادق ہنا۔ اگر عنایت رب العزت ہوئی تو جتنو بے کار نہ جائے گی۔ بمصدق "من طلب وجہ" (جس نے تلاش کیا اس نے پالیا۔) چنانچہ حضرت مولانا بھی یہی فرماتے ہیں۔

سایی حق بر سر بندہ بود	عاقبت جویندہ یابندہ بود
گفت پیغمبر کہ چوں کو بی درے	عاقبت از در بروں آید سرے
چوں نشینی بردر کوے کے	عاقبت بینی تو ہم روئے کے

چوں زچاہے می کئی ہر روز خاک عاقبت اندر رسی در آب پاک
 (حق کا سایہ بندہ کے سر پر ہوتا ہے۔ آخر کار تلاش کرنے والا حاصل کرنے
 والا ہوتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جب تو کسی دروازے پر دستک دے گا تو آخر کار
 کوئی سر باہر آئے گا۔ جب تو کسی گلی کے دروازے پر بینٹھے گا تو آخر کار تو کسی کے
 روئے انور کو دیکھے ہی لے گا۔ جب تو کنوئیں سے ہر روز مٹی نکالے گا تو آخر کار تو پاک
 پانی تک پہنچ ہی جائے گا۔)

علاوه اس کے مادہ محبت اللہ جلالہ نے بنی آدم کو عالم ارواح میں مرحمت
 فرمایا ہے۔ بقول امام غزالیؓ

خاک دل آں روز کہ می بیجند
 شبِ نیم عشق برو ریختند
 (عالم ارواح میں روز ازل ہی دل کی سرز میں پر محبت کا نیج بودیا گیا تھا۔ اور عشق کی شبِ نیم
 اس پر ڈال دی گئی تھی۔)

اور یہی خیال حضرت حافظ شیراز کا ہے کہ روز ازل میں انسان کا تمیر زال محبت سے
 ہوا۔ ہوندا

منع از مے مکن اے صوفی صافی کہ حکیم
 درازل طینت مارا ز مئے صاف مرشت
 (اے صوفی صافی حکیم مجھے شراب پینے سے منع کر کے ازل میں ہی ہماری مٹی شراب
 طہور میں گوند دی گئی۔)

اور اپنے دوسرے شعر میں حافظ صاحب بہت صاف الفاظ میں مادہ محبت کو

ازلی فرماتے ہیں۔ وہو نہ ا

ازدم صح ازل تا آخر شام ابد

دوستی و مہر ہر یک عباد و یک بیشاق بود

(ازل کی صح سے لے کر ابد کی شام تک دوستی اور محبت ایک ہی عباد اور ایک ہی بیشاق رکھتے ہیں۔)

اور چونکہ یہ استعداد ازلی اور فطری ہے۔ اس وجہ سے یہ ایسی قوی ہوتی ہے کہ دیگر اخلاط و انحطاط پذیر بھی ہوتے ہیں لیکن استعداد محبت جس کا تعلق روح سے ہے زائل نہیں ہوتی۔۔۔ بقول جامی ۔۔۔

من کہ مہر عارضت میورزم از صح ازل

نکلم از زلف تو پیوند تا شام اجل

(میں کہ جو تیری محبت مجھے عطا ہوئی ہے اور میں ازل کی صح سے اسے اختیار کئے ہوئے ہوں، تیری زلف سے جزا ہوا یہ تعلق میں موت کی شام تک نہیں تو زوں گا۔)

بلکہ اللہ عز اسم نے بھی اس کا ذکر سورہ الحزاب میں فرمایا ہے کہ ”ان اعسر

ضنا الامانة على السموات والارض و الجبال فابین ان يحملنها و

اشفقن منها“ (بے شک ہم نے (اطاعت کی) امانت آسمانوں اور زمین اور

پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس (بوجھ) کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے

ڈر گئے۔ سورہ الحزاب: ۲۷) یعنی زمین اور آسمان اور پہاڑ ہمارے بار امانت کے

محمل نہ ہوئے۔ اور اس سے ڈر گئے“ وحملها الانسان۔ انه كان ظلوماً

جهولاً“ (اور انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ (اپنی جان پر) بڑی زیادتی

کرنے والا (ادعیگی امانت میں کوتاہی کے انجام سے) بڑا بے خبر و نادان ہے۔)

سورة الاحزاب: ٢٧) اور اخھالیا اس کو انسان نے یہ بڑا بے ترس اور نادان ہے۔

مفسرین حضرات صوفیہ نے عرضنا الامانۃ کی تفسیر میں بالاتفاق فرمایا ہے

کہ یہ امانت بار محبت ہے جس کو انسان نے بروز ازل اخھالیا۔ اور محض عنایت ایزدی

سے یہ امانت تفویض ہوئی۔ اس لئے محبت وہی ہے۔ اور ہر فرد انسان میں بقدر

حیثیت محبت کی استعداد موجود ہے۔ جس کا عالم شہود میں، گوکسی بیرائے میں کیوں نہ

ہو گمرا ظہار کافی ہوتا ہے۔ اور انسان اثر محبت سے ضرور موثر نظر آتا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ روز جہاں شیرازی علیہ الرحمۃ جو حضرت امام رازی علیہ

الرحمۃ کے ہم عصر تھے اپنی تفسیر عرائیں البيان میں بتحت آیہ نذر کورہ ارقام فرماتے ہیں ”

لِمَالِمِ يُكَنُ لِلْكَوْنِ اسْتِعْدَادِ حَمْلِ امَانَةِ الرَّبِّ بُوْبِيَّةِ بِنْعَتِ الْأَنْفَرَادِ وَ الْغَنَاءِ

وَ السَّكُورِ فِي الْعَشِ“ کہ کوئین میں کسی کو اس بار امانت رو بہت کے تحمل کی استعداد

نہ تھی کیونکہ اس امانت کو وہی اخھا سکتا ہے جو فردانیت اور فنا اور سکر فی الحُبِّ سے

متصرف ہو۔

لیکن عالم اجسام میں تعلقات موجودات کے جبابات لائق ہوتے ہیں اور

عوارضات نفسانی کی وجہ سے روحانی قوتیں مضطہل ہو کر خواہشات نفسانی کی تابع ہو

جاتی ہیں چنانچہ مادہ محبت جو بروز میثاق انسان کو تفویض ہو چکا ہے۔ عالم شہود میں آکر

اکثر خیالات باطلہ اور مرادات بشری کی معیت میں بتلاۓ اشکال حادث ہوتا ہے۔

اور جب تعینات صورت مقصد اصلی کو چھپا دیتے ہیں۔ اور شوق وصال مطلوب حقیقی

کہو ہو جاتا ہے جس کے لئے سعی اور کوشش کی ضرورت ہے کہ توہمات ناقصہ اور

خیالات باطلہ سے انسان روگردانی کرے اور مقصود اعلیٰ اور مطلوب حقیقی کی جانب رجوع ہو۔ اس واسطے ہادیان را ہ طریقت نے جدو جہد کی ہدایت فرمائی۔ اور ہمارے حضور نے بھی عام مریدین سے یہ خطاب فرمایا کہ ”محبت کرو“ کیونکہ استعداد محبت ہر فرد انسان میں موجود ہے۔

یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی صفت ”جهولا“ فرمائی ہے۔ یعنی جب انسان پار محبت کا متحمل ہوا تو نادان سمجھا گیا۔ اور اثر محبت نے اس کی عقل کو زائل کر دیا۔ چنانچہ ہمارے حضور نے ”ظلوماً جهولاً“ کا مفہوم ہمارے ادراک کے لحاظ سے با محاورہ الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ ”جب ان حضرت عشق آئے وہاں علم و عقل کا دخل نہیں،“ بقول مولانا علیہ الرحمۃ

عشق آمد عقل او آوارہ شد

صح آمد شمع او بے چارہ شد

(عشق جب آیا تو اس آدمی کی عقل آوارہ ہو گئی۔ صح ہوئی تورات کو جلنے والی شمع بے بس ہو گئی۔)

کیونکہ ظلوماً سے اپنی ہستی کو مٹانا، اور جھولا سے مساوائے یار موجودات سے قطعی انقطاع اور اس کو بھول جانا مراد ہے۔ اور یہی عشق کا خاصہ اور عین اثر ہے جیسا کہ سرکار احادیث جل جلال نے فرمایا کہ انسان نے بار امانت (یعنی محبت کا بوجھ) انھیا پس ”کان ظلوماً جهولاً“ یعنی اس نے اپنی ہستی مٹائی اور اس کی عقل زائل ہو گئی۔ اور سب بھول گیا۔ چنانچہ شیخ اکبر حضرت محبی الدین عربی علیہ الرحمۃ نے فصوص الحکم میں حکمة الہیہ فی کلمة آدمیۃ کی بحث میں اسی آیہ کریمہ سے استدلال

کیا ہے۔ اور ”ظلوما جھولا“ کی تفسیر میں ارقام فرمایا ہے ”ظلوما علی نفسم
سمیتا ایاها مفنبیا ذاقہ جھولا بغیرہ ناسیا لاما سواہ نافیا لاما عداہ بقول
لااله الا الله۔“ (اپنی جان پر بہت ظلم کرنے والا۔ نفس کو مٹانے والا۔ اپنی ذات کی
لنگی کرنے والا۔ بہت جاہل۔ اللہ کے سوا ہر شے کو بھولنے والا۔ اللہ کے سوا ہر شے کی
لنگی کرنے والا، اس کلمہ کے ساتھ کہ اللہ کے علاوہ کوئی انہیں۔)

غرض یہ مسلمہ ہے کہ محبت فطری ہے اور مادہ محبت انسان کو بروز بیان
تفویض ہوا ہے۔ اور حضور کا یہ ارشاد کہ محبت کرو، اصول طریقت کے مطابق اور سنت
جاریہ کے موافق ہے۔ اور اسی طرح آپ کا یہ دوسرا احسان ہے کہ جس طریق سے
حضور نے ایک مختصر جملہ میں عقائد ظاہری اور اعمال باطنی کا ہم کو سبق دیا۔ اسی طرح
ہمارے معاملات اور عادات درست کرنے کے لئے بھی ہدایت فرمائی جیسا کہ مہربان
طبیب کا دستور ہے کہ جب مریض کے استعمال کے لئے بھی ہدایت فرمائی جیسا کہ مہربان
پرہیز کی بھی تاکید کرتا ہے اور مضر اشیاء کی تصریح کر دیتا ہے۔ اسی طرح ہمارے طبیب
باطنی نے بکمال شفقت امراض روحانی کی اصلاح کے لئے جب ہم کو محبت کا مفید اور
محبوب نہ بنا دیا تو اسی کے ساتھ عنایت وارثی نے ہم کو پرہیز کی بھی تعلیم فرمائی۔ اور
متواتر ارشاد ہوا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔“ نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس
ہدایت میں بھی متعدد مفاد پوشیدہ ہیں۔

(اول) ترک سوال حضرات صوفیہ کرام کی خاص سنت ہے۔ کیونکہ زیادہ
 منتقلہ میں اہل طریقت نے سوال کرنے سے خود بھی بکمال اہتمام احتراز فرمایا، اور اپنے
مریدین کو بھی اس کی ہدایت فرمائی۔ بلکہ صاحب مرآۃ الاسرار کا تو یہ قول ہے کہ بعض

حضرات صوفیہ کے پورے گروہ کا یہی طریقہ تھا کہ وہ سوال نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ ”خانوادہ عیاضیان“ یعنی حضرت فضیل بن عیاض کے جملہ مریدین، اور خانوادہ ادہمیان یعنی حضرت ابراہیم ادہم کے نامی حلقة بگوش اور خانوادہ ہمیریان یعنی حضرت ہمیرہ بصری کے کل دست گرفتہ بائیع کس سوال روانی داشتند و ہرچہ از غیب بے طلب می رسد خرچ می کنند۔ (حضرت فضیل بن عیاض کا سارا خاندان اور ان کے تمام مریدین، وہ کسی سے مانگتے نہ تھے۔ اور جو کچھ غیب سے بن مانگے حاصل ہوتا تھا وہی خرچ کرتے تھے۔) اور شیخ احمد رفائلی علیہ الرحمۃ نے جو معتقد میں حضرات صوفیہ میں سر برآور دہ درویش تھے اپنے مریدین کی تعلیم میں یہ فرمایا ہے کہ ”ہمارے طریقہ کی بنا تین چیزوں پر ہے۔ اول سوال نہ کرو، دوئم رونہ کرو، سوم جمع نہ کرو“ اور حضرت بوعلی شاہ فلندر فرماتے ہیں۔

بہر آب و نان نگر دی در بدر	آبروئے خود نہ ریزی بہر زر
گر زفافہ جاں بر آیدا ز نفس	چوں مگس دستت مزن بر نان کس
بر سر خوان قناعت دست زن	تابا شد دست بر فرمان شکن
باش در کنج قناعت سرگوں	پامنہ از گوشہ عزلت بروں
پشت پازن تخت کیکاووس را	سر بدہ از کف مده ناموس را
الخدر از حب دنیا الخدر	بہر نان و زر محور خون جگر

(پانی اور روٹی کیلئے وہ دروازے پر نہ جاتے تھے اور سونے کیلئے اپنی عزت نہ گناتے تھے۔ اگر بھوک سے جان جسم سے باہر آ جاتی تو کبھی کی طرح وہ کسی کی روٹی پر ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ (ان کا نظریہ یہ تھا کہ) قناعت کے دستر خوان پر ہاتھ لگاتا کہ حکم توڑنے

والا نہ بن جائے۔ قناعت کے کونے میں سر جھکانے والا بن جا۔ تہائی کے کونے سے پاؤں باہر نہ رکھ۔ کیکاؤں کے تخت کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگا۔ اپنا سردے دے مگر اپنے ہاتھ سے عزت کو نہ جانے دے۔ فتح جا۔ دنیا کی محبت سے فتح جا۔ نان اور سونے کیلئے جگر کا خون نہ کھا۔)

غرض حضور کا یہ ارشاد کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو۔“ گویا ہم کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ مقبولان الہی کی تقلید کرو۔

(دوم) یہ کہ سوال کرنا اصول طریقت کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ حصول مقصود اصلی اسی پر محصر ہے کہ طالب ماسوی اللہ سے بے سروکار ہو۔ اور موجودات عالم سے قطع تعلق کرے۔ اور سوال کرنا جس کا حقیقی مفہوم اپنی حاجت روائی کے واسطے غیر خدا سے درخواست کرتا ہے۔ جو یعنی مقصود اصلی کے منافی ہے۔ اور طالب حق کی کامیابی کو مفتوح اور باب حصول الی اللہ مسدود کرتا ہے۔ اور علاوہ اس کے سوال کرنا موجودات عالم سے سروکار بڑھانا، اور بجائے انقطاع کے جدید جہت و تعلق پیدا کرنا ہے۔ لہذا ہمارے خضر طریقت نے ہم کو اس مکروہ اور مذموم فعل سے باز رکھا جو طالب کی ترقی اور کامیابی میں سدرہ ہوتا ہے اور سمجھا دیا کہ دنیاوی تعلقات منقطع کرو اور غیر خدا کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو۔

(سوم) سوال کرنا فقر کی شان و عظمت کے منافی ہے۔ کیونکہ سوال کرنا انسان کی تذلیل کا بہت بڑا سبب ہوتا ہے۔ اور فقر وہ علوی مرتبہ ہے کہ جس کی نسبت اشرف الخلق محبوب رب العالمین ﷺ نے ”الفقر فخری“ فرمایا پس کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے کہ فقر کا دست گرفتہ ایسی ذات گوارا کرے کہ روزمرہ کی

ضرورت کے واسطے اہل دنیا کے آگے ہاتھ پھیلائے جو صرخ آداب فقر ہے۔ اس لئے حضور نے متواتر ارشاد فرمایا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔“

(چہارم) سوال کرنا اس وجہ سے بھی نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا یہ رکیک فعل یعنی غیر خدا کے آگے ہاتھ پھیلانا اعزاز فقراء کے پاک و شفاف دامن میں بد نماد ہے لگانا ہے۔ کیونکہ یہ سلسلے فقر ہی ایسا پروہ پوش سلسلہ ہے کہ اپنے وابستہ کی تمام نسبتوں کو منا کر اپنے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ اور بھلائی و برائی کا بار خود اٹھاتا ہے۔ ورنہ دنیا میں جس قدر علوم و فنون رائج ہیں ان کے ماہرین سے تلامذہ افاضہ حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کے شاگرد اور تعلیم کرده مشہور بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان کی نسبت آبائی محبوبیں ہوتی بلکہ ان کے نام کے ساتھ کہا یہی جاتا ہے کہ فلاں عالم فلاں کا بیٹا اور فلاں طیب فلاں شخص کا بپوتا ہے۔ گواستاد کی نسبت بھی بعض موقعہ پر قائم رہتی ہے مگر برائے نام اور نسبت آبائی سے بہت کم خصوصاً کوئی بات خاص اور اہمیت کے ساتھ جب ظاہر ہوتی ہے تو اس وقت استاد کی جانب منسوب نہیں کرتے۔ اور ایسی صورت میں خاص طور پر نسبت پر دری ہی کا ذکر آتا ہے اور اجداد ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے سلسلہ فقر ہے کہ اس کا حلقة بگوش اسی کا ہو جاتا ہے۔ نسبت آبائی نیست اور نایود ہو جاتی ہے۔ بقول

بندہ عشق شدی ترک نب کن جائی
کن دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(اے جائی! عشق کا غلام بن جا اور اپنا حسب و نسب چھوڑ دے۔ اس راستے میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں۔)

جب کوئی بھائی یا برائی شہرت پذیر ہوتی ہے باپ اور دادا کا نام کوئی نہیں لیتا، تو کہا بھی جاتا ہے کہ فلاں فقیر کا یہ دست گرفتہ ہے۔ لہذا ترک سوال کی اسی لئے تاکید ہے کہ ہمارے اس مکروہ اور منوع اور ذلیل فعل کا ذکر ان مقدس اور ناکرده گناہ بزرگوں کے نام سے مشہور ہوتا ہے جن کے ساتھ ہم منسوب ہیں۔ شاید اسی وجہ سے ہمارے سرکار عالم پناہ نے ہم کو یہ ہدایت فرمائی کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو۔“

(ششم) ترک سوال میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ حضرات عارفین نے ہمیشہ اس کی ہدایت فرمائی ہے کہ طالبان را خدا کو اس کا یقین کامل ہونا چاہئے کہ تقسیم جناب احديت جل جلاله غلط نہیں ہے۔ چنانچہ حضور نے بھی اکثر فرمایا ہے کہ ”جو جس کی قسمت کا ہے وہ اس کو ضرور پہنچتا ہے۔“ اور سوال کرنا اس کی ضد ہے۔ لہذا ہمارے رہنمائے کامل کی یہ عین بنده پروری ہے کہ ہم غلاموں کو صبر کی ہدایت فرمائی۔ اور صریح الفاظ میں ارشاد ہوا کہ غیر خدا کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو۔ جو کچھ بارگاہ رزاق العباد سے تم کو پہنچے، اس کو تسلیم کرو۔ جو خاص صبر کی تعریف ہے۔ اور طریقت میں صبر کا بڑا مرتبہ ہے۔ تو اس مختصر ہدایت وارثی کا حقیقی مفہوم یہ ہوا کہ انعام رب العزت صبر کے ساتھ قبول کرو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان اللہ مع الصابرين۔ (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ سورۃ البقرۃ: ۱۵۳)

(ششم) ترک سوال حیا کی عین نگہداشت ہے۔ اور حیا ایمان کا جزو و مقدم

ہے کہ ”الحياء شعبة من الايمان“ (حیا ایمان کا ایک جزو ہے۔) ارشاد حضرت نبوی ہے اور سوال کرنا اس کے برکت ہے۔ پس ہمارے ایمان کی حفاظت اور سلامتی محفوظ رکھی، اس لئے اس ہادی برحق نے یہ حکم دیا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو۔“

تاکہ تمہارے ایمان میں نقص نہ آوے، چنانچہ ایک روز برجستہ طور پر حضور نے یہ فرمایا
کہ ”اسلام اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے۔“

حضور کے ایک خادم نے جوبے پڑھے اور دیہات کے باشندے تھے۔

عرض کیا کہ آخر ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے ان کی سمجھ کے لائق ایمان کی تعریف کا
خلاصہ یہ ارشاد کیا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔“

(ہفتہ) علاوه ان فوائد کے سوال نہ کرنا ایسی مہتمم بالشان صفت ہے کہ جناب

سرور عالم ﷺ نے بعض اصحاب مہاجرین سے ترک سوال کی بیعت لی ہے جس کا ذکر
کتب احادیث میں ہے کہ وہ اصحاب رسول اللہ جو اس بیعت میں شریک تھے اور جن

کو ترک سوال کی ہدایت ہوئی تھی، وہ اس قدر پابند تھے کہ حرف سوال ان کی زبان پر
نہیں آتا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنے رسالہ ”قول
ابجیل“ میں یہ حدیث ترک سوال کی بحث میں نقل کی ہے ”وروی ابن ماجہ افادہ
بایع ناسا من فقراء المهاجرین علی ان لا يستلوا الناس شيئاً فكان
احدهم يسقط سوطه فينزل عن فرسنه فيا خذه ولا يستل احداً“ یعنی

حضرت ابن ماجہ سے روایت ہے کہ وہ فقراء مہاجرین جن کو ہدایت ہوئی تھی کہ خلق
سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا، وہ گھوڑے پر اگر سوار ہوتے تھے اور ان کا کوڑا اگر جاتا تھا تو
سوال کرنے سے اس قدر احتیاط تھی کہ ان کو یہ بھی گوار نہیں ہوتا تھا کہ کسی سے کوڑا اٹھا
دینے کا سوال کریں بلکہ گھوڑے سے اتر کے خود اپنا کوڑا اٹھا لیتے تھے۔

علی ہذا شیخ عبدالحق محقق دہلوی شرح سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ ”حکیم
بن خرام کہ یکے ازاقربائے ام المؤمنین خدیجہ بود چیزے از آنحضرت ﷺ بطلیدیہ

فرمودیا حکیم من می دهم بتو آنرا لیکن کراہتے باوے ہمراہ خواہ بدیود فصیحت کردا اور اکتا
تو اپنی سوال مکن از یقین کس گویند کہ بعد ازاں حال حکیم در ترک سوال بجائے رسیدہ بود
کہ اگر تازیانہ از دست و می بیفتادی از کے نہ طلبیدی و نہ گفتی کہ بردار و بدہ مرا۔“
(حکیم بن حرام جو کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا
اس نے نبی پاک ﷺ سے کوئی چیز نامگی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے حکیم میں وہ چیز
تمہیں دے دیتا ہوں لیکن اس کے دینے کے ساتھ ناپسندیدگی اس چیز کے ساتھ رہے
گی۔ اور آپؐ نے فصیحت فرمائی کہ جب تک تم سے ہو سکے کسی سے کوئی چیز نہ مانگ۔
اس کے بعد حکیم کا حال یہ تھا کہ سوال نہ کرنے کے معاملہ میں وہ بہاں تک پہنچ گیا تھا
کہ اگر اس کے ہاتھ سے کوڑا بھی گرفجاتا تو وہ کسی سے سوال نہ کرتا کہ اسے انھا
(دے۔)

لہذا کمالات محمدیؒ کے مظہرا تم نے اس سنت محمدیؐ کو کس خوبی کے ساتھ
ادا کیا اور اپنے غلاموں کو عامہ ہدایت فرمائی کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو“ اور اس
پر دے میں فیضان سنت صحابہؓ سے ہم کو مستفیض فرمایا۔

(ہشم) اس مشہور حدیث نبویؐ سے بھی ضمناً ترک سوال کی تائید ہوتی ہے
کہ ”عزم من قبیع و ذل من طمع“ یعنی قناعت با عزت اور طمع سبب ذات
ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے
قناعت کو محدود اور طمع کو مددوم فرمایا۔ قناعت کی تعریف یہی ہے کہ خدا پر بھروسہ کرے
اور یہی ترک سوال کا حاصل ہے۔ اور طمع کا مفہوم یہ ہے کہ تقسم حضرت احادیث کو کافی
نہ سمجھنا اور خلائق سے استغانت چاہنا۔ جس کا خلاصہ ہاتھ پھیلانا ہے۔ اسی لئے

ہمارے پیشوائے برحق نے اپنے غلاموں کو فعل محمود یعنی قناعت کی ترغیب دی ہے۔
اور عادت مذموم یعنی طمع سے باز رکھنے کے لئے فرمایا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ
پھیلاو۔“

(نہم) حدیث مذکورہ بالا کی نسبت شاید کسی کو یہ عذر ہو کہ اس میں قناعت کا
ماحصلہ ترک سوال اور طمع کا مفہوم ہاتھ پھیلانا اختیار کیا ہے۔ صریح الفاظ میں ترک
سوال کی تاکید نہیں ہے۔ لہذا اس سے واضح اور مستند و سری حدیث اور نقل کرتا ہوں۔
جس میں بغیر کسی تاویل کے صاف لفظوں میں ترک سوال کی ترغیب موجود ہے۔ بلکہ
ترغیب بھی اشارہ نہیں ہے واضح طور پر سوال نہ کرنے کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔
اور تاج المشاخین حضرت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد السیر وردی علیہ الرحمۃ نے اپنی
مستند کتاب عموم علوم المعرف کی فصل ہفتہم آداب معيشت میں اس حدیث کا حوالہ دیا
ہے۔ لیکن اس مقام پر مصباح الہدایت ترجمہ عموم علوم المعرف مصنف شیخ محمود علی
الکاشانی علیہ الرحمۃ سے اس حدیث کو نقل کرتا ہوں۔ وہ وحدہ امام ترغیب چنان کہ آمدہ
است برداشت ثوبان رضی اللہ عنہ کے روزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روے
باصحاب کرد و گفت ”من يضمون لى بواحدة أضمن له بالجنة“، من گفتتم ”انا یا رسول اللہ“
رسول علیہ وآلہ السلام گفت ”لَا تُكْلِلُ النَّاسَ شَيْئًا“، (حضور ﷺ نے اس طرح ترغیب
دلائی ہے کہ حضرت ثوبانؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ نے اپنا
ریخ انور صحابہ کرامؓ کی طرف کیا اور فرمایا جو مجھے ضمانت دے گا ایک کی میں اس کیلئے
جنت کا ذمہ دار ہوں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ میں ضمانت دیتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا لوگوں سے کوئی شے نہ مانگ۔) یہ حدیث ترک سوال کی مطلقاً ترغیب ہے

کغم خوارامت نے پہلے یہ فرمایا کہ میری ایک بات جو قبول کرے تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ جب حضرت ثوبان نے عرض کیا کہ انا یا رسول اللہ اس وقت رسول کریمؐ نے اپنے حکم کی یہ تصریح فرمائی کہ مخلوق سے کسی چیز کا سوال نہ کرو۔ لہذا ترک سوال کے لئے اس سے زیادہ صراحت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ”لاتسئل الناس شيئاً“ جس کا فتح اور بامحاورہ ترجیح ہی ہو گا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو۔“ جو حضرت وارث عالم نے اپنے غلاموں سے فرمایا۔

(وہم) اس حدیث سے ترک سوال کی فضیلت تو بخوبی ثابت ہو گئی۔ مگر یہ خیال ہو سکتا ہے نہ سوال کرنے کی نہمت اس میں نہیں ہے۔ لہذا اب میں ایک اور حدیث نقل کرتا ہوں جس میں سوال کرنے کی نہمت بھی صاف لفظوں میں موجود ہے۔ اور جس طرح شفقتِ محمدؐ نے ترک سوال کی ترغیب میں ہم کو جنت کی بشارت دی ہے۔ اسی طرح سوال کرنے کی ترہیب میں دوزخ کے عذاب سے ہم کو ڈرایا ہے۔ اور سمجھا دیا ہے کہ مال جمع کرنے کے واسطے سوال کرنا آخرت میں تکلیف اور نقصان کا باعث ہو گا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ ”ابو ہریرہ من تستل الناس اموالهم تکثرا فانماهی جمر الی آخرة“ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے مردی ہے کہ فرمایا رسول محترم ﷺ نے کہ جو لوگوں سے مال جمع کرنے کے لئے سوال کرے گا تو وہ مال اس کے حق میں جہنم کی چنگاریاں ہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ مال جمع کرنے کے لئے سوال من الناس قطعی منوع ہے۔ اسی واسطے ہمارے دست گیر نے یہ حکم عام نافذ فرمایا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاو۔“

(یا زوہم) اگر یہ شبہ ہو کہ احادیث مذکورہ میں ترغیب و ترہیب اور اس کی

بشارت اور عید کی وضاحت تو کافی طور پر ہے۔ لیکن سوال یا ترک سوال کے جواز اور عدم جواز اور اس کی حلت اور حرمت کا ذکر ان میں نہیں ہے۔ لہذا اس رفع مذک کے واسطے اور ایک حدیث مستند نقل کرتا ہوں جس کو صاحب مشارق الانوار نے بھی لکھا ہے۔ اور جس میں حکم قطعی ہے کہ سوال کرنا حرام ہے۔ صرف تین مجبور یوں کے وقت سوال کرنا جائز فرمایا ہے لیکن ان مجبور یوں کی حالت میں بھی یہ حکم نہیں دیا ہے کہ سوال کرو۔ محض ہماری آسانی کے واسطے بطور رخصت یہ فرمایا ہے کہ سوال کر سکتے ہو۔

چنانچہ مسلم میں ہے کہ ”یا قبیصۃ ان المسئلۃ لا محل الا لا حد ثلاثۃ“ یعنی قبیصہ بن خارق رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اے قبیصہ سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ مگر ایک شخص کو ان تین قسم کے اشخاص میں سے پھر اشخاص مسٹنی کی آپ نے یہ تصریح فرمائی کہ ایک وہ مرد جس نے دوسرے کا بوجھ (قرضہ) اپنے اوپر لیا۔ اس کو سوال کرنا حلال ہے۔ اور جب اس قدر مال جن ہو جائے تو پھر سوال نہ کرے۔ دوسرا وہ مرد جس پر ایسی آفت پڑے کہ اس کا مال بر باد ہو جائے تو اس کو سوال کرنا حلال ہے، اس قدر کہ اپنی زندگی کے لائق پیدا کرے۔ اور تیسرا وہ مرد کہ جس کو فاقہ کی نوبت پہنچے اور اس کی قوم کے تین مرد عاقل گواہی دیں کہ اس کو فاقہ ہے تو سوال کرنا حلال ہے کہ گزارہ زندگی کے لائق حاصل کرے۔ یا یوں فرمایا کہ زندگی کے سدر مق حاصل کرے۔ اس کے بعد حکم عام اور قطعی یہ فرمایا کہ ”فما سواهن من المسئلۃ قبیصۃ سحت یا کلہا صاحبها صحتا“ یعنی سوائے ان تین اشخاص کے سوال کرنا اے قبیصہ حرام ہے۔ کھاتا ہے سوال کرنے والا حرام کو۔ اب یہ شبہ بھی جاتا رہا۔ اور بخوبی ثابت ہو گیا کہ سوال کرنا حرام ہے۔ اور

جن تین اشخاص کے واسطے سوال کرنا حلال بھی کیا ہے تو کیسی سخت مجبوری میں۔ اور وہ بھی کیسے شرائط کے ساتھ کہ شخص اول کو رخصت محض اس لئے دی گئی کہ دوسرا کا بوجھ اٹھایا۔ اپنی ذات کے واسطے سوال نہیں کرتا ہے۔ اور دوسرا مصیبت زدہ کے لئے اجازت ہے تو اس قدر کہ گزارہ زندگی کے لاائق یا زندگی کے سدقہ حاصل کرے تیرے شخص کو فاقہ کی حالت میں اگر سوال کرنا حلال ہوا، تو وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ تین مرد عاقل اس کے فاقہ کی گواہی دیں۔ غرض انتہائی مجبوری کے وقت اسی طرح سوال کرنا جائز کیا ہے جس طرح مضطرب کے لئے مرد ادا کھانا حلال ہے۔

(دوازدہم) حدیث مذکورہ بالا سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ سوال کرنا حرام ہے۔ لیکن ہماری آسانی کے لئے تین حاجت مندوں کو رخصت دی گئی ہے۔ حالانکہ پر رخصت عموماً حرمت سوال کو زائل نہیں کرتی ہے۔ تاہم اور ایک حدیث نقل کرتا ہوں ہس میں قطعی اور عام طور پر بغیر کسی استثنی کے سوال کرنے کی ممانعت موجود ہے۔ ہنا نچھی بخاری و صحیح مسلم میں عبد اللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ "ما تزل المستلة بالعبد حتى يلقى الله وما في وجهه مضعة" یعنی سوال کرنے والا جب خدا کے حضور میں جائے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی۔ یعنی بروز قیامت وہ تہایت شرمندہ اور ذلیل و خوار ہو گا۔ اس حدیث سے بھاف ظاہر ہو گیا کہ سوال کرنا قطعی منوع ہے۔ اسی واسطے ہمارے سرکار عالم پناہ نے اپنے علماء کو عام طور پر یہ ہدایت فرمائی کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ ہلاو۔"

اس تصریح سے کما حقہ ثابت ہو گیا کہ ہاتھ پھیلانا یقینی اخلاق انسانیہ کے

خلاف اور طریقت کے منافی اور شریعت میں منوع بلکہ حرام ہے۔ اور ترک سوال اسی کا عکس ہے کہ شریعت کی جانب سے انعامات کی بشارتیں بھی ہیں اور مقدمہ میں ارباب طریقت کی خاص سنت بھی ہے۔ اسی واسطے ہمارے پیشوائے برحق نے یہ ہدایت فرمائی کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ“، یعنی تمامی معاملات خالق برحق کے پرورد کرو۔ اور حرص و طمع جو صفات ذمیہ کی اصل ہیں، ان سے احتراز کرو۔ بلکہ اکثر حضور اپنے غلاموں سے مخاطب ہو کر بطور ہدایت یہ شعر پڑھتے تھے جس میں حرص و طمع کی قطعی ممانعت ہے۔

زہدو تقوے پیست اے مرد فقیر
لاطمع بودن ز سلطان و امیر

(اے مرد فقیر! زہدو تقویٰ کیا شے ہے؟ امیر اور بادشاہ سے بے طمع ہو جانا۔)

در حقیقت حرص و طمع ایسی نہ موم خصلت ہے جو علاوه دنیاوی تو ہیں اور تنہ میں کے دینی ترقیات میں بھی حارج ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت بولی شاہ قلندر پانی پی قدم سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

دل چو آلو دست از حرص و ہوا	کے شود مکشوف اسرار خدا
صد تمنا در دل اے بولافقوں	کے کند نور خدا در دل نزول
دین و دنیا ہر دو کے آید بدست	ایں فضولیہا مکن اے خود پرست
بر تو قسمت می رسداے بے خبر	پس چرا قانع نے برخش و تر
حرص تو دلق قناعت پارہ کرد	نفس امارہ ترا آوارہ کرد
ایں سخن در گوش داری اے جو ان	مولوی گفتہ ز روئے امتحان

ہم خدا خواہی و ہم دنیا نے دون ایں خیال ست و محال ست و جنون
 (اگر دل حرص اور خواہش سے آلو دہ ہے تو خدا کے اسرار اس کے سامنے کب کھل سکتے
 ہیں۔ اے فضول انسان تیرے دل میں سینکڑوں تمنا میں موجود ہیں تو ایسے دل میں
 اللہ کی معرفت کے نور کا کیسے نزول ہو۔ دین اور دنیا کب حاصل ہوتے ہیں۔ یہ فضول
 باقی میں ہیں۔ اے خود پرستی کے شکار یہ گمان مت کر۔ تیری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ
 تجھے مل جائے گا۔ پس تو خلک اور ترپر کیوں قناعت کرنے والا نہیں ہے۔ تیری حرص و
 ہوس نے قناعت کی گودڑی کو نکلوئے بلکہ کر دیا ہے۔ اور نفس امارہ نے تجھے آوارہ کر
 دیا ہے۔ یہ بات اے جوان یاد رکھ۔ مولا نارووم نے بطور آزمائش یہ فرمایا ہے۔ اگر تو
 خدا چاہے گا اور ساتھ کمیٰ دنیا بھی چاہے گا تو یہ محض ایک خیال، محال اور جنون ہے۔)
 اور اسی حرص و طمع کا ضمیمہ حسد ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ حسد
 بلحاظ معنی اور باعتبار حرص و طمع کا مراد ہے۔ چنانچہ حضرت تاج المشائخ شیخ شہاب
 الدین^ر نے عوایف المعارف میں جو حسد کی تعریف تحریر فرمائی ہے اور جس کا ترجمہ محمود
 بن علی الکاشانی نے کیا وہ یہ ہے۔ ”از بہر تکاثر و تقاضہ، یا بہر خوف فقر و احتیاج و چوں
 ایں صفت و نفس قوی گرد و حسد ازو تولد کند۔ زیرا کہ حسد بخلی کر دنست بمال دیگران
 نخواهد کہ کسی چیزی بدل دیگرے رسد۔ و اگر کسی رائج نعمت مخصوص بیندزو وال آں طلبہ۔ و چوں
 قوت زیادت گیر و حقد پیدا آید، ہر کرا با خود در نعمت مساما ہم یا مساوی یا برابر یا بفضلیت متمیز
 بیندیا سبب امتزاع نعمتی از خود پندراد یا موجب امناء کر امتے شناسدزو وال و بلاک
 اور اپیوستہ خواباں یود۔“ (اشیاء کو کشیر کرنے کیلئے اور فخر کیلئے یا فقر کے خوف سے یا
 ضرورت کے واسطے، جب یہ صفت انسان کے باطن میں مضبوط ہو جائے تو اس سے

حد پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ حد بخیلی کرنا ہے، دوسروں کے مال کی کسی کو کوئی چیز ملے۔ اور اگر کسی کے پاس کوئی خاص نعمت دیکھتا ہے تو اس کے زوال پذیر ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور جب یہ حد بڑھتا ہے تو پھر اس کی جگہ حد پیدا ہو جاتا ہے جس کسی کو وہ نعمت کے اندر اپنے برابر سمجھتا ہے یا زیادہ مال کی وجہ سے اپنے سے برتر سمجھتا ہے یا اپنی نعمت کے ضائع ہونے کا سبب خیال کرتا ہے یا کرامت کے نہ ہونے کا سبب سمجھتا ہے اور اس کے زوال اور بلا کت کا ہمیشہ خواہش مند رہتا ہے۔)

پس حرص یا سوال جس طرح منوع و مذموم ہے اسی طرح حد بھی عقلاء و قولاً مخالف اخلاق اور محرب ایمان ہے۔ اسی واسطے ہمارے حضور نے یہ بھی فرمایا کہ حد سے احتراز کرو، چنانچہ ایک مرتبہ حضوری میں چند غلامان بارگاہ حاضر تھے۔ اور آپ حسب عادت مجسم بلوں سے مختلف مسائل تصوف کا ذکر مختلف پیرا یہ میں فرمائے ہے تھے۔ جناب حضرت کی اس خاص توجہ اور شفقت سے بعض غلاموں کو یہ جرأت ہوئی کہ اس مشہور مقولہ کی تحقیق کے لئے عرض کیا کہ حضور تہذیف رقوں میں ناجی فرقہ کون ہے؟ آپ نے عجب شان سے مکرا کے یہ فرمایا کہ ”جس میں حد نہ ہو“ کیا خوب کسی شاعر نے اسی مضمون کو ظلم کیا ہے۔

ہفتاد و دو فریقِ حد کے عدد سے ہیں

انہی ہے یہ طریق کہ باہرِ حد سے ہیں

اور یہ بھی اکثر ارشاد فرمایا ہے کہ ”حد میں سوائے نقصان کے فائدہ نہیں۔“

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”حاسد ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔“ اور یہ تو متواتر ارشاد ہوا

ہے کہ ”حد سے ایمان خراب ہوتا ہے۔“ واقعی حد محرب ایمان ضرور ہے۔ اس لئے

کہ جب حقیقت حسد یہ ہے۔ کہ اس کا تعلق نفس سے ہے۔ اور نفس جسد انسان میں روح کی ضد ہے۔ اور یہ کلیہ ہے کہ خواہشات نفسانیہ سے روح ضعیف اور ایمان خراب ہوتا ہے۔

اللہ احمد صفات ذمہد میں ایسی خراب اور نہ موم صفت ہے جو دیگر صفات رذیلہ یعنی بعض کیتے، کبھی غرور، بخل وغیرہ کے اصل ہے جس کو مولانا روم علیہ الرحمۃ نے جملائی فرمایا ہے۔

در حسد گیرد ترا در ره گلو در حسد ایمیں را باشد غلو
کوز آدم ننگ دارد در حسد با سعادت جنگ دارد در حسد
عقبہ زیں صعب تر در راه نیست آں خنک آں کس حسد ہمراہ نیست
خانما نہا از حسد باشد خراب باز شاہی از حسد گرد غراب
(تصوف کے راستے میں حسد تیرے گلے کو پکڑے گا۔ حسد ایمیں کیلئے گلے کا طوق ہے۔ کہ وہ آدم سے حسد میں شرم کرتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو برتر سمجھتے ہوئے حسد کی وجہ سے جنگ کیلئے نہ رہ آزمائے۔ سلوک کے راستے میں اس سے بڑھ کر زیادہ عذاب اور کوئی نہیں ہے۔ وہ آدمی ہذا سعادت مند ہے کہ جس کے ساتھ حسد نہیں ہے۔ حسد کی وجہ سے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ بادشاہی حسد کی وجہ سے کوابن جاتی ہے۔)

حقیقت میں حاسد ”خسر الدنيا والآخرة“ کا مصدق ہوتا ہے کہ ایم ایسا نامی و معزز فرشتہ جو معلم الملوك کے لقب سے متاز تھا۔ مگر اسی حسد کی وجہ سے معتوب و مغضوب ہوا کہ آدم علیہ السلام کا فضل و مکمال نہ دیکھ سکا، اور غرور و خودی گے جوش میں ”خلقتنی من نار و خلقته من طین“ (تو نے مجھے آگ سے پیدا

کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ سورۃ الاعراف (۱۲) کہنے لگا۔ اور یہ عظمت آدم کہ ”خلق اللہ آدم علی صورتہ“، اور حقیقت ابوالبشر کہ ”ونفخت فیہ من روحی“ (اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں۔ سورۃ الحج (۲۹) کو نہ خیال کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنیم اعین کا خطاب ملا۔ (اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شَرِّ رُوحٍ مُّنْدَثِرٍ)

فرماتے ہیں۔

چوں کئی بابے حسد مکروح
زاں حسد دل راسیا ہیہار سد
خاک شومر دان حق راز ی پا خاک بر سر کن حسد را ہم چو ما
(جب تو ایسے آدمی سے حسد کرے گا جو حسد کرنے کے لاائق نہیں ہے تو اس حسد سے تیرے دل کو سیاہی حاصل ہوتی ہے۔ مردان حق کے پاؤں کی مٹی بن جا۔ پانی کی طرح حسد کے سر پر خاک ڈال۔)

علی ہذا تفسیر کبیر میں حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے سورۃ فاتحہ کے تخت میں لکھا ہے کہ منافذ شیطانی تین ہیں شہوت، غصب، ہوس۔ اور ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ نتائج ہیں۔ یعنی حرص اور بخل شہوت کا نتیجہ ہے۔ اور کبر و خوت غصب کا۔ اور کفر و بدعت ہوس کا۔ لیکن یہ چھ صفات رذیلہ جب مجتمع ہو جاتی ہیں، تو انہیں سے افراد انسانی میں ساتویں چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام حسد ہے۔ اس لئے تمام اخلاق ذمیہ کا اصل الاصول حسد ہے اور جملہ عادات قبیحہ حسد پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی باعث سے خداوند کریم عز اسمہ نے ”و من شر حاسد اذا حسد“ (اور) میں رب کی پناہ مانگتا ہوں) ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔ سورۃ

الفقر: ۵) پر تمام شرور انسانی کا خاتمہ کر دیا جس طرح ابلیس کا وسوسہ بلحاظ شر و ایذار سانی تمام دیگر وساوس سے بالاتر ہے اسی طرح نوع بنی آدم کے حسد کو جملہ عادات قبیحہ پر فوقیت ہے۔

غرض یہ ثابت ہو گیا کہ جس طرح تمام صفات رذیلہ کی اصل حرص و طمع ہے اسی طرح قناعت باعث اوصاف حمیدہ ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

کوزہ چشم حریصال پر نشد

تاصدف قانع نشد پر در نشد

(حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی نہیں بھرتا۔ صدف جب تک قناعت کرنے والا نہ ہو تو وہ موتیوں سے ہیں بھرتا۔)

یعنی حرص مانع کمالات ہوتی ہے۔ چنانچہ محققین علم معدنیات کی تحقیق ہے کہ اگر قطرہ آب نیساں لے کر صدف اپنا منہ بند کر لیتی ہے تو وہ قطرہ موتی ہو جاتا ہے۔ اور اگر ایک قطرہ لینے کے بعد وہی صدف اور قطروں کے واسطے بار بار منہ کھو لتی ہے تو اس صدف میں موتی نہیں پیدا ہوتا، اسی مضمون کو حضرت مولانا نے مثال میں فرمایا ہے کہ حرص ایسی مذموم صفت ہے کہ فقط انسان ہی کے واسطے مانع ترقی نہیں ہے بلکہ اس رذیل خصلت سے معدنیات کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن اس رذیل عادت کا ایک علاج بھی بتایا ہے جس سے یہ عیب قطعی طور پر ہمیشہ کے لئے زائل ہو جاتا ہے جس کو دوسرے شعر میں آپ فرماتے ہیں۔

ہر کہ راجا مذ عشقے چاک شد

او زحرص و عیب کلی پاک شد

(جب کسی کا لباس عشق کی وجہ سے چاک ہو گیا۔ تو وہ مکمل طور پر حرص اور عیوب سے پاک ہو گیا۔)

یعنی قلب انسان کو جب صادق سے سروکار ہو جاتا ہے تو حرص بلکہ تھامی عیوب سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہی مجرب نسخہ ہمارے طبیب باطنی نے ہمارے واسطے تجویز فرمایا کہ جہاں یہ ارشاد ہوا "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ" اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ "محبت کرو" کیونکہ بغیر محبت کے حرص و طمع کا سد باب ہونا محال ہے۔ الغرض ہمارے حق میں جتاب حضرت کا یہ ارشاد فرمانا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ"۔ جو بظاہر روزمرہ کی بات یا معمولی نصیحت معلوم ہوتی ہے۔ مگر درحقیقت یہ بہت بڑی تعلیم اور حتم بالشان ہدایت ہے۔ اور یہ کلیے ایسا جامع ارشاد ہوا ہے جو اصول شریعت کے مطابق اور احکام طریقت کے موافق ہے۔ اور اسی ہدایت کی تقلیل پر حصول مقصود اصلی کا بھی انحراف ہے۔ اور حضرت احادیث جمل و علا کی شان رو بوبیت کا یقین کامل بھی اسی سے ہوتا ہے۔ گو بعض حضرات صوفیہ کے تذکرہ میں یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے اکثر طلب رزق کے لئے اسباب و توسل پر نظر کی اور بھی بقدر ضرورت سوال بھی کیا۔ مگر درحقیقت ان کا سوال مثل ہمارے سوال کے نہیں ہوتا۔ گو صورت دونوں کی ایک ہی کیوں نہ ہو یکن حقیقت میں بڑا تفرقہ ہے۔ بقول۔

کار پا کاں را قیاس از خود مکبر	گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد	کم کے زا بدل حق آگاہ شد
گفتہ ایک ماپسر ایشان بشر	ما ایشان بستہ خوابیم و خو
ایں ندا نستند ایشان ازاعی	ہست فرقے در میان بے انہا

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا و آں خورد گردد ہمہ نور خدا
 (پاک لوگوں کا کام اپنے اوپر قیاس نہ کر۔ اگرچہ لکھنے میں لفظ شیر اور شیر برابر ہی
 ہیں۔ تمام جہان اسی وجہ سے گمراہ ہو گیا کہ اللہ کے ابدالوں کے مراتب سے لوگ کم
 آگاہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات کہی کہ ہم بھی بشر ہیں اور وہ بھی انسان ہیں اور
 ہم اور وہ سونے اور کھانے کے پابند ہیں۔ اندھا پن ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ
 بات نہ جانی کہ ہم میں اور ان میں بے حساب فرق ہے۔ یہ کھاتا ہے تو اس سے پلیدی
 جدا ہوتی ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے نور خدا کا ظہور ہوتا ہے۔)

مثلاً ہمارا سوال کرنے کا مقصود جسم کو آرام پہنچانا ہے۔ جس کی تحریک نفس کی
 خواہش سے ہوتی ہے۔ اور حضرات صوفیہ کا سوال کرنا اکثر کتمان اور خفا کی غرض سے
 ہوتا ہے کہ خلق میں ان کی سرداری کا اظہار نہ ہو۔ اور نمود و شہرت کی نوبت بھی نہ
 آئے۔ اور کبھی نفس کی گوشائی اور اس کے تزکیہ کے واسطے سانکلوں کی صورت میں اس
 لباس حقارت کو اختیار فرماتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ منازل سلوک میں ایک حالت ہے
 جو اکثر سالکین پر طاری ہوتی ہے۔ اور اس کا اقتضایہ ہے کہ خاص قسم کا انتشار و اضطرار
 پیدا ہوتا ہے۔ اور طبیعت میں رعنوت اور خودداری کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جس کی
 اصلاح کا مفید طریقہ بھی ہے کہ جب تک وہ کیفیت رہتی ہے بقدر ضرورت سوال
 کرتے ہیں اور جب یہ حالت اطمینان اور جمیعت خاطر سے مبدل ہو جاتی ہے تو پھر
 بد نتدر کفالات حق تعالیٰ جل وعلا پر قناعت کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ادھم کے
 حالات میں منقول ہے کہ ایک زمانہ میں بخیال لقمہ حلال آپ نے کسب بھی کیا۔ اور

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ جامع بصرہ میں آپ مختلف ہوئے تیرے روز افطار کرنے لگے۔ اور شب افطار میں آپ دروازوں پر جا کر سوال کرتے تھے، اور چند لمحے جو ملتے تھے انہیں پر اکتفا فرماتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ کیفیت ہو گئی کہ اعانت رب العزت پر توکل کیا۔ اور استعانت مخلوق سے قطعی احتراز فرمایا۔

اسی طرح ابو جعفر حداد جو حضرت جنید کے استاد تھے۔ چند روز کے واسطے ان کی بھی بیسی حالت ہو گئی تھی کہ دوسری یا تیسری سب کو عشا کے وقت جھرہ سے نکلتے تھے اور بقدر احتیاج سوال کرتے تھے۔ مگر پھر بدستور وہی صورت اختیار کی۔ عطاۓ نبی پر فناوت کامل فرمائی۔

علیہ السلام ابوبسعید خراز علیہ الرحمۃ نے بھی کچھ روز یہی کیا کہ جب محتاج ہوتے تھے تو ہاتھ پھیلا کر ”یا نبی اللہ“ فرماتے تھے۔ لیکن جب حالت بدل گئی، تو پھر گوشہ رفتاد فرمایا اور استعانت مخلوق کو حرام سمجھا۔

اس نے حضرات صوفیہ کا بیان اصلاح نفس و اقتضائے وقت طلب رزق کے لئے کسب کرنا نہ مثل ہمارے کسب کے ہے۔ اور نہ ان کا عارضی طور پر سوال کرنا ہمارے سوال کے مانند ہے۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں رضاۓ مطلوب حقیقی کے واسطے کرتے ہیں۔ بلکہ مولانا تو یہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا فعل گوبہ ظاہر نامحمدی کیوں نہ ہو مگر در حقیقت وہ محمد و اور مسعود ہوتا ہے۔

ہر چہ گیرد علت شود	کفر گیرد کاملے ملت شود
کاملے گر خاک گیرد زر شود	ناقص از زر برد خاکستر شود
ذات او بہ زطاعت پیش حق	پیش کفرش جملہ ایمانہا خلق

(جو کوئی علت یعنی سبب اختیار کرتا ہے۔ وہ سبب بن جاتا ہے۔ اگر کوئی کامل شخص بظاہر کفر اختیار کرے تو وہ دین بن جاتا ہے۔ کوئی کامل اگر مٹی کو ہاتھ لگاتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ اور ناقص، نااہل سونے کو پکڑے تو وہ مٹی بن جاتا ہے۔ اللہ کے سامنے طاعت سے بڑھ کر اس کی ذات ہے۔ اس کے کفر کے سامنے سب کچھ ایمان بن جاتا ہے۔)

لیکن توکل چونکہ مدارج علیا میں بہت بڑا مرتبہ ہے اس لئے قناعت میں حضرات صوفی کی حالت حسب درجات ان کے مختلف ہے۔ توکل کا قلب سے تعلق ہے۔ اور یہ روحانی ترقی ہے۔ لہذا بعض حضرات بجهت صفت حال طلب رزق کے لئے توسل اور اسباب بھی اختیار کرتے ہیں اور کبھی کس بوسب بناتے ہیں۔

اور بعض اہل تجمعیت اور صاحب حال جن کی قوت اختیار یہ قضا و قدرت کی قوت کی قدرت کاملہ کے سامنے فنا ہو چکی ہے وہ کفالت حق تعالیٰ پر اکتفا فرماتے ہیں۔ اور یہ اہل یقین اسباب رزق کے لئے کوئی سبب پسند نہیں کرتے۔ اور نہ ماسوا اللہ سے استعانت چاہتے ہیں۔ جس قدر اور جس طریق سے مسبب الاسباب ان کو رزق پہنچاتا ہے اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت بایزید قدس سرہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں آپ کو کسی کام میں مشغول نہیں دیکھتا۔ آخر آپ کا سبب معاش کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ”مولائی برزق الكلب والخنزير و تراه الا برزق ابايزيد“ (میر امولا کتے کو رزق دیتا ہے اور خنزیر کو بھی، اور تود کیتے ہے، تو کیا وہ بایزید کو رزق نہیں دے گا۔) اور ہمارے حضور نے بھی متواتر یہ فرمایا ہے کہ ”جو شخص خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔“ اور مولا نا علیہ الرحمۃ نے بھی ایک

حکایت اسی مضمون کی لکھی ہے کہ۔

آں کیے زاہد شنید از مصطفیٰ کہ یقین آید بجان رزق خدا
گر تو خواہی ورنہ خواہی رزق تو پیش تو آید دواں از عشق تو
(ایک زاہد نے نبی پاکؐ کی ایک حدیث پاک سنی کہ یقین طور پر اللہ کا رزق بندے کو
پہنچتا ہے۔ اگر تو اس رزق کو پانے کی کوشش کرے تو تھیک ورنہ وہ رزق خود بخوبی دل کر
تجھ تک پہنچ جائے گا۔ تیری محبت کی وجہ سے دوڑتا ہوا تیرے سامنے آجائے گا۔)

پھر وہ زاہد اس تجربہ کے واسطے کہ رزق بے طلب کیوں کھر پہنچتا ہے۔ ایک پہاڑ
پر جا کر خاموش بیٹھا۔ ناگاہ ایک قافلہ ادھر سے گزر، اور اہل قافلہ کو حیرت ہوئی کہ
ایسے خوفناک مقام میں یہ کیوں پڑا ہے۔ دریافت کیا۔ مگر زاہد نے جب کوئی جواب یہ
دیا تو خیال ہوا کہ یہ بھوکا ہے، اور شدت ضعف سے طاقت کلام نہیں۔ فوراً روٹی لا کر
کھلانا چاہی لیکن زاہد نے دانت بند کر لئے۔ تب۔

کارڈ آور دند قوم اشتافتند بستہ دندنا نہاش را بیٹھا فتد
بنختند اندر دہانش شو ربا می فشر دند اندران نان پا رہا
گفت دل دانم بقادم می کنم راز قست اللہ بر جان و تم
امتحان زیں بیشتر خود چوں بود رزق سوئے صابر ان خود میرود
بعد ازاں پکشاد آں مسکین دہن گفت کرم امتحان کہ رزق من
ہرچہ گفت ست آں رسول پاک جیب بست حق و نیست دروے یقین ریب
(قوم دوڑی اور چھری لائی اور اس کے بند شدہ دانتوں کو آپس سے جدا کیا۔ اس کے
منہ میں انہوں نے شور باڑا والا اور روٹی ڈالی۔ اس نے کہا کہ میں دل سے جاتا ہوں کہ

اللہ تعالیٰ میرے جسم اور جان پر رازق ہے۔ اس سے بڑھ کر اور امتحان کس طرح ہو گا۔ رزق صبر کرنے والوں کی طرف خود چل کر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس مسکین نے مٹہ کھولا۔ اس نے کہا کہ میں امتحان کر رہا تھا کہ میرا رزق مجھ تک کیسے پہنچتا ہے۔ جو کچھ نبی پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ یا آدمی رزق تک پہنچ جاتا ہے یا رزق آدمی تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ سچی بات ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔)

اور بعض متولیین نہ خلق سے استغاثت چاہتے ہیں، اور نہ خالق سے روزی مانگتے ہیں۔ بقول حافظ علیہ الرحمۃ

نیست در دارہ یک نقطہ خلاف از کم و بیش

کہ من ایں مسئلہ بے چون و چرامی یعنی

(اس دائرہ میں ایک نقطہ بھی جو حضورؐ نے فرمایا ہے اس کے خلاف نہیں ہے نکم و بیش ہے۔ کیونکہ میں یہ مسئلہ بغیر کسی اعتراض کے دیکھ رہا ہوں۔)

جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا شناس اپنے علم واردت کو ذات خداوندی کے علم واردت کے آگے محو کرتے ہیں۔ اور تصدیق کامل کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ علم الہی جو بے پایاں اور غیر محدود ہے ہمارے مصالح ہم سے زیادہ جاتا ہے۔ اس لئے ان کا یقین کامل سوال کرنے سے ان کو مستغنى کر دیتا ہے۔ جیسا حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کہا تھا کہ ”حسبی عن سوالی علمه بحالی“ (میرا سوال کرنا اس کیلئے کافی ہے کہ وہ میرے حال سے واقف ہے۔) یہ مرتبہ عاشقان بالحداد و فقراء باصفا کا ہے چنانچہ مشہور مقولہ ہے کہ ”الفقر لا یحتاج الی الله“ (فقیر اللہ سے بھی کوئی حاجت طلب نہیں کرتا۔) اصطلاح تصوف میں ان متولیین کو اصحاب فتوح کہتے

ہیں کیونکہ رزق ان کا فتوحاتِ غیب پر منحصر ہے۔ جب بغیر طمع نفسِ غیب سے روزی پہنچتی ہے اس کو یہ قول کرتے ہیں۔

اور اسی طبقہ اہل فتوح میں بعض حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو فتوح غیب سے ان کو پہنچتا ہے۔ اس کے لینے میں بھی اور اس کے تقسیم کرنے میں بھی وہ توقف فرماتے ہیں اور ہر دو حال میں ہوائے نفس کو شریک جانتے ہیں۔

اور بعض متولیین فتوحاتِ غیب کے لینے میں تامل کرتے ہیں اور دوسروں پر تقسیم کرنے میں تردید نہیں فرماتے اس لئے کہ تقسیم کرنے میں حظ نفس کا اشتراک نہیں دیکھتے۔

اور اکثر قناعت گزیں تقسیم کرنے میں توقف فرماتے ہیں اور فتوحاتِ غیب کے لینے میں تامل نہیں کرتے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ فتوحاتِ غیب کے آنے کو محض اختیار معبود اور مجرد فعل حق جانتے ہیں اور اس کی تقسیم کو اپنا اختیار اور فعل سمجھتے ہیں۔

اور بعض مقررین نہ فتوحاتِ غیب کے لینے میں توقف فرماتے ہیں اور نہ اس کی تقسیم میں تامل کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نور تو جید مطلق کے آگے ایسے محو اور مستغق ہوتے ہیں کہ ان کو دوئی نظر نہیں آتی۔

الہذا حضراتِ متولیین کی شان ان کے حال اور واردات کے لحاظ سے مختلف اور جدا گانہ ہوتی ہے۔ ما و شما کا کام نہیں کہ قناعت کے مدعا ہوں۔ یہ منصب انہیں اپر ار اور مقدس بزرگوں کا ہے جو صاحب تحرید اور تعلقات دنیا سے دست بردار ہوتے ہیں ان کا صبر اور توکل اس کا مقتضی ہوتا ہے کہ غیر خدا سے استعانت چاہتے ہیں ن کہ کو رزقِ رسانی کا سبب ہاتے ہیں۔ جو کچھ بارگاہ مسبب الاسباب سے ان کا

پہنچتا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں لیکن باوجود اس اہمیت کے حضور نے اپنے غلاموں سے عام طور پر یہ ہدایت فرمائی کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔“ مگر کس خوبی کے ساتھ یہ ارشاد ہوا۔ اور شفقت وارثی نے ہماری حیثیت اور استعداد کے لحاظ سے ایسے جامع اور مناسب حال الفاظ میں یہ حکم صادر فرمایا کہ احتیاط کرنے سے جس کی قیمت ممکن ہوتی ہے۔ کیونکہ بہت آسان کر دیا ہے کہ صرف سوال کرنا جو یقینی اخلاق و عزت، شریعت و طریقت، نہ ہب و مشرب کے خلاف ہے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور چونکہ ہم علاق دنیا میں آلوہ ہیں اس لئے ہم کو تلاش معاش کی رخصت دی گئی اور یہ فرمایا کہ رزق کی بہم رسانی کے واسطے کسب بھی نہ کرو، حالانکہ وہ احکام جو حضور نے اپنے فقراء کے واسطے مخصوص طور پر صادر فرمائے ہیں، اور جن کا ذکر انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔ اس میں کسب و اسباب کی بھی قید ہے۔ مگر اس حکم عام کو ترک کب اور ترک اس باب کی شرط سے مشروط نہیں فرمایا۔ اور اسی قدر ارشاد ہوا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔“ (لَا يكْلِفَ اللَّهُ نفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا۔ سورۃ البقرۃ: ۲۸۶)

الغرض بصورت امر ہمیں یہ ہدایت ہوئی کہ ”محبت کرو۔“ اور منہیات میں لڑک سوال کو لازمی گردانا۔ اور تھوڑا انحر کرنے سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہی دو ہدایتیں ہمہ ریاضات اور مجاهدات کی اصل ہیں۔ مگر تا ہم اسکی بھی صراحت ضروری ہے کہ دیگر اکار و اشغال کے متعلق حضور نے ہماری کیا تعلیم فرمائی ہے گو اس کی پوری تفصیل تو انہیں اور محالات ہے۔ اس لئے کہ مخصوص ہدایتیں بھی مخصوص طور پر ہوئی ہیں۔ اور اس طبیب باطنی نے ہمارے مختلف طبائع اور جدا گانہ حالت کے لحاظ سے ہمارا علاج الیکٹوفونوں سے کیا جس کی تصریح میں ہماری واقفیت قاصر ہے اور اگر بقدر

معلومات نگارش بھی کریں تو اس مختصر رسالہ میں ان تمام ارشادات کی گنجائش نہیں۔ اور نہ اس رسالہ میں ان ہدایات کا تذکرہ مقصود ہے جو فرد افراد اعلام و ارثی سے مخصوص ہیں بلکہ انہیں ارشادات کا ذکر منظور ہے جن میں تعلیم ہو، اور جن کی تمامی مریدیں سے یکساں تعلق ہو اور جن کو اکثر برادران طریقت نے بگوش خود سنائی ہو۔

لہذا حقیقت یہ ہے کہ مثل دیگر طرق حضرات صوفیہ طریق مجت میں کسی ریاضت اور مجاہدات کا کوئی خاص قاعدہ محسن نہیں ہے۔ بقول ”مذهب عشق از همه دینها جداست“ (مذهب عشق تمام ادیان سے الگ ہے۔) چنانچہ جناب حضرت نے بھی متواتر یہ فرمایا ہے کہ ”مجت میں انتقام نہیں۔“ اور ظاہر ہے کہ انتقام کیونکر ہو۔ جب قلب میں سوز مجت جائز ہوا۔ اور دل مضطرب اور بے تاب ہو گیا تو جس وقت اور جس طریقہ سے اور جس زبان میں چاہتا ہے مطلوب کو یاد کرتا ہے جیسا مولانا علیہ الرحمۃ نے اس چرخا ہے کے قصہ میں فرمایا جو بہر ارجز و نیاز زبان حال سے شاہد حقیقی کی یاد میں مصروف تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی تہذید سے خاموش ہو گیا۔ جس کے سکوت کا یہ اثر ہوا کہ —

وْجِيْ آمِدْ سُونَّهْ موْسَىْ ازْ خَدا

بَنَدَهْ مَارَا زَمَنْ كَرْدَيِيْ جَدَا

(الله کی طرف سے موسیٰ کی طرف و جی آئی۔ ہمارے بندے کو تو نے کیوں ہم سے جدا کر دیا۔)

لیکن بمعنی انسانی بشریت مجت کا وابستہ بھی کسی شغل میں مصروف ضرور رہتا ہے اور اس شغل کی تحقیق اس سے زیادہ واضح اور مستند اور کیا ہو سکتی ہے کہ فرمایا حضرت

رسول کریم علیہ اتحدیۃ والسلام نے ”من احباب شیا اکثر ذکرہ“، یعنی عاشقوں کا وظیفہ یہی ہے کہ ہمیشہ محبوب کے نام کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

پس حضرت وارث عالم کی عنایت خاص سے جب ہم کو یہ ہدایت ہو چکی کہ ”محبت کرو“، جس کو محض روح سے سروکار ہے تو ہمارے واسطے ریاضت بھی اسی رعایت سے تجویز ہوئی جس کو قلب سے تعلق اور محبت سے مناسبت ہے۔ یعنی مختلف قواعد سے ہم کو ذکر اسم ذات کی تعلیم فرمائی۔ کیونکہ محبت ہمیشہ وصال ذات محبوب کا طلب گارا اور مساویے یار موجودات سے دست بردار رہتا ہے۔ اس لئے ہدایت بھی ہوئی تو اکثر ذکرہ کی رعایت سے کہ ”اسم ذات کو حرز جان بناؤ، اور مطلوب حقیقی کا نام لیا کرو۔“

چنانچہ مزان ہمایوں کا عام طور پر یہ انداز تھا کہ جب کسی طالب نے تعلیم کی استدعا کی تو ارشاد ہوا کہ ”اللہ اللہ کیا کرو۔“ اس تعلیم میں جس قدر سادگی ہے اسی قدر وہ متعدد خوبیوں سے مملو ہے۔ اس لئے کہ ذکر اسم ذات کے فضائل بے شمار ہیں۔ اور تمامی مشاہیر حضرات صوفیہ نے ذکر اسم ذات کو افضل فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ احمد ابوالعباس مری مرسی علیہ الرحمۃ جن کا اکابر عارفین میں شمار ہے، اپنے اصحاب کو اسم اللہ کے ذکر کی تاکید کرتے اور فرماتے تھے ”یا اسم سلطان الاسما“ ہے اور اس کی بساط اس کا شرہ ہے بساط اس کی علم ہے اور شرہ اس کا نور ہے اور اگر نور حاصل ہو جائے تو کشف و میاں کا وقوع ہوتا ہے۔” (طبقات الکبری)

علاوہ اس کے بیہی ایک ہدایت عام مریدین کے واسطے بھی مقید اور خواص کی کاربراری کے لئے بھی کافی تھی۔ مثلاً وہ طالب جس کے دل میں شوق وصال الہی نے

اپنا گھر بنانے کے لئے بھی بنیادِ الٰی ہے۔ یادوں سے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایسا مسافر راہ سلوک جس نے اس وادیٰ غیر محدود کی پہلی منزل طے کرنے کے لئے ہنوز کر باندھی ہے۔ اس کو اگر یہ ہدایت ہوئی تو وہ اسم ذات کا زبانی ورد کرتا تھا۔ اور بعض کے واسطے تعداد کی بھی قید اور وقت کی بھی پابندی تھی۔

اور وہ خوش نصیب جن کے قلب کو خدا نے صلاحیت اور استعداد مرحمت فرمائی تھی، ان کے لئے اسی اسم ذات کا ذکر بالبھر تجویز ہوتا تھا۔ اور جن کی طلب میں پچھلی اور جوش میں ترقی ہو جاتی تھی وہ بحرب و عده پاس انفاس ذکر اسم ذات کے عامل ہوتے تھے۔

چنانچہ محققین حضرات صوفیہ نے اس میں بحث کی ہے کہ طالب کے لئے ذکر بالبھر بہتر ہے یا بالخفا۔ لیکن اس کا تصفیہ یہ فرمایا ہے کہ ذکر کا طریقہ ذاکر کی حالت پر منحصر ہے جس کی تصریح شیخ محمد عبد الوہب شاذلی علیہ الرحمۃ نے یہ کی ہے کہ ”جو طالب مبتدی ہے اس کے لئے ذکر بالبھر افضل ہے۔ اور جس پر جمیعت غالب ہوا اس کے لئے ذکر سری مفید ہے اور حضرت ابو الحسین بن جان جومصر کے مشاہیر صوفیہ میں سے تھے فرمایا ہے کہ ”زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا درجات پیدا کرتا ہے۔ اور قلب سے اس کا ذکر کرنا قرابت پیدا کرتا ہے۔“ (طبقات الکبری)

بعض طالبین کو جناب حضرت نے ذکر اسم ذات جلالی طریقہ سے بھی تعلیم فرمایا۔ یعنی اللہ کی ہا کو پیش کے ساتھ اس طرح پڑھو کہ جس سے واو کا انٹھا ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور نے ایک حلقوں میں کو ذکر اللہ ہو جب تعلیم فرمایا تو اس نے یہ عرض کیا کہ اس کی تعمیل بالبھر کروں یا بالخفاء۔ آپ نے اس کی بھی تصریح کر دی کہ تہائی

محض یا صحراء میں باخبر کرنا اور ہر وقت بالخفا۔

اور ایک مرتبہ حضور نے اپنے ایک تہبیند پوش کو ذکر اللہ ہو تعلیم فرمایا۔

دوسرے مریب نے بھی جو اسی جلسے میں موجود تھا، استدعا کی۔ اس کو آپ نے اسم ذات کا حکم دیا۔ اور پاس انفاس کا قاعدہ بتایا۔ اس نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ ذکر اللہ ہو کا مجھ کو بھی حکم ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے واسطے بھی مناسب ہے۔

اور بعض دست گرفتہ جن کے دل کو سوز محبت سے سروکار ہوتا تھا۔ ان کے

ذکر پاس انفاس میں بھی تبدیلی کی جاتی تھی۔ اور ذکر کا وہ طریقہ تعلیم ہوتا تھا کہ جس کو خیال سے تعلق ہوتا تھا۔

غرض مختلف صورتوں میں آپ نے ذکر اسم ذات کی تعلیم فرمائی لیکن ان غلامان وارثی کی تعداد زیادہ ہے جو ذکر بالخفا کرتے ہیں۔ اور حضور نے بھی عام طور پر متواتر فرمایا ہے کہ عاشق وہ ہے جس کی کوئی سانس خالی نہ جائے۔ چنانچہ یہ بھی آیا ہے کہ ”صلوٰۃ الانبیاء والـ ولیاء حبس الحواس وعدـ الا نفاس عند القلوب من نیاز المحبوب“ (انبیاء اور اولیاء کی نماز اپنے حواس کو بند رکھنا اور اپنے دل میں سانسوں کی مالا جپنا، کوئی سانس خالی نہ جانے وینا۔ یہ محبوب کی نیاز مندی سے ہے۔) بلکہ اسی مضمون کو آپ کے فقیر او گھٹ شاہ صاحب نے بطور یاداشت زبان برج بھاشامیں یوں نظم کیا ہے۔

او گھٹ چیلا وہی گئی جو اپنی سدھ براۓ

دھیان رہے اور گیان رکھے اور سانس نہ خالی جائے

علی ہذا مشاہیر حضرات صوفیہ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ جب عارف بعہ نفلت

کے ایک سانس میں بھی ذکر کو ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر نفس کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور وہی اس کا مصاحب ہو جاتا ہے۔

اور شیخ ابوالجیب عبد القادر سہروردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ”اہل تصوف کے نزدیک سب سے افضل انفاس کا شمار ہے۔ اور شیخ احمد بن الحسین رفاعی کا مقول ہے کہ فقیر کو لازم ہے کہ اپنی ہر سانس کو سرخ گندھ ک سے زیادہ قیمتی سمجھے، اور اس لئے ہر سانس میں وہی چیز و دلیلت کرے جو سب سے قیمتی ہو۔ پس اس کی کوئی سانس خالی نہ جائے اور حضرت بولی شاہ قلندر فرماتے ہیں۔“

پاس دار انفاس اے اہل خود	تاترایں قافلہ منزل برد
ہوش در دم دار اے مرد خدا	یک نفس یک دم مباش از حق جدا
اسم ذات او جو بر دل نقش بست	سکد ضرب محبت خوش نشت
غیر نقش دل نقش اللہ را اے دل مخواہ	گشت چوں بر نقش دل نقش اللہ
چوں شوی فانی تو از ذکر خدا	راہ یابی در حریم کبریا

(اے عظمند آدمی اپنے سانس کی حفاظت کر، تا کہ تجھے یہ قافلہ منزل تک پہنچا دے۔ اے مرد خدا اپنے سانس میں ہوش رکھ، خبردار رہ۔ ایک لمحہ بھی، ایک دم بھی اپنے اللہ سے جدا نہ ہو۔ اللہ کا اسم ذات جب تو نے دل پر نقش کر لیا تو گویا اللہ کی بہترین محبت کی مہر اس پر لگالی۔ جب دل پر اللہ کا نقش ہو گیا تو اے دل اللہ کے نقش کے سوا اور کوئی شے نہ چاہ۔ جب تو اللہ کے ذکر میں فنا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں توراستہ حاصل کر لے گا۔)

اور درحقیقت ذکر اسی شان سے کرنا چاہئے۔ کیونکہ ذکر نہیں ان کی ضد ہے۔

اور اسی وجہ سے عین عبادت ہے۔ اور جب عبادت میں سہوا و نقصان ہو تو طالب کی طلب صادق میں نقصان سمجھا جائے گا۔ اور یاد مطلوب میں نقصان محبت کے منافی ہے۔ بدیں وجہ حضور نے اپنے علماء کو شمار انفاس کی ہدایت فرمائی جس کو محبت سے کامل نسبت ہے۔

چونکہ باعتبار و مگر اذکار اسم ذات میں کسی قدر تعلیم ضرور پائی جاتی ہے اس سبب سے میں نے اس کا ذکر کرہ کیا کہ اگر اس کو عام ہدایت کہا جائے تو بے جانہ ہو گا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس کی جیسی طلب واستعداد تھی، اسی لحاظ سے اس کی ہدایت ہوئی چنانچہ کسی کو ذکر نہیں کا حکم ہوا۔ اور وہ بھی مختلف طریقے سے کسی کو صرف اثبات یعنی الا اللہ کا ذکر تعلیم فرمایا۔ اور قدیم حلقوں بگوش اکثر اسم حق کے عامل تھے۔ اور ان میں یہ دیکھا ہے کہ مختلف طریقے سے وہ اسم حق کا ذکر کرتے تھے۔ بعض بالخفا بعض بالتجہ اور پھر بالتجہ میں بھی تفریق تھی۔ بعض اسم حق کو باہر کی سانس میں اعلیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے فقیر معصوم شاہ صاحب جن کا زیادہ قیام دہلی میں رہتا تھا۔ ان کے ذکر کا یہی طریقہ تھا۔ اور ضلع بارہ بیکنی کے متولن عبداللہ شاہ جن کا لقب حق شاہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی اسی صورت سے اسم حق کا ذکر کرتے تھے۔ بلکہ ان کی ضرب تو اسی پختہ اور موڑ تھی کہ جب وہ ذکر کرتے تھے تو حاضرین کی زبان پر بے ساختہ اسم حق جاری ہو جاتا تھا۔

اور بعض فقراء کی ضرب فضائی قلب سے تعلق رکھتی تھی جیسے کہ شاہ ولی انصاری جن کا امر ہے میں مزار ہے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جس جلسہ میں وہ ذکر کرتے تھے ان کی ضرب اس شدومہ کے ساتھ فضائی قلب پڑتی تھی کہ ایک قسم کی آواز آتی تھی، اور

سامعین کے قلب بے چین ہو جاتے تھے۔

علی ہذا غلامان دارثی کو جس طرح اسم ذات کی تعلیم زیادہ ہوئی اسی طرح
جناب والا نے ذکر درود شریف کی بھی ہدایت متواتر فرمائی، اور اکثر مریدین کی استدعا
پر یہ حکم دیا کہ ”درود شریف پڑھا کرو۔ لیکن طالب کی حالت کو ضرور ملاحظہ رکھا۔ اور جو حکم
جس کے لائق مغاید متصور ہوا، وہی اس کو دیا۔ کسی کے واسطے تعداد بھی متعین فرمائی۔ کسی
کو مسلسل وردی ہدایت ہوئی۔ اور اگر کسی نے دریافت کیا کہ کس درود کا اور کروں؟ تو
اس کے لئے کسی خاص درود کی تصریح بھی کر دی۔ لیکن اکثر آپ نے ”اللهم صل
علی محمد و آل محمد و بارک و سلم“ کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

گویہ طریقہ تعلیم بہت سادہ ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ عاملہ مریدین کے
لئے بھی ذکر درود شریف کی تعلیم خصوصیت سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ علاوہ فیضان
باطنی کے بظاہر بھی جناب حضرت ذا کر کی حیثیت واستعداد کے لحاظ سے کوئی ایسا
قاعده ضرور تعلیم فرمادیتے تھے جس کو روحانیت سے تعلق اور محبت سے نسبت ہوتی
تھی۔ کیونکہ آپ مجتهد فی طریق الحُبْشَیْن ہیں۔ اس لئے آپ کی کوئی ہدایت اسی نہیں
دیکھی جس کو محبت سے نسبت نہ ہو۔ اور درود شریف تو کلیتہ مقتضائے محبت ہے۔ جیسا
کہ صاحب تفسیر عرائیں البيان نے جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ میں لکھا ہے ”قال ابن عطا الصلوة
من الله وصلة و من الملائكة رفعه ومن الامة متابعة و محبته“ کہ صلوة
من اللہ کی حقیقت اس کا وصل ہے اور درود ملائکہ کی تعریف رسول اکرم صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم کی شان و رفتہ کا اظہار ہے جب امت کی طرف سے درود پیش ہو گا تو آپ
کی متابعت اور محبت مقصود ہو گی۔

ابن عطا کے اس قول سے واضح ہو گیا کہ ہمارے ہدیہ درود کی ماہیت یہ ہے کہ ہم بہزار تیز و نیاز بارگاہ رسالت میں آپ کی متابعت اور محبت کی درخواست کرتے ہیں اس لئے محض لسانی استدعا، متابعت اور محبت کے واسطے کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ یہ درخواست زبان قلب سے ہو۔ کیونکہ متابعت اور محبت کو قلب دروح سے تعلق ہے اس واسطے ذکر درود شریف کے لئے حضور وارث عالم نے یہ لازمی گروانا کہ ذاکر کی حیثیت کے لحاظ سے گواں کی ابتدائی حالت کیوں نہ ہو مگر درود لسانی کے ساتھ قلبی و روحی مشارکت ضرور ہو۔ اور جس قدر ذاکر کی استعداد میں ترقی ہوا سی قدر روحی مشارکت زیادہ ہوتی جائے حتیٰ کہ جب ذاکر یکسوئی اور جمیعت حاصل ہو تو محض زبان قلب سے اور پھر خیال سے یا استدعا کرے۔ اور بالآخر ذاکر و مذکور میں فرق و امتیاز نہ ہے۔ بقول حضرت بہلول علیہ الرحمۃ

ذکر و فکر و زہد و تقویٰ سونختہ

بچہ و صلٰ حقیقی دوختہ

(جب تو اصل بحق ہو جائے گا تو ذکر اور فکر، زہد اور تقویٰ سب ختم ہو جائیں گے۔)
اگر یہ شبہ ہو کہ متابعت اور محبت میں منافات یا تفاوت ہے کہ محبت کیفیت قلبی اور ابتعاع جوارج کا فعل معلوم ہوتا ہے جس کے لغوی معنی پیروی کے ہیں۔ تو رفع شک کے واسطے تھوڑا غور درکار ہے۔ اور سمجھنا چاہئے کہ متابعت کے معنی پیروی کرنا ضرور ہے مگر پیروی جوارج کے واسطے مخصوص بھی نہیں ہے۔ قلب سے بھی خیال سے بھی پیروی ہو سکتی ہے بلکہ یہ پیروی افضل ہے جوارج کی پیروی سے۔ علاوہ اس کے ابن عطا نے متابعت اور محبت کا کیسا ذکر کیا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ محبت کو محض قلب

سے تعلق ہے تو لازم ہوا کہ متابعت سے بہاں وہی اتباع مراد ہو جس کو محبت کی طرح قلب سے سروکار ہے۔ اور متابعت کو قلب سے نسبت ضرور ہے۔ کیونکہ قبیح اسی فعل کو کرتا ہے جو مرغوب اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ اور رغبت اور پسندیدگی قلب کا عمل اور محبت کا نتیجہ ہے یا یوں کہا جائے کہ رغبت کے واسطے محبت لازم اور محبت کے لئے رغبت ملزوم ہے اور بغیر رغبت و محبت متابعت محال ہے۔

قطع نظر اس کے حضرات عارفین نے متابعت کی حقیقت وہی بیان کی ہے جو محبت کی ہے۔ چنانچہ امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو قطب زمال اور سلسلۃ شاذلیہ کے شیخ الطائف تھے فرمایا ہے کہ ”میں نے رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، اور عرض کیا کہ رسول اللہ متابعت کی حقیقت کیا ہے؟“ انحضرت نے فرمایا کہ ہر شے کے نزدیک اور ہر شے میں متیوع کا دیکھنا۔ اور یہی تعریف محبت کی ہے ”بِحَرْقِ
مَا سُوَءَ الْمَحْبُوبِ“ کہ بجز محبوب کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔

ایسے مقتدر محدث کی مستند کتاب سے اور ایسے مقدس اور ابرار شخص کا قول اور وہ بھی ان کا ذاتی اجتہاد نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کردہ متابعت کی حقیقت جب معلوم ہو گئی تو اب وہ شہر نہیں ہو سکتا کہ متابعت اور محبت کا ایک حکم نہیں بلکہ متابعت اور محبت کی وہی تعریف ہے جو ابن عطاء نے بیان کی۔

علی ہذا حضرت روز بہاں مقنی الشیرازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر عرائی البیان فی حقائق القرآن میں آیہ کریمہ ”اَنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يَصْلُوُنَ عَلَى النَّبِيِّ . يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا“ (بے شک اللہ اور اس کے

فرشته نبی کرم ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں، تم بھی اے ایمان والو! ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔ سورہ الاحزاب: ۵۶) کی تحت میں صلوٰۃ من اللہ و صلوٰۃ ملائکہ کی تعریف کے بعد صلوٰۃ امت کی نسبت لکھا ہے۔ کہ صلوٰۃ الامم علیہ متا بعثہم لہ و محبتہم ایاہ و الشاء علیہ بالذکر الجميل“ (امت کی صلوٰۃ آپ کی اپنائی کرنا اور خاص طور پر اس کے ساتھ مجتب کرنا ہے اور اس کی حمد و شاء کرنا ہے، اچھے انداز سے۔) کہ آپ کی متابعت اور مجتب میں ذکر جمیل کے ساتھ آپ کی تعریف کریں۔

دروڑ شریف کی یہ تعریف جو روز بہاں علیہ الرحمت نے بیان کی ہے اور مجتب کی تعریف مردا ف ہے کہ مجتب اپنے محبوب کی متابعت اور ذکر کرتا ہے۔ بمصادق ”فقد اکثر ذکرہ“ اور مسلمہ ہے کہ مجتب کو قلب سے تعلق ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ ذکر درود شریف کو بقدر امکان واستعداد قلب سے سروکار ہو۔

اسی طرح ابن عربی علیہ الرحمت نے متابعت اور مجتب کو یکساں بیان کیا ہے۔ اور اپنی تفسیر میں آیہ ان اللہ و ملائکہ يصلون علی النبی (الی آخرہ) کے تحت میں صلوٰۃ امت کی اور زیادہ وضاحت فرمائی ہے۔ اور لکھا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی یہ ہیں ”حقيقة صلوٰۃہم علیہ قبول لهم بهدایة و کماله و محبتہم لذاته و صفاتہ“ درود امت کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ہدایت کو قبول کریں۔ اور مجتب ذات و صفات میں محو ہو جائیں۔ لیکن یہ مرتبہ ان ذاکرین صلوٰۃ کا ہے جن کو ذات سے سروکار ہوتا ہے جیسا کہ تفسیر عربیں الہیان میں آیہ ”یا ایها الذین امتو اذکروا اللہ“ (اے ایمان والو! تم اللہ کا ذکر کر کر شرست سے کیا کرو۔ سورہ الاحزاب: ۳۱) کی تفسیر

میں مارچ ذکر کی نسبت لکھا ہے کہ ”باللسان فی مقام النفس والحضور فی مقام القلب المنساجة فی مقام السر والمشاهدة فی مقام الروح و المواصلة فی مقام الخفا و الفنا فی مقام الذات“ (زبان سے دل میں ذکر کرنا اور دل میں ہر وقت اللہ کے جلوہ کو حاضر رکھنا۔ سر یعنی نفس میں اللہ سے سرگوشی کرنا اور روح سے مشاہدہ کرنا، مقام خفا میں واصل بحق ہونا اور فنا فی ذات ہو جانا۔) اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ ذکر میں بخاطر استعداد و تفرقہ ہے اور ذکر کے مارچ ہیں کہ زبانی ذکر مقام نفس ہے اور حضوری مقام قلب ہے اور مناجات مقام سر ہے اور مشاہدہ جمال مقام روح ہے اور صل مطلوب مقام خفا اور فنا یعنی ہستی مطلوب کے سامنے ذا کر کے وجود ہستی کا نیست و نابود ہونا مقام ذات ہے اور یہ بغیر محبت کے حاصل نہیں ہوتا۔

اسی واسطے ہمارے سرکار عالم پناہ نے ذکر درود شریف کی تعلیم اسی قاعدہ سے فرمائی جس کو روحانیت سے تعلق اور محبت سے نسبت تھی۔ بلکہ بعض مریدین کو ذکر درود شریف جلالی قاعدہ سے تعلیم فرمایا جس سے وہ بہت جلد کامیاب اور فائز المرام ہوئے۔ چنانچہ یہ مشہور واقعہ ہے کہ عبدالصمد ساکن مسوی ضلع بارہ بیکنی نے استدعا کی کہ ذکر درود شریف کی جلالی قاعدہ سے بدایت ہو اور حضور کی بندہ نوازی تھی کہ اسی قاعدہ سے ذکر درود شریف ان کو تعلیم فرمایا جس کی تعداد بھی بہت کم تھی لیکن مشاہدات کی تاب ان کو نہ ہوئی، آخر پڑھنا موقوف کر دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ فضیحت شاہ صاحب جو محمر اور اذکار و اشغال سے بخوبی واقف تھے حضور کا تھا طب پا کرتا زہ تعلیم کے متدعی ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ ”درود

شریف پڑھا کرو، انہوں نے تعداد کی بھی صراحت چاہی تو فرمایا کہ ”پانچ سو مرتبہ پڑھا کرو، مجھ کو یہ خیال ہوا کہ یہ صاحب جوش اور باخبر فقیر ہیں ضرور ان کو جلائی طریق سے درود شریف تعلیم ہوگا لیکن اس قaudہ کے لحاظ سے چونکہ تعداد زیادہ تھی اور شاہ صاحب کی آسانی بھی مطلوب تھی۔ اس وجہ سے عرض کیا کہ حضور تعداد زیادہ ہے ارشاد ہوا کہ اچھا، سو مرتبہ پڑھا کریں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس کا بھی تحلیل شاید ناممکن ہوگا۔ اس وقت حضور نے فرمایا کہ ”جلائی قaudہ سے نہیں، بلکہ معمولی طریقہ سے بتایا ہے“ اور فضیحت شاہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”تم پانچ سو مرتبہ درود شریف سب کو پڑھ لیا کرو۔ اور جو شغل تمہارا ہے اس کو قائم رکھو۔“

لیکن حضور اکثر یہ فرماتے تھے کہ ”بغیر محبت کے ذکر سے بھی کچھ نہیں ہوتا“ اور بھی یہ ارشاد ہوتا تھا کہ ”اسی ذکر سے فائدہ ہوتا ہے جو بے غرض ہوتا ہے۔“ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ریاضت بغیر محبت کے بے سود ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشرب محبت میں ریاضت کا عین اصول یہ ہے کہ بھر رضاۓ مطلوب جملہ خواہشات سے بے غرض اور تمامی مرادات سے بے واسطہ رہنا لازمی ہے۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

من ہماندم کہ وضوسا ختم از چشمہ عشق۔

چار تکبیر زدم تکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

(جب میں عشق کے چشمہ سے وضوسہ کرتا ہوں تو جو کچھ اس ذات میں موجود ہیں میں انہیں ذبح کر دیتا ہوں۔)

اور صاحب مراثۃ الاسرار نے عارف ربانی حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی علیہ

الرحمتہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ”از روے پر سیدنہ کہ اخلاص چوت۔ گفت ہرچہ
برائے حق کئی اخلاص است وہرچہ برائے خود کئی ریاست۔“ (آپ سے پوچھا گیا کہ
اخلاص کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تو اللہ کیلئے کرے گا اخلاص ہے اور جو کچھ تو
اپنے لئے کرے گا وہ ریاست ہے۔)

خلاصہ یہ کہ غلامان وارثی کی تعلیم ان کی حالت اور یقینت کے لحاظ سے ہوئی
جس کی تشریع ناممکن ہے اور یہ مختصر تصریح بھی تمثیلاً نگارش ہوئی۔ ورنہ حضور کی وہ تعلیم
جس کا ہمیں فخر و ناز ہے وہ نااحاطہ تحریر میں آسکتی ہے اور نہ تقریر سے اس کی حقیقت ادا
کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس کے اظہار میں یوں کہنا چاہئے کہ گونگے کا خواب ہے کہ دیکھا
سب کچھ مگر بیان نہیں کر سکتا جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جو الفاظ ہم کو بیاد ہیں، وہ اس
حالت کے اظہار کے واسطے کافی نہیں۔ ہاں مجملہ اور اشارۃ اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ۔
”ایک آگ ہی ہے سینے کے اندر گلی ہوئی“

اور جانتے ہیں کہ اس آگ نے ہماری ہستی کو بر باد کیا۔ مگر پھر بھی زبان سے
نکلتا ہے تو یہی نکلتا ہے۔

اگرچہ مستی عشق خراب کرد ولے

اس س ہستی من زیں خراب آباد است

(اگرچہ تیرے عشق کی مستی نے مجھے خراب کر دیا ہے۔ لیکن میری ذات کی بنیاد اسی
خرابی سے آباد ہوئی۔)

حقیقت یہ ہے کہ اصل تعلیم جو کچھ ہوئی ہے۔ حضور کی توجہ خاص سے ہوئی
ہے جس میں ہماری سمجھی اور کوشش کو کچھ دخل نہیں۔ اور یوں ہی آج بھی ہوتی ہے۔ اور

ان شاء اللہ ہمیشہ ہوگی۔ اور بڑے بڑے سمجھدار اس کی مہیت دریافت کرنے میں قاصر و مجبور رہیں گے۔ کیونکہ حضور کا مشرب عشق تھا۔ اور غلاموں کی تعلیم بھی ہوئی تو محبت کی ہوئی جس کی حقیقت کا اظہار ناممکن بلکہ محالات سے ہے۔

پس جس طرح عامد مریدین کو بظاہر ذکر کرامہ ذات اور درودخوانی کی ہدایت ہوئی، اسی طرح حضور نے بغیر کسی تخصیص کے جملہ مریدین کو بار بار اس کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ تصور میں پختگی حاصل کرو۔ چنانچہ قریب قریب روز مرہ ایسا ہوا ہے کہ جب آپ نے غلاموں کی جانب تناظر فرمایا، تو مجملہ دیگر نصائح کے صاف لفظوں میں یہ بھی ارشاد ہوتا تھا کہ ”ایک صورت کو پکڑ لو وہی تمہارے ساتھ رہے گی۔“ اور اکثر اس مضمون کو اپنے ان الفاظ میں عام طور سے فرمایا ہے کہ ”جو صورت تمہارے ساتھ رہے گی وہی مرتب وقت اور وہی قبر میں اور وہی حشر میں تمہارے ساتھ رہے گی۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”جس کے تصور میں مرد گے قیامت کے روز اسی صورت کو دیکھو گے۔“

یہ ہدایات بالمعنی مراد ف ہیں۔ اور باوجود اختصار کے تھوڑا انفور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشادات بہت بڑے انعامات ہیں۔ اور حصول مرادات کا اسی شغل پر انحصار ہے۔ اور یہ میں دست گیری اور غلام نوازی کی شان ہے کہ جماںے وارث عالم پناہ نے ایک شغل کے عوض میں اس قدر وسیع وعدہ فرمایا جو ہماری امید اور آرزو سے بہت زیادہ اور جملہ خواہشات و مرادات کی درستگی کے واسطے کافی اور بس

ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ غلامان وارثی جو اس ہدایت پر عمل کرتے اور دولت

سرمدی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور بڑے عالی ظرف ہیں جن کے گوشے دل میں
برزخ پیشوامحفوظ ہے۔ واللہ ان کی زندگی بھی بے بہانہ نہی ہے، اور ان کا مرنا بھی ان
کے واسطے حیات جاوید سے بہتر ہے۔ اور روز قیامت بھی ان کے لئے شب وصال
سے کم نہ ہوگا، کہ اپنے محبوب کی تصویر سے ہم کنار عرصہ محشر میں آئیں گے۔ اور آج
بھی انہیں کوشایاں ہے کہ بہزار فخر و مبارکات وہ کہہ سکتے ہیں کہ

روز قیامت ہر کے دردست گیر دنامہ

من نیز حاضری شوم تصویر جاناں دربغل

(قیامت کے دن ہر شخص اپنے ہاتھ میں نامہ اعمال پکڑے گا لیکن میں جب حاضر
ہوں گا تو میری بغل میں اپنے محبوب کی تصویر ہوگی۔)

ان ہدایات کی شرح اور تصور شیخ کی خوبیوں کا ذکر اگر بصریح کیا جائے تو
بہت زیادہ طوالت ہوگی۔ کیونکہ حضرات عارفین نے اپنی تصانیف میں تصور شیخ کے
فوائد نہایت شرح و بسط کے ساتھ ارتقا فرمائے ہیں جن کے دیکھنے سے صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ مرید کی یافت پیشوائے تصور پر منحصر ہے۔ اور سالک کو منازل سلوک میں بھی
برزخ شیخ حضر راہ بن کر جواہ مطلوب حقیقی تک پہنچاتی ہے۔ اور اسی تصور شیخ سے
طالب صادق اسرار الہی کا مشاہدہ کرتا ہے جس کا اقرار حضرت حافظ شیراز نے بھی کیا
ہے۔

ہر دم از روئے تو نقشے زندم راہ خیال

با کے گوئیم کہ در میں پر دہ چھاہی یعنی

(میں ہر لمحہ اپنے خیال میں تیرے رُخ انور کا نقش بناتا ہوں۔ میں کس سے بیان

کروں کہ میں پر دے میں کیا دیکھتا ہوں۔)

علیٰ بُنَاحِدْرَتِ مولانا قدس سرہ نے بھی اپنی مشتوی میں تصور شیخ کے مفاد
بکثرت بیان فرمائے ہیں۔ بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ صورت متصورہ حشر میں ظاہر ہوگی۔
اور ہمارے فہم کے لائق اس کی تمثیل یہ دی ہے کہ جس طرح جنم زمین کے اندر پوشیدہ
روہ کر آخ رپ شکل غل ظاہر ہوتا ہے۔ جو درحقیقت اس کی اصلی صورت ہے۔ اسی طرح جو
صورت آج مزروعہ دل میں مخفی ہے یہ کل قیامت کے روز اپنی اصلی صورت پر نمایاں
ہوگی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

آں خیالے از دروں آید بروں چوں زمیں کہ زائد از جنم دروں
ہر خیالے کہ کند در دل وطن روز محشر صورتے خواہد شدن
(وہ خیال باطن سے ظاہر میں آتا ہے۔ جیسے زمین اندر کے بیچ سے بڑھ جاتی ہے۔ روز
محشر ہمارے اندر کا بیچ باہر آ جائے گا۔ ہر وہ خیال جو دل میں اپنا وطن بنایتا ہے قیامت
کے دن اس خیال کی ایک صورت اس کے سامنے آ جائے گی۔)

اور دوسری جگہ مولانا موصوف نے مفاد تصور کی وضاحت اور زیادہ فرمائی
ہے اور صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے کہ جو صورت اس عالم میں دل نہیں ہوگی اسکے
صورت متصورہ کے ساتھ محضور ہونا لازمی ہے۔ وحودہ

صورتے کاں بر نہادت غالب است

ہم بر اں تصویر حشرت واجب است

(وہی صورت جو تیرے دل پر غالب ہے روزِ محشر تو لازمی اسی صورت کے ساتھ ہے

(گا۔)

علاوہ اس کے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”کما تعيشون تموتون کما تموتون تبعثون“۔ یعنی زندگی میں جو خیال رہے گا، اسی خیال میں مرد گے اور جس خیال میں مرد گے اسی خیال میں مشور ہو گے۔ اس مستند حدیث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اہل تصور کی موت صورت متصورہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور وہ قیامت کے روز بھی اسی صورت متصورہ کے ساتھ مشور ہوں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تصور کسی صورت محمود کا ہے تو فائدہ اٹھائیں گے۔ اور اگر شخص مذموم کا ہے تو ذلیل ہوں گے لفظان پائیں گے، اور اس کا تصفیہ کہ خیال محمود اور تصور مذموم کا فرق و امتیاز کیونکر ہو اس کے واسطے حضرات عارفین کی تصنیفات کا مطالعہ کافی ہے۔ جن کا ایک ایک ورق زبان حال سے منادی کرتا ہے کہ دنیا میں رہنمائے کامل کے تصور سے بہتر اور محمود کوئی خیال نہیں۔ اس واسطے کہ خیال صحبت روحانی ہے۔ اور یہ مسلم الثبوت ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا کا یہ مقولہ مشہور ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالع ترا طالع کند

(نیک آدمی کی سنگت اسے نیک بنا دیتی ہے اور برے آدمی کی سنگت اسے برآبنا دیتی ہے۔)

پس پیشوائے طریقت کی صحبت عقلاء نقلاً محمود و مسعود ہے۔ اس لئے تصور شیخ جملہ موجودات کے خیال سے افضل ہے۔ اور جب ایسے سعید خیال کے ساتھ میریں گے، اور اسی خیال کے ساتھ مشور ہوں گے تو ضرور سعادت نصیب ہو گی۔

لہذا اس مستند حدیث کا صحیح اور با محاورہ ترجمہ یہی ہو سکتا ہے جو حضور نے

اپنے غلاموں کو بشارت دی کہ ”جو صورت تمہارے ساتھ یہاں رہے گی، وہی مرتے وقت، وہی قبر میں، وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔“ جس سے معلوم ہو گیا کہ حصول مقصود اصلی تصور شیخ پر موقوف ہے۔ بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی اسی برزخ شیخ کی امداد اور دست گیری سے ہم کامیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ عنایت اللہ تعالیٰ اور سید پور جو بارگاہ وارثی کے قدیم حلقة گوش تھے، اور حضورؐ بھی ان کے حال پر خاص توجہ فرماتے تھے، خدمت والا میں ملت میں ہوئے کہ تعلقات زمینداری ہمیشہ پچیدہ رہتے ہیں لہذا کوئی اسم حلال مشکلات تعلیم ہو جس کا ورد کروں، حضور نے مبتسم بیوں سے فرمایا، کہ ”شیخ جی جب کوئی مشکل پیش آئے تو ہمارا تصور کر لیا کرو“ شیخ صاحب موصوف نے آخر عمر تک اس بُدایت وارثی پر عمل کیا۔ اور ہمیشہ ان کو مشکلات اور مہمات میں اسی تصور شیخ کی بدولت کامیابی نصیب ہوئی۔

علیٰ بَدَّ امْوَالُوْيِيْ مُحَمَّدٌ سَجِيْيِيْ وَكِيلٌ وَرَبِّيْسٌ عَظِيمٌ آبَا دِجْنَ كی عادت تھی کہ حضوری کے وقت بخلاف ادب ساکت اور خاموش رہتے تھے۔ اور جناب حضرت بھی مخصوص طور پر عنایت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب تم تصور کیا کرو۔“ مولوی صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ یہ بھی ارشاد ہو کہ کس کا تصور کروں؟ اس وقت جناب والا نے شرم آمیز تبسم کے ساتھ چہرہ انور پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ ”مولوی صاحب اسی صورت کا تصور کیا کرو۔“ اس کے بعد رخ انور پر گونہ سرخی نمایاں ہوئی، اور پر جوش لجھے میں فرمایا کہ ”اگر ایسا نہ ہو تو انتظام خراب ہو جائے۔“

ایک مرتبہ حضور کی خدمت میں ایک تہینہ پوش حلقة گوش نے عرض کیا کہ جس

وقت ذکر کرتا ہوں تو مکسوئی اور جمعیت خاطر نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوا کہ ”تصور کیا کرو۔“ اس نے عرض کیا کہ کس کا تصور کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ”جس کو سب سے زیادہ دوست رکھتے ہو۔“ اس نے آپ کی جانب اشارہ کیا، اور کہا کہ میں تو اسی صورت کو دوست رکھتا ہوں۔ حکم ہوا کہ ”اسی صورت کا تصور کیا کرو۔ خیال بھی پختہ ہو جائے گا، اور یہی صورت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔“

اور کبھی آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عاشق کو ایک صورت کے سواد و سری صورت کا خیال حرام ہے۔“ لیکن قرینہ ہے کہ یہ حکم مخصوص ہے اور ان غلاموں کی جانب یہ خطاب ہوا ہوگا جن کے دل باخبر اور سوز و محبت سے گداز تھے۔ کیونکہ یہ منصب اہل محبت کا ہے جو مساویے یار موجودات سے سروکار نہیں رکھتے۔ اور درحقیقت تصور کامل بھی اسی کا نام ہے۔ جیسا بلبل شیراز نے فرمایا ہے۔

صحبتِ حور نہ خواہم کر بود عین قصور

با خیال تو اگر بادگرے پروازم

(حور کی صحبت میں نہیں چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ ایک میمن صورت ہے۔ تیرے خیال کے ساتھ اگر میں کسی دوسرے کے ساتھ مشغول ہو جاؤں تو یہ عین غلطی ہے۔)

یہ عاشقان صادق بعد انقطاع تعلقات ہر وقت مطلوب کی یاد میں مطلوب ہی کا خیال کرتے ہیں۔ اور ہر صورت میں مطلوب ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ اور دوسری صورت کی دید کو حرام جانتے ہیں۔ بقول

گرچشم بروئے دگرے بازکنم

حق نمک حسن تو کو رم سازد

(اے میرے محبوب! اگر میں اس آنکھ سے کسی غیر کا چہرہ دیکھوں تو تیرے حسن کا حق نہ کخواری مجھے انداز کر دے۔)

اگر یہ کہا جائے کہ تصور کا طریقہ کیا تعلیم فرمایا ہے؟ تو اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ جس طرح ذکر اسم ذات کی تعلیم مختصر طور پر ہوئی، اسی طرح حضور نے اپنے غلاموں کو تصور کی بھی ہدایت ان کی حالت اور استعداد کے حاظاً سے مختلف طریقہ سے کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ طریقہ محبت میں جس طرح ذکر کے واسطے کوئی خاص قاعدہ معین نہیں ہے، اسی طرح شغل کے واسطے بھی کوئی طریقہ مخصوص نہیں۔ اہل محبت کو اذکار و اشغال کا طریقہ خود ان کا اضطرار خاطر بتا دیتا ہے۔ کیونکہ محبت میں آورد نہیں۔ اہل محبت وہی کرتے ہیں جو یاد مطلوب میں ان کی بچی بے قراری ان سے کراتی ہے۔ اسی سے ان کی یاد پر اثر ہوتی ہے کہ ”ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد“ (جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر اثر کرتی ہے۔) کا مضمون ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل محبت کا تصور بھی بغیر کسی سمجھی اور کوشش کے یوں قائم ہو جاتا ہے کہ یاد مطلوب میں جب زیادہ بے قرار ہوتے ہیں تو صورت مطلوب کے خیال سے دل کو تسلیم دیتے ہیں، اور رفتہ صورت متصور ایسی قائم ہو جاتی ہے کہ موجودات میں سوائے صورت محبوب ان کو دوسری صورت نظر نہیں آتی۔ بقول

جدھرد کہتا ہوں اوھر تو ہی تو ہے

حالانکہ ارباب طریقت نے تصور کے قواعد بھی منضبط فرمائیے ہیں جو بجائے خود بہت صحیح اور نہایت مفید اور ساکن راہ سلوک کے واسطے یعنی بکار آمد ہیں۔ اور ابتدائی حالت میں انہیں قواعد میں ایک طریقہ اختیار کرنا لازم ہے جس کے لئے سمجھی

اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ طالب اس کی مشق میں جس قدر جدوجہد کرتا ہے اسی قدر اس کے تصور میں پہنچی ہوتی ہے مگر وہ تصور جو "کما تعیشون تم وتوں کما تم وتوں تعیشون" (جس طرح تم زندگی گزارو گے اسی طرح مر و گے اور جس طرح تم مر و گے اسی حال پر اٹھائے جاؤ گے۔ الحدیث) کا مصدقہ ہے بغیر محبت کے نہیں قائم ہوتا۔ کیونکہ تصور خاص جس کا نام ہے وہ محبت کا نتیجہ یا محبت کا ضمیر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ محبت کے واسطے تصور لازم اور تصور کے لئے محبت ملزم ہے کہ محبت ہے تو تصور بھی ہے۔ اور محبت نہیں تو تصور بھی نہیں اور محبت چونکہ وہی ہوتی ہے جو کب سے نہیں حاصل ہوتی۔ پس وہ تصور جو عین محبت یا محبت کا خاص نتیجہ ہے اور جس کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ "ہو صورت تمہارے ساتھ یہاں رہے گی وہی مرتے وقت، وہی قبر میں، وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔" سعی و کوشش سے کیونکہ حاصل ہو سکتا ہے۔

دوسرا شغل حضور نے شغل سلطان الاذکار بھی اپنے غلاموں کو تعلیم فرمایا ہے۔ لیکن جس طرح تصور کی بدایت عام اور جملہ مریدین کو بغیر کسی تخصیص کے یکساں ہوئی وہ تعلیم شغل مذکور کی تعلیم میں نہیں بلکہ خاص طور پر ہوئی۔ اس لئے صراحت بھی اس کی نہ کروں گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جناب حضرت کے بعض بعض حلقوں گوش اس تعلیم سے مستفیض بھی ہوئے، اور حضور کی تعلیم میں یہ خصوصیت بھی دیکھی کہ شغل سلطان الاذکار کی تعلیم نہایت آسان طریقے سے فرمائی۔ حالانکہ حضرات مشائخین نے لکھا ہے کہ شغل ہذا کے واسطے ایک زمانے تک مسلسل سعی اور کوشش درکار ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے آج یہ مفید شغل عنقا صفت ہو گیا ہے۔ مگر حضور نے جس دست گرفتہ کو شغل مذکور تعلیم فرمایا۔ تین روز میں اس پر ابتدائی حالت طاری ہو گئی۔ گو طالبین کی یافت اور

کامیابی میں اس عجلت کا باعث آپ کی خاص توجہ کا اثر ہے لیکن طریقہ بھی نہایت آسان تھا۔

اس کا بھی اظہار ہونا چاہئے کہ سرکار عالم پناہ نے مجاہدات کی نسبت ہم کو کیا ہدایت فرمائی۔ لہذا مخصوص طور پر جواہر کام صادر ہوئے ہیں، ان کا ذکر تو بعد میں کروں گا لیکن بغیر کسی تخصیص کے امیر، غریب، بوڑھے، جوان، مرد، عورت، عالم، جاہل، فقیر، دنیادار، حتیٰ کہ جملہ مریدین کو بلا لحاظ حیثیت و استعداد جس مجاہدہ سے سروکار ہے وہ دل کی گرفتاری ہے کہ ہر شخص بقدر یافت اس قدر تی مجاہدہ میں مصروف ہے۔ بارگاہ وارثی کا کوئی غلام ایسا نہ ملے گا جس کے دل کو محبت سے سروکار نہ ہو۔ ہال کم اور زیادہ کا امتیاز ضرور ہے۔ شاید عاقل اور سمجھ دار اس کا اعتبار کرنے میں تامل کریں لیکن دوسری صورت سے ان کا اطمینان کرنا میرے امکان میں بھی نہیں۔ بجز یہ عرض کرنے

ک کہ ع

ذوق ایسی نشانی بخدا تانہ پڑھی

(خدا کی قسم، محبوب کے ساتھ محبت کرنے کا جو مرا ہے وہ تو نہیں چھے گا جب تک تو خود عاشق نہیں بنے گا۔)

جو ہمیشہ عیش سے مسرور اور آرام سے ہم بغل رہا وہ اسی راستہ محبت کی صعوبت کو کیا جائے، بقول

کجادا نند حال ماسب ساران ساحلہا

(ہمارے حال کو وہ کیسے واقف ہو سکتے ہیں جو کنارے پر آسانی سے پہنچ گئے۔)

مگر میں بہزاد افتخار یہی کہوں گا کہ غلامان وارثی بقدر حیثیت درد محبت سے

ضرور مختار و نجور رہتے ہیں۔ اور اس داعیٰ مجاهدہ کا اندازہ وہی کر سکتا ہے۔ جس کے پہلو میں محبت کا مارا ہوا دل ہے۔

غرض یہ کیفیت تو عام مریدین کی ہے لیکن اکثر حلقہ بگوش و ارثی ایسے بھی ہیں کہ جو ہمہ تن دام الفت کے اسی اور تیر محبت کے شکار ہیں، وہ زندگی سے بیزار رہتے ہیں۔ شب تہائی میں جب زیادہ دل گھبرا تا ہے تو اپنی قسمت کی شکایت یوں کرتے ہیں۔

کسی کی شب وصل سوتے کئے ہے کسی کی شب بھر روتے کئے ہے
ہماری یہ شب کیسی شب ہے الہی نہ روتے کئے ہے نہ سوتے کئے ہے
جن کو پہلے خوش پوشاک دیکھا تھا، انہوں نے فقیرانہ لباس میں، اور بشریت کے خلاف درندوں کی طرح ویران جنگلوں میں زندگی بس کی۔ اکثر اہل علم تھے جن کو اس غیر معمولی مصیبت سے سروکار ہوا، تو پڑھنا ایک طرف ایسے بے کار ہوئے کہ حرف شناس بھی نہ رہے۔ چنانچہ مولانا عبدالکریم صاحب متوفی شیخ پورہ ضلع موئیہ جو علامہ وقت تھے لیکن فیضان وارثی نے جب محبت کا سبق ان کو پڑھایا تو درس و مدرسیں یک قلم موقوف ہوا۔ عالم سہو میں ایسا مستغرق ہوئے کہ طفل مکتب سے زیادہ بے خبر ہو گئے۔ بقول۔

جبجی جا کے مکتبِ عشق میں سبق مقام فنا لیا
جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا
علی ہذا ملارضی الدین بغدادی نے جو مستند اور متحرک عالم تھے، ہندوستان میں آکر جب سرکار عالم پناہ کا نام نامی سناء، تو پہلے معرض ہوئے۔ عرصہ کے بعد خوبی

قسمت سے حضوری نصیب ہوئی، تو ایک نظر عنایت نے ایسا محوالہ رہے خود کر دیا کہ عالمانہ لباس بارہوا۔ کپڑے پھاڑے، تہیند پوش ہوئے۔ بغدادی شاہ خطاب ملائکہ صدیق تک حسب الحکم پر انا جوتا نا لکھا۔ چار پیسے سے زیادہ مزدوری نہیں کرتے تھے۔ اس میں بھی یہ انتظام تھا کہ دو پیسے خیرات اور دو پیسے میں برآوقات۔ یاد مطلوب میں اپنان قدیم علم ایسے بھولے کہ تازندگی پر ہنے لکھنے کا ذکر بھی نہ کیا۔

علاوہ اس مجاہدہ کے بعض غلام عرصہ دراز تک صائم رہے۔ مثلاً فیضو شاہ خادم خاص نے چھیس ۲۶ برس، اور مکہ شاہ نے چودہ برس، اور ابو الحسن شاہ نے بارہ سال تک مسلسل روزہ رکھا۔ مزید براں اکثر حلقہ بگوش حکم حضرت سے دامن الصوم ہیں۔ جیسے باپو کنہیا لال وکیل عرف غلام وارث متوفی علی گڑھ کہ بجز عذر علالت روزہ قضاۓ نہیں کرتے۔ معہد احمد شاہ نے قبل تہیند پوشی بارہ سال تک ہر شب نماز معمکوس پڑھی۔ بعض کو صلوٰتِ اعشق کی مدامت کا فرمان ہے۔ بعض سے متواتر حج کرائے جیسے کبی شاہ متوفی بارہ بکنی نے علاوہ سفر عراق وغیرہ کے سات مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ بعض حلقہ بگوش اپنا وطن والوف چھوڑ کر زمین حجاز میں پناہ گزیں ہوئے۔ اور وہیں کی خاک پاک میں مل کر آخر خاک ہو گئے۔ اور ایک یادو حج تو عموماً غلامان وارثی نے ضرور کئے بلکہ یہ خصوصیت ہے کہ جماعت غلامان وارثی میں اگر دیکھا جائے تو ہر مقام میں بخلاف اپنی تعداد کے حاجی زیادہ ہیں جس کی وجہ سے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ خصوصیت اس نسبت سے ہے کہ حضور کے حج ایسے جو شو اور خلوص سے آ راستہ اور مملو اور من وجہہ اللہ ہوئے کہ جن کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ کیونکہ عام حاج کا دستور ہے کہ حج بیت اللہ سے فائز ہونے کے بعد اپنے نام

کے ساتھ حاجی بھی لکھتے ہیں، اور اکثر اپنے حج کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ مگر ان کے حج کی شہرت ہوتی ہے اور نہ سوائے اہل خوشامد کے عام طور پر لوگ ان کو حاجی کہتے ہیں۔ البتہ بزرگان دین کے واسطے یہ ہوتا ہے کہ ان کے نام نامی کے ساتھ فقط حاجی بھی خم ہو جاتا ہے اور ان کے معتقد یا ان کے شہر کے باشندے بغیر حاجی کہنے کا نام نہیں لیتے۔ اور یہ بھی بڑا خدا کی انعام ہے۔ اور مقبولیت حج کی خاص دلیل ہے کہ خلق اللہ بغیر کسی غرض کے حاجی کے خطاب کے ساتھ ان کا نام لیتی ہے۔

لیکن حضور کے حج بھی غیر معمولی خصوصیت سے خالی نہیں۔ حالانکہ آپ نے سفر حج نہایت سادگی سے کئے۔ نہ مریدوں کا قافلہ ساتھ تھا، نہ کوئی ظاہری سبب ذریعہ شہرت ہوا۔ اور اس کا تو کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے کبھی اپنے نام کے ساتھ حاجی کا لفظ لکھا ہو۔ کیونکہ خصوصیاتِ عادات میں ہے کہ آپ نے کتابت نہیں فرمائی بلکہ برخلاف اس کے اس قدر گناہی پسند تھی اور مزاج ہمایوں میں اس کی کامل احتیاط تھی کہ بر سبیل تذکرہ اپنے نام بھی زبان سے کبھی نہیں لیا۔ لیکن خدا کی جانب سے یہ شہرت ہوئی اور منادی غیب نے ڈنکا بجا یا کہ تمام ہندوستان میں آپ کے حج کا شہرہ ہو گیا۔ اور خلق اللہ نے بغیر کسی تحریک کے آپ کو حاجی کہا۔ حتیٰ کہ ہندوستان کے باہر بھی آپ کے نام نامی کے ساتھ حاجی کا خطاب ایسا مشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ جو خاص مقبولیت حج کی نشانی ہے۔

علاوہ اس بے نظیر شہرت کے ایک لطیف اور بین خصوصیت اس میں یہ بھی ہے کہ صرف لفظ حاجی ہی آپ کے نام نامی کے ساتھ خم نہیں ہوا۔ جس سے آپ کے نام کی عظمت اور منزلت کا اظہار ہوتا۔ بلکہ آپ مجسم حاجی ہو گئے۔ یعنی اس کی

ضرورت ہی نہ رہی کہ آپ کا نام بھی لیں تب آپ مقصود متكلم سمجھے جائیں۔ چنانچہ دیکھتے یہ ہیں کہ دنیا میں جب کوئی یہ کہتا ہے کہ حاجی صاحب بہت بڑے بزرگ تھے۔ یا فلاں شخص حاجی صاحب کا مرید ہے۔ تو مخاطب کو اس کی ضرورت نہیں باقی رہتی کہ وہ دریافت کرے کہ کون حاجی صاحب؟ بلکہ مجرد اسی قدر کہنے سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ دیوبہ شریف کے حاجی صاحب کی جانب اشارہ ہے۔ اور یہ آپ کے مقبول حج کی خاص خصوصیت ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ آپ کو ایسا گھر اتعلق تھا۔ اور حقیقت کعبہ کا ایسا ظہور کامل ہوا کہ دیگر صفات پر یہ صفت غالب ہو گئی۔ اور عین ذات سے تعلق ہو گیا۔ جو حصول مقصود اصلی کی خاص دلیل اور رقات امام کا نتیجہ ہے کہ جس کے شوق دیدار میں گئے تھے، اس کو دیکھا۔ اور جوش استیاق میں جس کی جیجو تھی اس کو پایا۔ اور بصورت عوام اہمیت اور چونے کا طوف منظور تھا۔ بلکہ اس پر دے میں صاحب خانہ کی تلاش تھی وہ ملا۔ اور مطلوب حقیقی کا وصال مقصود تھا وہ ہوا۔ چنانچہ جناب حضور مولا ناعلیٰ الرحمۃ کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:-

حج زیارت کردن خانہ بود

حج رب المیت مردانہ بود

(حج کیا ہے؟ اللہ کے گھر کی زیارت کرنا۔ یہی حج ہے۔ اور اللہ کے گھر کی زیارت کرنا، مردانہ کام ہے۔)

الغرض حضور کے حج چونکہ حقیقی حج ہوئے لہذا اسی نسبت کی یہ کشش ہے کہ جناب والا کے زیادہ حلقة گوش حج بینت اللہ سے فائز ہوتے ہیں۔ اور اس سفر کی اہمیت اور راستہ کی صعوبت کو بکمال رغبت گوارہ کرتے ہیں جس کو ہم خصوصیت کے ساتھ یہ

کہہ سکتے ہیں کہ غلامان وارثی بخطاط اپنی تعداد کے حاجی زیادہ ہیں۔
 علی ہذا بعض مریدین کو گوشہ نشینی کا حکم ہوا۔ اور انہوں نے حسب فرمان گوشہ
 تہائی میں زندگی بسر کی۔ اور تھیات اس مقام سے باہر قدم نہیں کلا جوان کے واسطے
 تجویز ہوا تھا۔ اور بعض کے لئے اسی مجاہدہ کو اور بھی زیادہ سخت اور دشوار کر دیا۔ جو بہ
 ظاہر ناقابل برداشت معلوم ہوتا ہے۔ مگر حضور کی توجہ نے ایسا تحمل اور استقلال مرحمت
 فرمایا کہ آپ کے غلاموں نے اس کی بھی تعییل کی۔ مثلاً بدنام شاہ متولن کھیولی ضلع بارہ
 بنکی جوابتا میں خادم خاص کے عہدے پر ممتاز تھے مگر بعد میں ان کو گوشہ نشینی کا حکم اس
 قید کے ساتھ ہوا کہ ان سے یہ وعدہ فرمایا کہ جب ہم دیوے آئیں گے تو تم سے ضرور
 ملاقات کریں گے۔ لیکن کوئی احتیاج کیوں نہ ہو، دروازہ اپنا بیٹھے بند رکھنا۔ جب ہم
 آئیں تب کھونا چنانچہ سولہ سال تک وہ قناعت گزیں اسی حالت میں رہ کر جاں بحق
 تسليم ہوا۔ کہ جب حضور تشریف لے جاتے تھے تو دروازہ کھلتا تھا۔ اور اس روز جو
 سامان بہم پہنچتا تھا وہ آپ کی دعوت میں صرف ہوتا تھا۔ اور جو باقی پہنچتا تھا اسی میں وہ
 اپنی بسراویات اس وقت تک کرتے تھے جب حضور دوبارہ تشریف لے جاتے تھے۔
 اور اکثر جناب والا چار یا چھ ماہ کے بعد بھی دیوے شریف میں آئے اور بدنام شاہ سے
 ملاقات کی۔ مگر اس متول نے مٹی کھا کر بسر کی اور درمیان میں دروازہ نہ کھولا۔

کسی غلام کو حضور نے خاموشی کا حکم دیا۔ اور اس کے ساتھ یہ توفیق بھی
 عنایت ہوئی کہ وہ حلقة گوش تھیات خاموش رہا۔ بلکہ بعض کے واسطے اسی خاموشی کا
 حکم ایسے راز و نیاز کے ساتھ صادر ہوا کہ جس کی حقیقت سمجھنے میں ہمارا اور اک قاصر
 ہے۔ جیسے عبدالرزاق شاہ جن کا زیادہ قیام باڑہ ضلع پٹنہ میں رہتا تھا۔ ان کو حضور نے

خاموشی کا حکم قطعی دیا۔ وہ ضرورت کے وقت لکھتے یا اشارہ سے کام لیتے تھے۔ اور ان کی یہ تکلیف دیکھ کر ان کے احباب کو افسوس ہوتا تھا۔ عرصہ کے بعد جب حضور دوبارہ بالائی پور شریف لے گئے۔ توہاں کے مخصوص عمامہ دین نے بالاتفاق عبدالرزاق شاہ کی تکلیف کا اظہار کیا۔ اور مجھی ہوئے کہ ضرورت کے وقت بات کرنے کی اجازت ہو جائے آپ نے عبدالرزاق شاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ۔ کیا تم کو تکلیف ہوتی ہے؟“ عبدالرزاق شاہ نے شرم سے سر نیچا کر لیا۔ تب حضور نے فرمایا کہ ”عبدالرزاق اب تمہارا بولنا وضعداری کے خلاف ہے۔ بلکہ اشارہ بھی نہ کیا کرو۔ اور لکھنا بھی چھوڑ دو۔“ اور تو اس حکم سے عبدالرزاق شاہ ساکت و آبدیدہ ہوئے۔ اور ادھر شان محبوبیت کے جوش میں حضور نے یہ فرمایا کہ عبدالرزاق اس تھوڑی زندگی کو یوں ہی کاٹ دو۔ وضعداری اسی میں ہے کہ اب مرتبے وقت بھی کوئی کلمہ زبان سے نہ لٹک۔ اور قبر میں نکیریں سوال کریں، تو اس کا بھی جواب نہ دینا۔ بلکہ حشر میں خدا کے سامنے بھی خاموش رہنا۔“ حضور کا یہ ارشاد گو معمولی الفاظ کے پردے میں تھا، مگر حاضرین پر ایسا رعب حق طاری ہوا کہ سب نے سر جھکا لیا۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد سب کو رخصت کر دیا۔ اور جناب والا کا یہ ارشاد کہ ”اس تھوڑی سی زندگی کو یوں ہی کاٹ دو۔“ ظاہر ہو گیا کہ چھ مہینے نہیں گزرے تھے کہ عبدالرزاق شاہ نے بہادر علی خاں صاحب خان بہادر بیگ بائزہ کے مکان میں انتقال کیا۔

علی ہذا مستقیم شاہ کو یہ حکم ہوا کہ موجودات عالم میں کسی چیز کو نہ دیکھو۔ چنانچہ اس صاحب بصیرت نے تمام عالم سے بے تعلق ہو کر تہتر سال تک اس فرمان وارثی کی قیل میں آنکھیں بند رکھیں۔ پہلے اجمیر شریف کے پہاڑ موسومنہ مدار تکری پر چالیس

دوسرا نتیجہ تھا کہ اس کے برعکس اور اپنا تلقینی برداشت
و مہماں تھے جو میں پرستی کرنے والے تھے۔ وہ کہا۔

دوسرے غلام کے واسطے بالفک اس کے بڑیں اور اپنا ناقابل برداشت
مجاہدہ تجویز ہوا۔ جو صریح فطرت پر شری کے خلاف ہے۔ وہ یہ کتاب شاہ مائن
اگر کہ، کڑھداری خان کو حکم ہوا کہ وہ وقت آنکھ نہ بند کرو۔ شب و روز ایک نشست
سے پہلو، اور دیوار رخو۔ اور بعد میں صرفیت کے واسطے ان کو خفن سلطان الاذکار
لئیم فرمایا چنانچہ جو ایس سال تک صاف افغان بردار ایک پھر کا شکری کے بیٹھا۔ اور
اکی حالت میں جان بحقِ شتمہ ہوا۔
یہ مجادہ ہی اپنی اوعیت میں اپنی اپنے کرشما دوچار صدی میں اس کی مثال
نہ لے گی۔ جس کی قبیلِ عقل سے پیدا اور خلائق کرنے سے ناممکن اور عالم معلوم ہوتی
ہے۔ مگر اس کی وجہ پری کہ پڑا ایس سال تک جس خیال نے آنکھ نہ بند کرنے دی۔
اور شب و روز بے خواب و بیدار رکھا وہ اسی محبت کا جوش تھا جس کی حضورت نے عام
ہدایات فرمائی ہے۔ کیونکہ محبت کا ایک مشہور نام فخری ہے۔ وہ روز سوائے دو
محبت کے کسی درود کی قوت سے مکمل نہ تھا کہ خلاف فطرت انسانی چو ایس سال تک

اور خدا کا شیخ صاحب کا مجده اور نجیب ہے جس کو مفصل تک روں تو
ملوات ہوگی۔ گونڈ کراہ کا بھرت آگئی اور اتنا سات کا پورا بیق ہے۔ لیکن خلاصہ
اس کا یہ ہے کہ حضور نے ان کا موقع پینڈلیخ بارہ بھنگی میں چند رانک کے ساتھ گوشہ
شیشیں لیا۔ جن میں سے بعض ایکامہ ایم تھے۔ اول بہت مختصر تھا محمد و فراز کارا شادی دیا
گرائیں کے باہر نہ قدم کھڑا۔ دو یہم ایک مکان میں رہنا۔ پھر درخت کے سامنے میں
زنگی پر کرنا۔ سومہ، پیشہ بہت سخت ہے کہ جیوانات اور بیانات کا ترک قلعی الازم

- شہاب الدین شفیعی -

بڑی قیام کیا۔ بعد تینیں مالے مادر و ازاء کے قریب زندگی پھر کی اور ایک سو روپنے کی خوشی کر کے دوسرا بھری میں رائی ملک بنا ہوئے۔ امام حسین شرف میان کی نیز معمولی شہرت تھی۔ میں نے معتبر ذرائع سے شاہے کے جناب حضرت نے جب چار کا دروازہ اسٹریپا ہے تو پرہاد کا ب تھے۔ اور اس تقدیر تو خوبصورت نمہ سفر پر ایک دوستیم شاہد تھے جس کو نہ پہنچ پسیں۔ سماں ہر سو چونے جب مادر تکری پر ان وہ مہاں یا تو تم سے یقینوں کی کاریب رہتا پہنچ صورت تکھادی۔ تم نے صورت تکھادی کر کر کہہ دیا کہ دنیا کی کچھ کو نہ گھٹانا۔ جب سے انہوں نے آجھیں بندکری میں اور دفعے کے پاندھیں۔ انہوں نے کسی کھلائی ہے اور اسکے بنا پہنچ جائتے ہیں۔

بھی ہے۔ مگر حضور کی توجہ اور نیفان بالی کی پیشان تھی کہ آپ کے اونی غلام نے
کمال سماں انتقال حسب ارشاد تھے سارے تک (غافل) غفرت انسانی ایکٹھیں
سموئی اور دیوار کی کیچھ کوتھیں دیکھا۔ اور فرورنے سے پہلی علوم ہو گیا کہ جب کے
حضرت نے یہاں بہارت فرائی کہ ”محترک“ کرو اور اپنے غلاموں کا مشرب میں محبت
سموئی فرمایا ہے، تو اسی میں سے تھامی تعلیم بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ شاہ
صاحب کے اس جگہ وہ محبت سے کامل مایوسیت اس لئے ہے کہ کرق خانے کے محبت
صادق ہی کے درجہ اور عالم میں سوا حکوب پھونک دھکائی دے۔ بلکہ حضور نے اثر
فرمایا ہے ”محبت میں انسان انداز ہوتا ہے۔“ اوش کہ حضرت تھی الہ کرن عربی نے
نووات میں مجت کی بھی تحریف لکھی ہے کہ انسان انداز اور گونگا ہو جاتا ہے۔ لہذا
حیات والا نے مستحق شاہ میں گامدہ و کردار میں محبت سے خاص برداشتے۔

گردانہ مدارکی شان ہے کہ وہ جا بار تکل سات برس میں تو اس حکم کی تقلیل پیوں کرنا
بہاک جب زیادہ اشہم اعلیٰ ہوتی تو پائی میں را کھول کر لیتا۔ تھا۔ گمراں کے بعد
حضور نے اس قدر اسالی فرمائی کہ اس محدود مقام میں جو بنا تھا خود بوجوں یا الیں
دانہ پیشہ شرکت نہ کیا کرو۔ چنانچہ سال ان کی خواک اسی محدود مقام کی
کھلی ریسی سے کوئی کوش کر کے پیٹھے تھے۔ یا کسی ایسا داداں جگل میں آگر
کوئی پھنس دے گیا تو کہا کیا کرتے تھے۔

خدا بخش شاہ معمول بند کے پہ پڑھتے آئی تھے۔ گر عادہ اور اوصفات
کے جنم کا ذکر بیہاں نہیں کیا گیا۔ ان کا بیکنی ثابت و انتقال ان کی جنرات کے لئے
کافی نہیں ہے کہ اس فرم معمول مجہوہ کی تقلیل کسی دلیلی اور مردگان سے کی کر جس
خیال سے ولزراحت ہے۔ گر میں ہمروں عرض کروں گا کہ خدا بخش شاہ کی پورت نہیں
کے علاوہ فطرت اسی اس ناقابل برداشت چاہوں کی تقلیل کرتے۔ بلکہ اسی محبت کا یہ
کروہ نہ ہے جو نیمان وارثی نے اپنے غلاموں کو تقویں فرمائی ہے جس نے خدا بخش
شاہ کی طلب کو طلب صادق ہایا کر خود کی سے بے خود کر دی خواہشات انسانی
سے قسمی فارغ ہوئے۔ اور مطلوب حقیقی کیستی کے سامنے اپنی سستی کو نہیں دیا ہو
کیا۔

الغرض تیڈا چند ہی بہاں کا بیہاں ذکر یا یاد آپ کے معتقد مشری شدین
نے ایسے ناقابل برداشت جامہ کے میں جو یقینی قوت بشری سے باہر اور صرع
فخرت انسانی کے خلاف تھے۔ لیکن یہ حضور کے نیمان بالی کا کر شہ بے کر ان
غلاموں نے بکمال سہرا و استھان تقلیل کی۔

علیٰ بذا بظاً مشرب ہمارے عقائد اور عادات و خیالات کی درستگی کے لئے
بھی حضور نے ہم کو بدایتیں فرمائی ہیں۔ حالانکہ اس باب میں زیادہ بدایتیں وہ ہیں جن
کو مستر شدین کے ساتھ شخصی خصوصیت ہے۔ لیکن میں انہیں احکام کا ذکر کروں گا جن
میں تعمیم ہے۔ چنانچہ اکثر حضور نے یہ فرمایا ہے کہ ”جو تم سے محبت کرے اس سے محبت
کرو۔ اور کسی کے حق میں دعا یا بدعا نہ کرو۔ کیونکہ مشرب تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔“
اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”دشمن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یہ حضرت شیر خدا کی سنت
ہے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”دشمن سے بدلنا نہ لو۔ کیونکہ فاعلِ حقیقی تو وہی حضرت
ہیں، جن کا سب جلوہ ہے۔“ اور متواتر فرمایا ہے کہ ”تصدیق ہی ایمان ہے جس کو
تصدیق نہیں، اس کا ایمان نہیں۔“ یہ بھی حضور نے اکثر فرمایا ہے کہ ”عاشق وہ ہے جو
ہر وقت معشوق کے خیال میں رہے۔ اور کوئی سانس اس کی خالی نہ جائے۔“ اور یہ بھی
فرمایا ہے کہ ”خیال میں صورتِ معشوق نقش کرنا چاہئے۔“ اور یہ بھی عام طور سے فرمایا
ہے کہ ”جس صورت کا خیال پختہ ہو جائے گا وہی صورت بعد مرگ بھی قائم رہے گی۔“
اور یہ بھی فرمایا کہ ”جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو۔“ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”کسی کو برآ کہونہ برا
سمجو۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”کسی کی عداوت کو دل میں جگدنہ دو۔ جس دل کو محبت سے
سر و کار ہوتا ہے، اس میں عداوت کی گنجائش نہیں۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”رنج پہنچ تو صبر،
راحت پہنچ تو شکر کرو۔ کیونکہ سب خدا کی جانب سے ہے۔ اسباب دنیا کا بہانہ
ہے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ منزلِ عشق میں خلافت
اور جائشی نہیں ہوتی۔“

ارشاد آخر الذکر میں خاص اہمیت ہے۔ بلکہ خود حضور نے اس کے اعلان

کے لئے یہ اہتمام فرمایا کہ نومبر ۱۸۸۹ء کو آپ کے حکم سے یہ فرمان بایس صراحت ضبط تحریر میں آیا کہ ”ہمارے یہاں منزل عشق ہے۔ جو کوئی دعوے جائشی کا کرے، وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں جو کوئی ہو۔ چمار ہو یا خاکروب، جو ہم سے محبت کرے ہو ہمارا ہے“۔

اس تحریر کی نقل بعض دیگر مریدین کو بھی حاصل ہوئی۔ مگر قصہ مسوی ضلع بارہ بیکنی میں جب آزیبل مولوی سید شرف الدین قدم بوی کو حاضر ہو گئے۔ تو حضور نے خاص طور پر یہ تحریر ان کو دی۔ اور ایک نئی اس کا اپنے قدیم حلقہ گوش نئی نادر حسین رئیس نگرام کو اس مخصوص ارشاد کے ساتھ مرحوم فرمایا کہ ”نادر حسین اگر کوئی انگریز بھی مانگے تو دکھاد دینا“۔ آزیبل موصوف نے تو ۱۳۱۲ھ مجری میں حکیم عبدالآدشاہ کی کتاب موسومہ عین الحقیقین میں اس تحریر کو شائع کر دیا۔ اور جب ۱۹۱۵ء میں انجمن درگاہ وارثی کی جانب سے عدالت ڈسٹرکٹ جج لکھنؤ میں تفسیخ جائشی کا دعوے ہوا، تو مددوح الصدر نے اپنے اظہار میں اس تحریر کا ذکر کیا۔ اور نئی نادر حسین صاحب نے وہ تحریر عدالت میں داخل کی جس کی بنی پر آستانہ اقدس قانوناً بھی اوث سجادگی سے مبرأ ہو گیا۔ لیکن سرسری طور پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتفاع جائشی کا فرمان بھی شاید حضور کا احتجاد ہو گا۔ کیونکہ سلاسل مشائخین عظام میں خلافت و سجادگی کا دستور مروج ہے۔ مگر نہیں، یہ ہماری عدم واقفیت کا باعث ہے۔ تھوڑا غور کرنے سے ظاہر ہو جائے گا کہ درحقیقت یہ حکم اصول طریقت کے مطابق ہے کیونکہ حضرات صوفیوں نے اپنے ما بعد کے لئے یہ دستور اس ضرورت سے مقرر فرمایا ہے۔ اور منصب خلافت و سجادگی اس مرید کو مرحوم ہوا کرتا ہے جو اس کا اہل ہو کہ اس سلسلہ کی تعلیم دوسروں کو

دے۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ جناب والا کا طریق عشق ہے جس کو متواتر حضور نے فرمایا۔ اور فرمان مذکور کی ابتداء میں بھی صریح الفاظ میں اس کا اظہار کر دیا کہ ”ہماری منزل عشق ہے۔“ اور عشق اسرار الہی ہے جس کی حقیقت دریافت کرنے میں ہمارا فہم و ادراک قاصر ہے۔ بلکہ عشق کی تعریف بھی کماਹہ ہم نہیں کر سکتے۔ چہ جائید عشق کی تعلیم دینا۔ جو یقینی ناممکن اور حالات سے ہے۔ لہذا جب مشرب عشق کی تعلیم امکان میں نہیں تو طریق عشق میں سجادگی بے ضرورت ہے۔

علاوہ اس کے عشق درس و تدریس، تعلیم و تربیت پر منحصر نہیں۔ یہ ہاطنی کیفیت اور قلبی واردات ہے جو منجائب اللہ تھیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ متواتر حضور نے فرمایا کہ ”عشق وہی ہے جو کب سے نہیں حاصل ہوتا۔“ اور جملہ حضرات صوفیہ نے بھی یہی تسلیم کر لیا ہے کہ عشق موبہت محض ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا دفتر سویم میں فرماتے ہیں۔

گرچہ آں عاشق بخارا می رو
نه بدروں و نے بہ استانی رو
عاشقان راشد مدرس حسن دوست
دفتر و درس سبق شان روئے اوست
آں طرف کر عشق می افزود درد
بوضیفہ شافعی درے نکرو

(اگرچہ وہ عاشق بخارا سے چلتا ہے۔ لیکن ندوہ سبق پڑھتا ہے اور نہ استاد کو ملنے جاتا ہے۔ عاشقوں کیلئے سبق دینے والا دوست کا حسن ہوتا ہے۔ محبت کیلئے سبق کا پڑھنا

اور دفتر محظوظ کا ریخ انور ہے۔ عشق اس لحاظ سے درد کو زیادہ بڑھاتا ہے۔ امام ابو حنفیہ اور امام شافعی نے اس کے متعلق کوئی درس نہیں دیا۔)

پس جب کہ عشق خاص عنایت وہی ہے۔ اور کوشش و کسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور اسی وجہ سے مشرب عشق میں تعلیم نہیں۔ اور جب تعلیم ظاہری نہیں ہے تو پھر نہ خلافت کی ضرورت ہے نہ سجادگی کی۔ اس لئے حضور نے فرمایا کہ ”ہماری منزل عشق ہے جو کوئی دعوے جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔“

قطع نظر اس کے صحیح معنی میں سجادگی یا جانشینی تعلیم و تربیت کے انتظام کا نام ہے کہ حضرات صوفیہ آئندہ نسلوں کو افاضہ پہنچانے کی غرض سے یہ انصرام فرماتے ہیں کہ اپنا جانشین یعنی منتظم تعلیم اس کو کرتے ہیں جو ان کے ملک کا عالم، اور فارغ اتحصیل ہوتا ہے۔ لیکن ”مشرب عشق از همه دینها جداست“ (عشق کا مشرب تمام ادیان سے جدا ہے۔) عشق میں انتظام ہی نہیں۔ اور نہ کوئی علم وصول عشق میں معین ہوتا ہے کیونکہ علم اور انتظام کو عقل سے سروکار ہے۔ اور حضرت عشق کی تشریف آوری سے پہلے عقل انسان مفترور ہو جاتی ہے۔ جیسا مفتولات قدیمہ سے ثابت ہے اور خود حضور نے بھی فرمایا ہے کہ ”جب حضرت عشق آئے، پھر وہاں علم و عقل کا داخل نہیں۔“ اور مولا تعالیٰ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

عشق آمد عقل او آوارہ شد صحیح آمد شمع او بے چارہ شد

عشق سایہ حق بود حق آفتاب سایہ رابا آفتاب اوچہ تاب

(جب عشق آتا ہے تو عقل آوارہ ہو جاتی ہے۔ جب صحیح ہوتی ہے تو شمع بے بس ہو جاتی ہے۔ عشق حق کا سایہ ہوتا ہے اور حق سورج ہے۔ سایہ کو سورج کی تاب کے ساتھ کیا

نسبت ہو سکتی ہے۔)

جب ثابت ہو گیا کہ عشق کی عملداری میں علم و عقل کا دخل نہیں۔ اور انتظام عقل کا فعل ہے جس سے عاشق کو سروکار نہیں، تو پھر عاشق صادق اس کاظم کیوں نکر سکتا ہے کہ آئندہ کے لئے اپنا جانشین بنائے جو اقتضاۓ عشق کے صریح خلاف ہے۔ اس وجہ سے وہ عاشقان جانباز جن کا سرمایہ فخر و ناز مخفی عشق تھا۔ اور بجز نظارہ جمال شاہد حقیقی جمیع مرادات سے دست بردار تھے۔ ان کا اس مشرب خاص میں کوئی جانشین نہیں ہوا۔

مثلًا صاحبِ تصدیق و یقین حضرت شرف الدین یوعلی شاہ قلندر تارک کامل قدس اللہ سرہ العزیز جو پروانہ وارثع جمال ایزدی پر شیفتہ، اور سلطوت جلال فردانیت خداوندی پر فریفہ محو تجلیات انوار، مساوائے یارِ تمام عالم سے بے سروکار تھے۔ ان کا مشرب قلندری میں یعنی تعلیم عشقِ حقیقی کے لئے کوئی جانشین نہیں ہوا جس کا سبب یہی ہے کہ طریق عشق میں نہ تعلیم و تربیت کی حاجت، نہ انتظام و انصرام کی گنجائش۔ نہ عبارت و اشارت سے حقیقت عشق کا اظہار ہو سکتا ہے، اور نہ حصول عشق کے لئے جدوجہد درکار ہے، بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ۔

قلم را آں زبان نبود کہ سر عشق گوید باز
ورائے حد تقریر ست شرح آرزو مندی
دل اندر زلف لیل بندو کا ر عشق مجنون کش
کہ عاشق راز یاں وارد مقالات خردمندی

(قلم کے پاس وہ زبان وہ طاقت نہیں ہے کہ وہ عشق کا راز سر عالم بیان

کر سکے۔ آرزومندی کی شرح بیان کی حد سے باہر ہے۔ دل کو لیلی کی زلف سے
باندھ دے یعنی اپنے آپ کو محظوظ کی فکر اور کاموں میں مصروف رکھ۔ اور مجذون کے
عشق کا کام کر۔ کیوں کہ عاشق کیلئے عقائدی کی باتیں کرنے میں نقصان ہوتا ہے۔
بلکہ یہ واردات قلبی خاص و دیعت الہی اور عین عنایت وہی ہے جونہ تعلیم و
ترہیت پر موقوف، نہ واسطہ اور وسیلہ کی محتاج ہے۔ فیضان عشق و محبت عاشقان کامل کی
توجه باطنی پر منحصر ہے۔ اور ان کے جوش قلبی کی نسبت طالبین کے دلوں کو گداز اور
مائل محبت کرتا، اور ان کا فیض و تصرف اپنے وابستہ کو اس کی حیثیت واستعداد کے لحاظ
سے بغیر کسی ظاہری تعلیم کے مستفیض کرتا ہے۔ اور اس کو اصطلاح صوفیہ میں فتح روحی
بھی کہتے ہیں۔ اور یہ تصرف ان کے وصال کے بعد بھی قائم رہتا ہے جس کی دوسرا
تمثیل یہ ہے کہ سلطان العاشقین حضرت بائزید بسطامی علیہ الرحمۃ جن کا نام نامی طبقہ
عشقان میں خصوصیت کے ساتھ مشہور ہے۔ آپ نے بھی طریق عشق میں تعلیم ظاہری
کے لئے کسی کو اپنا جانشین نہیں تجویز فرمایا۔ بلکہ جس طرح آپ کے زمانے میں آپ
کے فیضان باطنی سے مسٹر شدین کو افادہ حاصل ہوا، اسی طرح آپ کے مزار پر انوار
سے طالبان صادق مستفیض اور فائز المرام ہوئے۔ چنانچہ صاحب تذکرۃ الاولیاء نے
لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی آپ کے وصال کے ایک صدی بعد پیدا ہوئے،
اور آپ کے فیض باطنی سے مستفیض ہوئے۔ بلکہ مولانا نقیس سرہ نے اس واقعہ کو دفتر
چہارم میں ارقام فرمایا ہے۔ وہ وحدا۔

از پس آں سا لہا پدید	بو الحسن بعد از وفات بائزید
ہم چنان آمد کہ او فرمود بود	بو الحسن از مردمان آنرا شنود

کے حسن باشد مرید و ام تم درس گیرد ہر صبح از تر تم
ہر صبحی آئید و خواند سبق بر سر خاک و شود پیر بحق
ہر صباۓ تیز رفتے بے فتور بر سر گوش نشستی با حضور
ہر صباۓ رو نہادی سوئے گور ایستادہ تا ضخی اندر حضور
تا مثل شیخ پیشش آمدے تا کہ بے لفتن شکاش حل شدی

(حضرت ابو الحسن خرقانی، حضرت بایزید بسطامیؒ کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئے۔ حضرت ابو الحسنؒ نے یہ بات لوگوں سے سن رکھی تھی تو جیسے حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا ویسے ہی آپ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا کہ ابو الحسن خرقانی میرا مرید ہوگا اور میرے گروہ میں سے ہوگا۔ اور میری قبر سے وہ ہر صبح سبق حاصل کرے گا۔ ہر روز صبح ہی صبح میری قبر پر حاضری دے گا اور سبق پڑھے گا۔ اور واصل بحق پیر ہوگا۔ وہ ہر صبح بڑی تیزی کے ساتھ بغیر کسی کمی بیشی کے آئے گا اور میری قبر پر با حضور بیٹھے گا۔ ہر صبح کو قبر کی طرف متوجہ ہوگا اور وہ چاشت کے وقت تک وہاں حضوری کے عالم میں بیٹھے گا۔ وہ شیخ کی طرح لوگوں کے سامنے آئے گا یہاں تک کہ بغیر کہ ان کے سوالات حل ہو جایا کریں گے۔)

علی ہذا حسین ابن منصور حلاج علیہ الرحمۃ جن کے کلام ابو القاسم نصر آبادی نے نقل کئے ہیں، اور محقق اور صاحب حال کہا ہے۔ اور ابو العباس بن عطاء محمد بن حنفیہ کا قول ہے کہ حسین بن منصور ربانی عالم تھے۔ اور یہ تو مسلمہ ہے کہ اس برگزیدہ خدا نے پروانہ وارثع جلال حضرت احادیث پر جان دے کر عشق کی آخری منزل طے فرمائی گمراں کے طریق خاص کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی ان کا جائشیں نہیں ہوا۔ اور

ان کے تصرف نے بھی زمانہ حیات ظاہری میں جس طرح طالبین کو مستفیض کیا، اسی طرح بعد وصال شاہد حقیقی بھی فیضان باطنی کا چشمہ جاری رہا۔ چنانچہ حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ عہد ابن منصور کے ایک سو پچاس سال بعد پیدا ہوئے اور آپ کے فیضان روگی سے انہیں افاضیہ نصیب ہوا۔

علی ہذا دور رسالت^۱ کے عاشق صادق حضرت اولیس قرنی رضی اللہ عنہ جن کے عشق کامل کے لئے کسی تصریح کی ضرورت نہیں۔ جو ہمیشہ یاد مطلوب میں مد ہوش رہے، اور خیال محبوب میں اپنی ہستی فراموش کی۔ مگر طریق عشق کی تعلیم ظاہری کے لئے ان کا بھی کوئی جانشیں نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ ان کی ارادت کے واسطے کوئی قبری انتظام ہوا۔ اور نہ ان کے مشرب خاص کے لئے کسی زبانی تعلیم و تلقین کی ضرورت ہے۔ نادیدہ جمال محبوب ذوالجلال پر وہ شیفتہ ہوئے۔ اور بے دیکھ ان کے فیضان باطنی سے طالب خدا مستفیض ہوتے ہیں۔ تیرہ سو برس سے یہ تصرف جاری ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ جس کا سبب اصلی یہی ہے کہ بقول سرکار عالم پناہ ”عشق میں انتظام نہیں۔“

الغرض جمل عاشقان الہی نے مشرب عشق کی تعلیم و تربیت کے لئے انتظام ظاہری کی ضرورت منصور نہیں فرمائی ہے جس طرح عنایت وہی نے بغیر واسطے کے ان کو سرفراز فرمایا۔ اسی طرح ان کے فیضان باطنی سے طالب خدا بغیر وسیلہ کے مستفیض ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ اسی واسطے حضور نے متواتر فرمایا۔ اور بے کمال اہتمام اس کا اعلان کر دیا کہ ”مشرب عشق میں جانشی نہیں، جو محبت کرے وہ ہمارا ہے۔“

از آنجلہ حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو مرید پیر کو دور سمجھے وہ مرید ناقص ہے اور جو پیر مرید سے دور رہے وہ پیر ناقص ہے“۔ اور یہ بھی متواتر حضور نے فرمایا ہے کہ ”اگر ہزار کوں پر ہو گے اور محبت ہے تو ہم دل کے پاس ہیں۔“

فرمان اذل الذکر میں ایسا کلیہ فرمایا ہے جو نہایت ضروری اور جس کی تعمیل طلب کو طلب صادق، اور طالب کی ارادت کو ارادت واثق بناتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ حقیقت پیر کامل بیان فرمائی کہ مرید کی نگرانی کا وہ ذمہ دار ہے۔ اور فرمان ٹانی میں اپنی شفقت اور عنایت کا اظہار کر دیا۔ اور اپنے غلاموں کو مناطب فرمائ کر بشارت دی کہ ”اگر خلوص اور محبت ہے، تو ہزار کوں پر کیوں نہ ہو۔ مگر ہم دل کے پاس ہیں۔“

غرض ہر دو ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ مریدین کو آگاہ کیا کہ پیر کو دور نہ سمجھو جو ارادت کے لئے لازمی ہے۔ اور پھر اس کی بھی بشارت دی کہ ہم تمہارے قریب اور معین و معاون رہیں گے، جو آپ کے علوی مرتبت کی کافی دلیل بھی ہے۔

جس طرح بچوں کو ان کی بہبودی کے واسطے ان کے بزرگ غایت محبت سے سمجھاتے ہیں کہ اگر تم پڑھو گے تو ہم مٹھائی دیں گے اسی طرح حضور نے اپنی کمال شفقت سے ہم غلاموں کو سمجھایا کہ ”پناختیاں پختتے کرو۔ ہم تم سے دور نہیں ہیں۔“

ہمارے وارث عالم پناہ کی یہ شفقت بالکل سنت الہی کے بھی مطابق ہے۔ کیونکہ حضرت احادیث جل جلالہ نے جب ہم کو اس فرض کا لازمی حکم دیا جس کا خاص محبت سے تعلق ہے، تو اس کی ترغیب کے واسطے اپنے انعام غیر محدود کا بھی وعدہ فرمایا کہ ”فاذکرونی اذکر کم“۔ یعنی تم ہمارا ذکر کرو گے تو ہم تمہارا ذکر کریں گے اسی طرح شفقت وارثی نے ہم کو آگاہ کیا کہ پیر کو دور نہ سمجھو۔ پھر اپنی اس خاص عنایت کا

و عده فرمایا کہ تم تھارے ساتھ ہیں۔

حضرت صوفیہ کرام نے پیر کی غائبانہ امداد و دست گیری کو قطعی طور پر ثابت فرمایا ہے جس کا ذکر کتب تصوف میں اس کثرت اور وضاحت سے ہے کہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ حضرت سلطان باہوقادری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب *گنج الاسرار* میں اس کی بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ پیر اپنے مرید کا غائبانہ دست گیر رہتا ہے۔ اور جو پیر اپنے مریدوں کے حالات سے بے خبر ہے وہ پیر ناقص ہے۔ اور مولانا علیہ الرحمۃ بھی یہی فرماتے ہیں۔

اویا اطفال حق انداے پسر

غائبی و حاضری بس باخبر

(اے بیٹے! اویا حق کے بچے ہیں۔ کبھی غائب ہوتے ہیں اور کبھی حاضر۔ لیکن باخبر ہوتے ہیں۔)

اور بعض مقبولان کردگار جو صاحب اختیار کامل تھے، انہوں نے مریدین سے امداد اور دست گیری کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ امام شعرانی نے طبقات الکبریٰ میں حضرت ابراہیم دسوی قرشی علیہ الرحمۃ کی کتاب الجواہر سے نقل کیا ہے کہ آپ مریدوں سے فرماتے تھے: (ترجمہ) ”اے بچو۔ اگر تمہارا عہد میرے ساتھ درست ہے تو میں تم سے قریب ہوں دورنیں ہوں۔“

نیز حضرت غوث الشفیعین ابو صالح سیدی عبد القادر رضی اللہ عنہ کے مقدس حالات میں لکھا ہے کہ آپ کا قول ہے: (ترجمہ) ”میرے مریدوں میں سے جس کا گھوڑا ٹھوکر کھائے قیامت تک میں اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہوں۔“ چنانچہ قصیدہ غوشیہ

میں آپ فرماتے ہیں ۔

مریدی لاتخف داش فانی

عزم قاتل عند القتال

(اے میرے مرید نہ ڈر۔ بے شک میں پختہ ارادہ کرنے والا ہوں۔ اور جنگ کرنے والا ہوں جنگ کرنے والوں کے ساتھ)۔

اللہا ہم غلامان وارثی بھی اس انعام سے محروم نہیں رہے۔ اور ہمارے مقتداً
برحق نے بھی وعدہ فرمایا کہ ”ہزار کوس پر ہو گے اور محبت ہے تو ہم دل کے پاس ہیں“۔
اور اس صادق الاقرار پیشوائے دکھا بھی دیا کہ ہم غائبانہ دست گیری کرتے ہیں۔ اور
تمہارے معین و مددگار رہتے ہیں۔

چنانچہ اکثر مریدین حضرات کو ایسے واقعات پیش آئے کہ حضور نے امداد
فرمائی اور تکلیف مبدل براحت ہو گئی۔ جس کی تصریح کی شاید ضرورت نہیں۔ کیونکہ
جن کے دکھانے کے لئے یہ واقعات نہ تفصیل نگارش کروں گا، وہ مجھ سے زیادہ حضور
کے اس فیض و تصرف سے دافع ہیں۔ اور خوب جانتے ہیں کہ ہمارا وارث ضرور
ہماری امداد کرتا ہے۔ اور اس کا بھی یقین ہے کہ ہمیشہ یوں ہی دست گیری فرمائے گا۔
لیکن یہ ہدایت کہ ہیر کو دور نہ سمجھو جس کی عدم قابل ارادت کو ناقص کرتی ہے
اور اس ارشاد میں قطعیت اور قیم کلی بھی ہے۔ اس لئے ہمارا فرض منصبی نہیں بلکہ فرض
میں ہے کہ بقدر امکان خیال کو پختہ کریں۔ اور بہتر بغزو نیاز اس کار ساز حقیقی سے
تو فین کے متندی اور خواستگار ہوں کہ

بدل دے اور دل اس دل کے بدے

اللّٰہ تو تو رب العالمین ہے!

معہد اجنب حضرت نے اس کی بھی عام تا کید فرمائی ہے کہ ”وضع کی پابندی کرو۔“ اور جس حلقہ بگوش نے وضع کا خیال کیا، اس سے ضرور آپ خوش ہوئے، بلکہ خود حضور کے مزاج ہمایوں کا یہ انداز تھا، کہ اتفاقیہ طور پر اگر کوئی کام ایک مرتبہ بھی کیا تو پہلواظوضع ہمیشہ اس کا خیال رکھا۔ اور اس کی ضرور پابندی کی۔ اگرچہ اس کی تفصیل میں طوالت بہت ہے لیکن نہایت اختصار کے ساتھ جناب والا کی چند عادات نگارش کرتا ہوں جن کے دیکھنے سے ظاہر ہو جائے گا کہ حضور نے روزمرہ کی معمولی باتوں میں بھی ایسی مستقل پابندی سے وضع کا لحاظ فرمایا، جس کی نظریہ نہیں ملتی۔

مثلاً انداز استراحت یہ تھا کہ آپ داہنے پہلو سے آرام فرماتے تھے۔ چنانچہ حضور نے بکمال اہتمام اس کی پابندی فرمائی، اور ہر وقت داہنے پہلو سے آرام فرمایا۔ کسی وجہ سے نشت چار زانو بالکل ناپسند تھی۔ جس کو ایسا ترک فرمایا کہ کسی خاص ضرورت کے وقت بھی یہ نشت جائز نہ رکھی۔

ہر روز سر اقدس اور ریش اطہر میں شانہ ہوتا تھا۔ اس وضع کا ایسا خیال رکھا کہ ہمیشہ وقت معینہ پر ضرور شانہ کیا۔

علی ہذا سرمه بھی اسی طریقہ سے لگایا کہ جو وقت اس کے لئے مقرر تھا اس وقت سرمه لگانا کبھی سہو نہیں فرمایا۔

کھانا تناول فرمانے کے لئے جو طرز اور نشت اختیار کی تھی، کبھی کسی خاص وجہ سے بھی اس میں تغیر نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ بھی جس حاجت مند کی حاجت روائی فرمائی پھر جب وہ حاضر ہوا،

تو اسی قدر اس کی پروردش ضرور کی گئی۔

دستور یہ تھا کہ جب سفر سے دیوبے میں تشریف لاتے تھے تو بدنام شاہ اور خدا بخش شاہ کو اپنی صورت دکھانے کھیولی اور پینڈ ضرور جاتے تھے۔ اس وضع کا لحاظ ایسا فرمایا کہ بدنام شاہ اور خدا بخش شاہ کے انتقال کے بعد بھی اس صاحب وضع کامل نے چند مرتبہ یہ تکلیف گوارا فرمائی۔

کسی شہر یا قصبه یا گاؤں میں پہلی مرتبہ جس کے مکان میں قیام پذیر ہوئے پھر جب وہاں تشریف لے گئے تو اسی کے مہمان ہوئے۔ بلکہ اکثر یہ ہوا ہے کہ پہلے ایسے شخص کے مہمان ہوئے کہ جو غریب یا معمولی طبقہ کا ہو، اور بعد میں وہیں کے شرفا اور سر بر آور دہ رئیس حلقہ بگوش ہوئے، اور انہوں نے انجام کی کہ اس مکان میں تکلیف ہوتی ہے حضور ہمارے مکان میں قیام فرمائیں۔ مگر جناب حضرت نے کبھی پسند نہیں کیا اور یہی فرمایا کہ وضع کے خلاف ہے۔

چنانچہ ایسے متعدد واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ بہراج میں حافظ پیاری نے نہایت اولوالعزمی سے حضور کی دعوت کی جس میں چند راجہ بھی ان کے مہمان تھے واپسی کے وقت آپ کے قدیم حلقہ بگوش محمد سلیم مستری نے جو معمولی تنخواہ پر ریاست پیاگ پور میں ملازم تھے اس اتحادی سے آپ کو مدعا کیا کہ پہلے بھی ان کو یہ سعادت نصیب ہو چکی تھی، کہ حضور اس راستے سے گزرے تھے اور ان کے مہمان ہوئے تھے جب یہ خبر راجہ صاحب پیاگ پور کو ہوئی جو اس جلسہ میں موجود تھے، تو دست بستہ بھی ہوئے کہ محمد سلیم غریب آدمی ہے اور اس کا مکان اٹیشن سے دو کوں ہے اور میرا مکان اٹیشن سے بہت قریب ہے۔ لہذا آپ وہیں قیام فرمائیں، تو میری

عزت افزائی ہوگی۔ راجہ صاحب کا یہ اصرار حضور کو ناپسند ہوا، اور فرمایا کہ ”ہم کو کسی امیر سے غرض ہے نہ غریب سے۔ مسٹری کو محبت ہے۔ اور ہم اس کے بیہان تھہر پچے ہیں۔ دوسری جگہ رہنا وضع کے خلاف ہے“۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ محمد سلیم کے خس پوش مکان میں قیام کیا۔ اور باوجود اصرار بلیغ راجہ صاحب کی رفیع الشان کوئی میں رہنا گوارانہ فرمایا۔ اور غریب مسٹری کی محبت کے مقابلہ میں راجہ صاحب کی وجہت کو پیچ سمجھا۔

اتھا یہ کہ دیہات کے سفر میں اگر کسی مقام پر استجاء کیا یا کسی درخت کے سایہ میں آرام کیا۔ یا کسی کنوئیں کا پانی پیا۔ تو جب بھی اس راستے سے گزرا ہوا تو اسی مقام پر ضرور استجاء کیا جہاں کیا تھا۔ اور اس درخت کے سایہ میں وقفہ کرنا لازمی تھا۔ یا اس کنوئیں کا پانی ضرور نوش فرماتے تھے۔ جناب حضرت کا ہربات میں غیر معمولی طور پر لحاظ وضع فرمانا شاید اس وجہ سے بھی تھا کہ اکثر ارشاد ہوا ہے کہ ”سیدواڑہ میں سب وضع دار تھے جو کہتے تھے وہ کرتے تھے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہمارے خاندان میں ایسے پابند وضع تھے کہ پچھا ہمارے والد سے ناخوش ہو کر بریلی چلے گئے۔ اور کہا کہ جب مر جاؤ گے تو آؤں گا۔ وہی کیا کہ جب انتقال کی خبر سنی تو آئے اور فاتحہ میں بہت روپیہ صرف کیا۔“

شاید اسی وجہ سے حضور نے اپنے غلاموں کو بھی پابند وضع رہنے کی تائید فرمائی، اور جس نے عمل کیا، اس سے خوش ہوئے۔ جیسا کہ مولوی محمد سلطھی وکیل وریس عظیم آباد جن کو وضع دار کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا تھا ہمیشہ اس کے پابند رہے۔ حتیٰ کہ میلہ کا تک کی شرکت کے لئے جس تاریخ

کو وہ پہلی مرتبہ آئے تھے اسی تاریخ کو ہمیشہ حاضر ہوتے تھے۔
بلکہ ایک مرتبہ ید شواری پیش آئی کہ ان کی لڑکی عارضہ ہیضہ میں بنتا تھی،
اور تاریخ حاضری آگئی۔ مولوی صاحب اس کو احضار یا جان کننی کی حالت میں چھوڑ
کر دیوے شریف چلے آئے جس کے دوسرے روز مریضہ کے معانج ڈاکٹر احمد رعلی
خان کا تار آیا کہ لڑکی کا انتقال ہو گیا۔

یہ خبر حضور نے سئی، تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ ”مولوی صاحب تم نے
تو اپنی وضعداری دکھا دی۔ لیکن اکثر مریض کو سکتہ ہو جاتا ہے، اور سب سمجھتے ہیں کہ
مر گیا۔“ اس وقت حاضرین نے اس کا خیال نہیں کیا کہ اس ارشاد کے پردے میں کیا
تصرف فرمایا۔ مگر تیسرے روز مکان سے خط آیا کہ چھ گھنٹے کے بعد لڑکی زندہ ہو گئی، اور
اب اچھی ہے۔ غرض مولوی صاحب کو اس وضعداری نے صدمہ جانکاہ سے بچایا اور
”ہم خرما و ہم ثواب“ کے مصدق ہوئے۔

از اس جملہ یہ بھی حضور نے فرمایا ہے کہ ”عاشق کا مرید بے ایمان نہیں
مرتا۔“ اس ارشاد میں قطعی تعمیم اور بلا تحصیص حیثیت واستعداد کل مریدین سے خطاب
اور سب کے واسطے یہ خوش خبری کیساں ہے۔ کیونکہ اس فرمان میں مطلق مرید کا ذکر
ہے۔ اس کے مارج سے بحث نہیں کی گئی۔ اس نے بغیر کسی تفریق کے جس طرح بہ
لحاظ بیعت جملہ حلقة بگوش ایک رشتہ میں وابستہ ہیں۔ اور اپنے مقنداء برحق کو یک
زبان پیر کرتے ہیں۔ اسی طرح حضور نے ہمارے اعمال و اطوار میں تحصیص و امتیاز کو
ڈھن نہیں دیا۔ بلکہ غیرت و ارثی نے اپنے اچھے اور بے مریدوں کو کیساں یاد فرمایا۔
اور اس انعام میں سب کا مساوی حصہ تجویز ہوا۔ اور سب کی اراد و حمایت کا ایک طور پر

وحدہ کیا۔ اور جوش رہبری اور شانِ محبوسیت میں فرمایا کہ ہمارا کوئی مرید بے ایمان نہ
مرے گا۔ لہذا دیگر ہدایات میں تو عقائد و اعمال کی تعلیم یا شائستگی اخلاق کا سبق ہے۔
لیکن یہ فرمان سراپا بشارت اور حضور کی قوت کامل و تصرفات اتم کی بین دلیل ہے۔
اگر ارشاد مذکور بظاہر مشروط معلوم ہو کہ یہ بشارت بحق مرید عاشق ہے اور
حضور نے ایک کلیہ بیان کیا ہے۔ یہ تو فرمایا نہیں کہ ہمارا مرید بے ایمان نہ مرے گا۔ تو
اس شبکی رفعت دیوں ہو جائے گی کہ جناب حضرت کی انکسار آمیز طبیعت اور سادگی
پسند مزاج کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے کامل اختیار اور علوی مرتبت کے اظہار تصریح میں تامل
ہوا، اور لفظ عاشق کے جواب میں یہ بشارت دی۔ اور یہ لفظ عاشق واضح طور پر ضمیر تکلم
اس وجہ سے ہے کہ وہ فرمان جس کے اعلان کا اہتمام ہوا۔ اور آپ کے حکم سے ضبط
تحریر میں آیا۔ اس میں صاف ارشاد ہوا ہے کہ ہماری منزل عشق ہے جس سے ثابت ہو
گیا کہ حضور قطعی عاشق کامل ہیں۔ اور عشق الہی آپ کا میں مشرب ہے۔ اور جب یہ
فرمایا کہ ”عاشق کا مرید بے ایمان نہیں مرتا۔“ تو عاشق سے مراد حضور ہی کی ذات
با برکات متصور ہو گی۔ اور اس کے معنی یہی ہوں گے کہ ہمارا مرید بے ایمان نہیں
مرتا۔“

اور بفرض حال اگر یہ خصوصیت اجتماعی ہی متصور ہو، اور لفظ عاشق میں دیگر
عاشقان با صفا بھی شریک سمجھے جائیں، تو بھی ہم کو اتفاق ہے۔ اس لئے کہ امت محمدی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اکثر ایسے اولوی العزم اور صاحب اختیار عاشق گزرے ہیں
جن کے عشق صادق کا زمانہ مترف ہے۔ بلکہ بعض مقبولان احادیث نے جوش عشق
میں اپنے مریدوں کو جنت کی خوش خبری بھی دی ہے جس کا ذکر کران کے ملفوظات میں

ہے۔ اور اس خوش خبری پر معتقد میں حضرات صوفیہ نے بھروسہ بھی کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت نظامی فرماتے ہیں۔

خوف رستا خیزان قلب نظامی محسود

اطف پیرے فروشاں را پنا ہے ساختم

(جنگ کا ڈر نظامی کے دل سے مت گیا۔ شراب بیچنے والے پھر مغاں کی شفقت کو میں نے اپنی پناہ بنالیا۔)

پس جس طرح وہ حضرات اپنے مریدین کو جنت کی بشارت دے گئے۔ اسی طرح ہمارے مقتداء ذی مرتبت نے جس کے عشق کامل کا چار دانگ عالم میں تقارہ بجا، اپنے غلاموں کو یہ بشارت دی کہ بے ایمان نہ مرو گے۔

لیکن اس حقیقت اجنبی میں بھی ہم کو فخر اس کا ہے کہ ہماری بشارت میں خاص امتیاز ہے۔ اور سرکار وارثی سے ہم کو وہ انعام ملا ہے جس کے لائق ہرگز ہم نہ تھے۔ کیونکہ حضرات عاشقین نے اگر اپنے مریدوں پر شفقت فرمائی، تو ان کو جنت کی بشارت دی لیکن ہمارے صادق الاقرار وارث عالی بتانے ہم سے وعدہ فرمایا کہ تم بے ایمان نہ مرو گے۔ گو جنتی ہونا بھی آسان نہیں۔ مگر ایمان تصدیق کا مراد ف اور روحانی مدارج میں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ جس کی تشریع سے حضرات صوفیہ گرام کی تقینیات مملو ہیں۔ اس لئے ہم بہزار ناز اس کا آوازہ بلند کر سکتے ہیں، کہ انشاء اللہ وارث پاک کی دست گیری سے بے ایمان نہ مرسیں گے۔

چنانچہ اسی عالم میں مشاہدہ ہو گیا کہ فیضان وارثی ہمارے ایمان کا قطعی حافظ ہے۔ اور دم آخر ضرور دست گیری ہوتی ہے۔ اور ہم با مراد مرتے ہیں۔ مگر یہ تصرف

عام تو ایسا مشہور ہے کہ جس کی تصریح کی بھی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ جملہ غلامان وارثی واقف ہیں، اور متعدد واقعات پیش خود دیکھے ہیں کہ آپ کے دست گرفتہ کا خاتمه اچھا ہوتا ہے۔ اور ان کا یہ علم ان کے اطمینان کے واسطے کافی ہے۔ اور اس کی تصدیق ہے کہ ”عاشق کا مرید بے ایمان نہیں مرتا۔“

اگر یہ خیال ہو کہ مستر شدین عشق کے لئے بے ایمان نہ مرنے کی خصوصیت کیوں ہے؟ تو اس کا تصفیہ یوں ہوتا ہے کہ ایمان جس کا تعلق قلب سے ہے وہ بغیر محبت حاصل نہیں ہوتا۔ اس واسطے مرید عاشق کی شرط لازمی تھی، کیونکہ عاشق کامل کا حلقة گوش فیضان محبت ہی سے مستفیض ہوتا ہے۔ لہذا وہ ایمان یعنی محبت سے جب سروکار ہوا، تو ضرور ہے کہ خاتمه ایمان پر ہو جو محبت کا نتیجہ ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ مشرب عشق میں بیعت کے لئے محبت کو شرط گردانا ہے جیسا صاحب فوائد الغواد نے لکھا ہے کہ ”ارادت و بیعت عبارت از عشق و محبت پیر“۔ یعنی ارادت کی ابتداء ہی محبت پیر سے ہوتی ہے، اور مرید بغدر استعداد پیر کا عاشق ضرور ہوتا ہے۔ یہ تعریف تو عاشق کے مرید کی ہوئی۔ اور نتیجہ محبت یہ ہے کہ جب حدیث نبوی ”المرء مع من احب“ جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ لہذا ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب محبت مرید اپنے پیر عاشق کامل کے ساتھ رہے گا۔ اور جب عاشق کامل کی معیت میں ہے، تو بے ایمان کیونکہ مر سکتا ہے۔ اس لئے ہم کو امید بلکہ یقین ہے کہ انشاء اللہ بے ایمان نہ مرسیں گے۔

لیکن یہ دوسری بشارت اور زیادہ واضح اور باعث افتخار ہے کہ حضور نے متواتر یہ فرمایا ہے کہ ”ہمارے بیہاں سب کا حصہ ہے۔ جو جس کی قسمت کا ہے، وہ اس

کو ضرور ملتا ہے۔ اگر زندگی میں نہیں ملتا ہے تو مرتے وقت اس کو دیا جاتا ہے اگر مرتے وقت بھی نہیں، تو اس کی قبر میں محفوظ دیا جاتا ہے۔

اس خوش خبری کا مضمون بغیر کسی تصریح کے عام ہے۔ اور ہمارے خضر طریقت نے اس ارشاد میں سخائے پختگی اور شان وارثی کا اظہار فرمایا ہے کہ غلاموں کو وہ انعام دینے کا وعدہ کیا ہے جو ان کی حیثیت اور امید سے بہت زیادہ ہے۔ اور حضور کے اس فیض عام نے ہر ایک حلقہ بگوش کو اس نعمت عظیمی کا حصہ دار بنادیا جس کی حقیقت سمجھنے میں ہمارا دراگ قاصر ہے۔ کیونکہ جناب والا نے اپنے جملہ غلاموں سے یہ خطاب کیا ہے کہ جس کا جو حصہ ہے وہ اس کو دیا جائے گا۔ یہ وعدہ زرو جواہر تقسیم کرنے کا تو ہونیں سکتا۔ اس لئے کہ زرو جواہر سے تو ہمیشہ تضرر رہا۔ چنانچہ آپ کے متروکات میں ایک ترک یہ بھی خصوصیت کے ساتھ دیکھا گیا ہے کہ حضور نے روپیہ، پیسہ، اشرفتی کو کبھی پاٹھ نہیں لگایا۔ لہذا یہ حصہ آپ نے اسی دولت لا زوال کا تقسیم فرمایا ہے۔ جو آپ کے گنجینہ صدر میں محفوظ تھی۔ یا یوں کہا جائے کہ نظر پر ورش آپ نے ہر ایک غلام کو اس دولت میں سے حصہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے جو آپ کو دراثت اہل بیت کرام سے پہنچی اور عرف صوفیہ میں جس کو فقر کہتے ہیں۔

یہ بشارت غلامان وارثی کے لئے ضرور سرمایہ ناز ہے۔ کیونکہ اس تقسیم میں سب سے چھوٹا حصہ بھی جس کو مل گیا، یا ملے گا، وہ خوش نصیب ”کر منا بني آدم“ کا مصداق ہو گا۔ کیونکہ مقام فقر وہ اعلیٰ اور برتر مرتبہ ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ و آله وسلم نے فرمایا ”الفقر فخری“، بس ایسی محنت بالشان عظمت کی اگر ہوا بھی کسی کو لگ جائے گی تو جو کچھ فخر و مہماں وہ کرے، اس کو زیبا ہے۔ اس واسطے کے خلاصہ

فقریہ ہے کہ موجودات عالم سے انقطاع قطعی اور خدا سے سروکار کامل ہو۔ اور جس کو فقر سے جس قدر نسبت ہوتی ہے، اسی قدر اس کو حضرت احمدیت جل جلالہ سے سرکار ہوتا ہے۔ لہذا معمولی سروکار الہی بھی اگر نصیب ہو تو کم از کم اس کا نتیجہ یہ ضرور ہو گا کہ با ایمان مریں گے۔

ابتدئی حصہ قسمت مریدین کے ساتھ مشروط ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عطیہ وارثی بخلاف حیثیت واستعداد تقسیم ہو گا۔ اور اس کی ضرورت بھی تھی، کیونکہ ہمارا ظرف مساوی نہیں ہے۔ بلکہ حضور کی یہ بندہ پروری ہے کہ ہم ایسے نااہل و ناکارہ غلاموں کو بھی اس تقسیم میں شریک گردانا۔ اور شاید اسی وجہ سے یہ استحقاق مشارکت کسی خدمت پر منحصر نہیں رکھا۔ محض اپنی عنایت سے یہ شان وارثی دکھائی کہ ہر ایک دست گرفتہ کو فیضان باطنی سے مستفیض فرمانے کا وعدہ کیا۔

الحمد لله على احسانه۔ (تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اس کے احسانات پر)

الغرض جناب اقدس کے مجموعہ ملفوظات میں سے یہ چند ارشادات اس خیال سے نقل کئے گئے تھے کہ تمامی مریدوں کے واسطے یہ احکامات مساوی حکم رکھتے ہیں۔ اور جملہ آستان بوس یقہ در حیثیت ان کی قیمت کے لئے ضرور مکلف ہیں۔ اور یہی بدایات ہمارے دنیوی معاملات کو بھی درست کرتے ہیں۔ اور دنیوی فتوحات حاصل کرنے کے لئے بھی انہیں کی قیمت کافی ہے۔ بلکہ انہیں چند ارشادات کو اگر غلامان وارثی کے مشربی قانون کا خلاصہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو گا۔

مگر یہ ضرور ہے کہ ان کی شرح و سط کے ہم محتاج ہیں۔ اور وہ نہیں ہوتی۔

حالانکہ یہ احکام بھی بظاہر روزمرہ کے الفاظ میں صادر ہوئے ہیں۔ لیکن باطنی فیوضات

سے چونکہ گہر اتعلق رکھتے ہیں، اس لئے درحقیقت روحانیت سے مملو اور نکات معنوی سے معمور ہیں۔

گواپنی جسارت سے بعض ہدایات کی مختصر طور پر شرح بھی کی، مگر اس کا اعتراف ہے کہ واقعی مجھ کو یہ اہلیت نصیب ہے۔ رموز تصوف سے محض تابد ہوں اور سلوک طریقت سے بالکل بے خبر۔ اسی وجہ سے نکات معنوی کا ذکر بھی نہ کر سکا، اور یہ شرح ناکافی اور ناتمام رہ گئی۔ ہاں اگر کوئی عالی خیال اور صاحب کیفیت و حال لکھتا تو وہ شرح بکار آمد اور قابل اعتبار ضرور ہوتی۔

علاوه اس کے یہ معیار بھی قائم نہیں کر سکتا کہ انہیں ملفوظات میں تعیم ہے۔ اور یہی ہدایتیں جملہ مریدین کے حق میں مساوی حکم رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ ارشادات تو اپنے علم و حافظہ کے اعتبار سے نقل کئے ہیں۔ اور ان کو سر کار وارثی کا حکم عام سمجھتا ہے۔ بہت ممکن بلکہ ضرور ہے کہ ایسے اور بھی متعدد فرمان وارثی ہماری ہدایت کے لئے وقت فو قتا صادر ہوئے ہوں۔ لیکن اس کی کوہہ معزز برادران طریقت پورا کر سکتے ہیں جو ایسے ملفوظات کی ساعت سے مستفید ہوئے ہوں اور اپنے گوشہ دل میں ایسے گوہر بے بہا محفوظ رکھتے ہوں۔

لیکن اس ناتمام تصریح سے بھی اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ شفقت وارثی نے ہماری ہدایت کے لئے کیا کیا اہتمام فرمایا اور کیسے کیسے انعام مرحت ہوئے۔ اور کس کس نعمت کی بشارت دی ہرگز جس کے لاائق ہم نہ تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہو جائے گا، کہ غلامان وارثی کاملاً قومی و مسلک کیا ہے۔ آپ کے ایک ایک حلقة گوش نے بکمال صبر و استقلال کیسے کیسے اہم اور دشوار بلکہ ناقابل برداشت مجاہدے کے اور شاہد حقیقی

کی یاد میں اپنی سستی کو بر باد کیا۔

مگر غلامان وارثی کے اس کثیر التعداد گروہ میں فقراء تہبیند پوش بھی ہیں جن کے لباس اور طرز معاشرت میں خاص امتیاز ہے۔ گواہ کام مذکورہ کی بجا آوری میں یہ گروہ بھی خصوصیت کے ساتھ شریک ہے۔ اور ان ہدایات کی تعییل اس گروہ کے لئے اسی قدر لازمی ہے۔ جس قدر عام غلامان وارثی کو ضروری ہے۔

لیکن سرکار وارثی نے اپنے خرقہ پوش غلاموں کے واسطے مخصوص طور پر بعض احکام صادر فرمائے ہیں جس کی تعییل اسی حلقہ بگوش پر واجب ہے جو تہبیند پوش ہے۔ مگر وہ ارشادات اس رسالہ میں نہیں درج ہو سکے۔ ہاں خدا نے لا یزال کافضل اگر شامل حال رہے تو دوسری جلد میں وہ احکامات بھی بصراحت نگارش کروں گا۔ واللہ المستعان و هو خير الوارثين۔ (اور اللہ ہی مددگار ہے اور وہی سب وارثوں سے بہتر ہے۔)

تقریظ بے نظیر و تحریر دلپذیر

از متعجب گر عالی مقبول بارگاہ صمد جناب قاضی سلیمان احمد صاحب وارثی لکھنؤی

صبا وقت سحر بوئے ز زلف یار می آورد

دل شوریدہ ما را نو در کار می آورد

(بادی صاحبی کے وقت یار کی زلف کی خوبی بولاتی ہے۔ ہمارے پریشان دل کو ایک

نئے راز میں مصروف کرتی ہے۔)

الحمد للہ کہ سرکار و الاتبار تاج العارفین امام الواصلین سیدی و آقا می وارثی و

مولائی کریم ابن کریم الحسنی آئیہ من آیت اللہ حضرت وارث پاک خلف الصدق

صاحب لولاک سلام اللہ علیہ وعلیٰ آبادیہ اکرام کا وہ کلام قدسی جس کو کتاب اللہ کی حقیقی

تفسیر اور نبی امی و رسول ہاشمی ﷺ کی اصلی روحانی تعلیم کہنا زیبا ہے ہنوز پرده خمامیں

مستور تھا۔ اس کو ہمارے خواجہ تاش برادر دینی مخدوم و محترم جناب مرزا محمد ابراہیم

بیگ صاحب شیدا وارثی لکھنؤی نے جو اس بارگاہ مختصہ کے قدیم حلقوں گوش ہیں۔ اور

جن کو کافی زمان پیشوائے ذی مرتبت کی خدمت فیض درجت میں شرف حضوری

حاصل رہا بکمال اہتمام رسالہ منہاج العشقیہ فی ارشاد اوارشیہ میں جمع کیا۔ جس کو

مشرب غلامان وارثی کا دستور اعمل کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

اس قانون محبت کا کتابی صورت میں لانا مؤلف مددح کا وہ احسان ہے

جس سے کبھی ہم سبکدوں نہیں ہو سکتے۔ بجز اس کے کہ حضرت وارث عالم پناہ کے

و سیلہ سے درگاہ احمدیت جل جلالہ میں عرض کریں کہ پروردگار اپنے فضل و کرم سے مولف موصوف کو دارین میں خوش رکھے۔ آمین۔ یہ ضرور ہے کہ ارشادات وارثی کو اس شرح و بسط کے ساتھ لکھنا دشوار تھا۔ لیکن مولف کی سعی اور کوشش کو افضل ایزدی اور تصرف وارثی نے کامیاب فرمایا کہ وہ ارشاد جو غلاموں کے سینہ میں محفوظ تھے درج سفینہ ہوئے۔

مولف مددوح نے یہ بھی اہتمام کیا ہے کہ وہی ہدایات نقل فرمائی ہیں جن کا مشرب وارثی سے گہر اتعلق اور عامہ مریدین سے یکساں سروکار ہے۔ بلکہ نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس رسالہ کا اصل موضوع صرف محبت اور ترک سوال ہے۔ لیکن ہر دو مسائل کی تصریح اس خوبی سے عام فہم الفاظ میں مستند اور معتبر حوالہ سے کی ہے جو ناظرین کے لئے عموماً اور غلامان وارثی کے واسطے خصوصاً واقفیت کا اچھا ذریعہ ہے۔ حالانکہ خود مولف موصوف نے اعتراف کیا ہے۔ اور بہت صحیح ہے کہ ارشادات وارثی کی تشریح محال ہے۔ اس خیال سے اگر حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ کا ہم نوا ہو کر یہ عرض کروں تو شاید ناموزوں نہ ہو گا۔

ایں شرح بے نہایت کر حسن یار گفتند

حرفیست کر ہزار ان کا نذر عبارت آمد

(یہ بھی شرح کہ جو یار کے حسن کے بارے میں انہوں نے کہی۔ یہ ہزاروں میں سے فقط ایک حرف ہے جو بیان ہو گیا ہے۔)

اور حکمات وارثی کی حقیقی تشریح اس وجہ سے دشوار اور ہمارے جداختیار سے باہر ہے۔ کہ مشرب وارثی کا اصل الاصول عشق حقیقی ہے۔ اور اس ہادی برحق و

حضر طریقت نے ہمارے واسطے موصل الی المقصود والمطلوب طریق عشق ہی کو تجویز فرمایا ہے۔ اس لئے جملہ ہدایات وارثی محبت پر مشتمل ہیں اور حقیقت عشق اور ماہیت محبت کا اظہار قطعی دشوار ہے، بس بجز سکوت و خاموشی اختیار نہیں۔ بقول

قصة العشق لا انفصال لها

وصمت ها هنا لسان القال

(عشق کا قصہ ختم ہونے والا نہیں بلکہ یہ تو مسلسل جاری رہتا ہے۔ اس کیلئے کوئی انقطاع نہیں۔ اور بتیں کرنے والی زبان وہاں خاموش ہو جاتی ہے۔)

لہذا اب خداوند جل وعلا کے حضور میں عرض ہے کہ وہ اس کتاب کو مقبول فرمائے۔ اور طالبان صادق کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ اور آخر میں قطعہ تاریخ طبع نگارش کرتا ہوں۔ وہ موحدا

ہدایات وارث چو شیدا نوشت	ہم عین تلقین و تعلیم عشق است
گبو ہادی راہ اقلیم عشق است	چنیں بہر ساںش ندا آمدہ

۱۳۲۸ھ

(وارث پاک قدس سرہ العزیز کے ملفوظات، ہدایات اور ارشادات جو جناب شیدا نے لکھے ہیں یہ سب عشق کی تلقین و تعلیم ہے۔ اس کے سال کے بارے میں یوں آواز آئی کہ یہ عشق کی ولایت کے راستے کی رہنمائی کرنے والا ہے۔)

تمت بالخير

حصہ دوم

فجک راحتی فی کل حین

و ذکر ک مونسی فی کل حال

(تیری محبت ہر وقت میرے لئے راحت ہے۔ اور تیرا ذکر ہر حال میں میرا مونس و
غمخوار ہے۔)

اس شعر میں لسان الغیب حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ نے عاشقان جان
باز کی اس حقیقی حالت کا ذکر کیا جو بغیر کسی فرق و امتیاز کے عشق کا نتیجہ اور عشاق کا لازمی
خاصہ ہے کہ محبت حبیب جب محبت صادق کی میں راحت ہے تو ذکر محبوب کسی پیدا یہ
میں کیوں نہ ہو۔ عاشق علمگین کے خاطر بیقرار کے حزن و اضطرار کے واسطے ضرور
باعث تسلیکین ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے ممتاز اور برگزیدہ اطبائے روحانی کی متفقہ
رائے ہے کہ علیل محبت کی دواذ کر خلیل ہے۔ چنانچہ حضرات عاشقین کا مقولہ ہے کہ
”طبیی ذکر حبیبی“ اور مشہور ہے کہ قیس عامری کا مرض ہمیشہ ذکر لیلے سے
زاں ہوا۔ کسی نے تجویز کیا ہے کہ ”ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے۔“

الہذا سرگردان وادی الفت کے رنج و آلام کا صریح علاج فقط مطلوب کا نام
ہے۔ بلکہ بعض فراغت رسیدہ عشاق نے خاطر مغموم کی تشفی کے لئے اسم یار کی کتابت
فرمائی ہے اور اسی شغل کی بد ذات غم روزگار سے فراغت پائی۔ جیسا کہ مجھنون کے
حوال میں حضرت شمس المحدث والدین مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز کے

یہ اشعار مشہور ہیں:-

دیدِ مجنوں رائیکے صحراء نور د در بیابان غمش بہ نشست فرد
ریگ کاغذ بود افغانستان قلم می نمودی بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا جیست این می نویسی نامہ بہر کیست این
گفت مشق نام لیلے میکن خاطر خود را تسلی میکن
(ایک صھر انور مسافرنے مجنوں کو دیکھا کہ لیلی کے غم کے بیابان میں وہ اکیلا بیٹھا ہوا
تھا۔ ریت کاغز اور انگلیاں قلم تھیں۔ کسی کیلئے وہ ایک نامہ لکھ رہا تھا۔ اس مسافرنے کہا
اے مجنوں، شیدائی یہ کیا ہے؟ تو کس نے نامہ لکھ رہا ہے؟ اس نے کہا میں لیلی کے نام
کی مشق کر رہا ہوں۔ اور اپنے آپ کو تسلی دے رہا ہوں۔)

لیکن یہ حالت انہیں اہل محبت کو نصیب ہوئی ہے جو روزِ بیانق سے شاہدِ قدیم
و قدیر کے شیفتہ اور بیانق ہیں۔ عوام کا یہ منصب نہیں کہ عارضی جوش کا عاشقانہ ذی
مرتبہت کی گرفتاری حالت سے مقابلہ کریں۔ کجا لعل بے بہا۔ کجا سنگ خارا۔ وہ عاشق
صادق مقبول حق ہم ظاہر ہیں ہوتا ک۔ ”چ نسبت خاک را باعالم پاک“ (خاک کو
عالیٰ پاک سے کیا نسبت۔) بتول

پائے بست عالم سفلی بعلوی کے رسد
ہرزہ کارے دیگر و دیدار بینی دیگر است

(جس کے پاؤں علوم سفلی کی طرف بندھے ہوئے ہوں وہ بلند مقام کی طرف کیے پہنچ
سکتا ہے۔ بے ہودہ فاتحہ کام کچھ اور ہیں اور محبوب کا دیدار کرنا کچھ اور ہے۔)

خصوصاً مجھ نا بلدر را محبت کو ذکر عشق و عاشقی کا خیال کرنا بھی ناز بیا ہے

حالانکہ نام تو ضرور شیدا مشہور ہوا۔ مگر نہ سوز مجبت سے دل باخبر نہ انتظار یار سے آنکھیں بہرہ در۔ نہ واقف رموز اشتیاق لذت فراق ہوں۔ فی الحقيقة۔ ”بر عکس نہند نام زنگی کافور“ (زنگی کا نام کافور رکھ دینا) کا مصدق ہوں۔ البتہ اس کی قوی امید ہے کہ حضرات اہل مجبت کی تقلید میرے واسطے مفید ہوگی۔ اس لئے وہی کام پھر کرتا ہوں جس میں معروف تھا۔ اور ارشادات وارثیہ کی دوسری جلد بسم اللہ کر کے شروع کرتا ہوں ”رب یسر ول اتعسر و تم بائیخیر۔“ (اے میرے رب! آسان فرم اور میرے لئے مشکل نہ فرم۔ اور یہ کام جو میں نے شروع کیا ہے اسے اچھائی کے ساتھ پایہ تجھیں تک پہنچا۔) ہر چند جلد اول میں جو احکام وارثی نقل ہوئے۔ وہ جملہ مریدین کے واسطے مساوی حکم رکھتے ہیں۔ لیکن حضور کے حقہ بگوشوں میں ایک ممتاز گروہ تہبیند پوشوں کا ہے جو بہ لحاظ ارادت جمیع غلامان وارثی کے ساتھ ارشادات مذکورہ کی تعمیل میں بغیر کسی افتراق کے شریک ہیں۔ لیکن اس خرقہ پوش جماعت کے لئے بعض قیود شرعاً مخصوص بھی ہیں۔ لہذا اس سلسلہ میں وہی احکام نقل کروں گا جن کی تعمیل کے واسطے وہی ارادہ مند مکلف ہیں جو بارگاہ وارثی کے فقیر تہبیند پوش ہیں۔

اور میں نے یہ اہتمام بھی ملحوظ رکھا ہے کہ بعض فقراء کے حق ہیں جو خاص احکام صادر ہوئے ہیں اور جن کی شخصی خصوصیت اور انفرادی حیثیت سے ان کا ذکر نہ کروں گا بلکہ اس رسالہ میں وہی فرمان وارثی نقل ہونگے۔ جن کو کلیہ تعمیم کا مرتبہ حاصل ہے اور بغیر کسی فرق و امتیاز کے جن کی تعمیل جملہ فقراء وارثی کو یکساں لازمی اور ضروری ہے۔ تاکہ یہ مجموعہ ملفوظات فقراء وارثی کے مشربی دستور اعمال کا خلاصہ اور قانون مسلم کا ایک نمونہ سمجھا جائے۔

یہ بھی عرض کروں گا کہ اس رسالہ میں وہی ملفوظ نقل ہوں گے جو میرے حافظہ میں محفوظ ہیں یا جن کا علم معتبر ذرائع سے ہوا ہے کیوں کہ میری مختصر زمانہ کی حاضری ہرگز اسکی مقتضی نہیں کہ جملہ احکام و ارثی سے خبردار ہونے کا دعوے کروں ممکن ہے کہ اپنے فقرا کے حق میں علاوہ ان ارشادات کے حضور نے اور بھی احکامات صادر فرمائے ہوں۔ اور قریبہ ہے کہ ضرور فرمائے ہوں گے۔ لیکن ان کا علم مجھ کو نہیں۔ اگر ایسا ہو تو اس کی کوہہ ممتاز اخوان ملت پورا کر سکتے ہیں جن کو پیشوائے برحق کی خدمت دیرینہ کا اختصاص حاصل ہے۔

علیٰ ہذا اس محدود و اقتیضت کے ساتھ مجھ کو اپنی عدم قابلیت کا بھی بخوبی اندازہ ہے اور اس کا اعتراف ہے کہ مذاق فقروں مسائل تصوف سے قطعی نابد و ناواقف ہوں اور مشکل یہ ہے کہ اس رسالہ میں وہی ملفوظات و ارثی نقل کرنا چاہتا ہوں جن کو فقر سے واسطہ ہے اور لازمی ہے کہ فقر کے شرائط و قیود کو روحا نیت سے گہرا تعلق ہو گا اور یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ مسائل روحانی کی تشریح بہت دشوار ہے۔ بقول جامی علیہ الرحمۃ

جامی کشیدہ دار زبان را کہ سر عشق

رمزیست کس مدان و حدیثے است کس گونے

(اے جامی! اپنی زبان کو کھینچ کر کیونکہ یہ عشق کے راز ایسی رمز ہیں کہ جن کو کوئی نہیں جانتا اور یہ ایسی بات ہے کہ جو کسی سے بیان نہ کر۔)

اور خاص کر مجھ نا اہل کو تو مطلق اس کی صلاحیت نہیں۔ اس لئے اگر کسی ملفوظ کی تشریح کرنے کی جگارت بھی کروں گا تو شاید اس کا ظاہری مفہوم کسی قدر نگارش کر سکوں ورنہ باطنی نکات و اطائف تو بالکل چھوٹ جائیں گے اور میری تشریح یقینی نا مکمل

رہے گی۔

اور دستور ہے کہ ناکمل تحریر ہمیشہ غیر مفید بھی جاتی ہے۔ لہذا بہتر ادب ناظرین کی خدمت میں گذارش ہے کہ میری بے ربط اور عامیانہ تشریح کو جو یہ ورنی پوست کے مانند بیکار محض ہے نظر انداز فرمائ کر کلام یعنی مرشد برحق کے ارشادات کے حسن ظاہری و باطنی کو اگر آپ بغور و تامل و یکھیں گے۔ تو انشاء اللہ بقدر حیثیت و استعداد ضرور گو ہر مراد سے مالا مال ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ مفہومات اس مددہ فیاض کے ہیں جو ادنے والے کی دلگیری کا ذمہ دار ہوا۔ اور جس کی شان رہبری نے یہ کر شد و کھایا کہ ہزاروں حلقوں بگوش اس کے محبت الہی کے جوش میں بے خود و مد ہوش ہوئے اور لاکھوں خوش انجام کامیاب اور فائز المرام ہو گئے اور آج بھی اہل طوہراہی کے مفہومات کے ظاہری مفہوم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور صاحب ذوق فیوضات باطنی سے روحانی ترقی حاصل کرتے ہیں۔ بقول

بہار عارض گلاؤں دل و جان تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت را بے بوار بباب مقنی را

(چھولوں جیسے رخسار والے کے دل و جان کو بہارتازہ رکھتی ہے۔ ظاہر ہیں لوگ ان گلوں کے رنگ اور حقیقت شناس ان کی خوبی سے تازہ دم ہوتے ہیں۔)

لیکن افضل الہی سے اگر یہ سالہ مترتب ہو گیا تو ناظرین کو اس کا علم بخوبی ہو جائے گا کہ ہمارے شہنشاہ عالم پناہ نے اپنے فقرا کے واسطے کیا شرائط و قیود مقرر فرمائے ہیں جن میں بعض جزو مسلک ہیں اور بعض میں مسلک اور جب فقراۓ وارثی کے حقیقی مذاق سے ناظرین کو واقفیت ہو جائے گی۔ تو وہ وارثی نما حضرات کے دام

تزویر سے محفوظ رہیں گے اور کسی خود رو درویش کے مکر میں نہ آئیں گے۔ کیونکہ مشرب
فقرائے وارثی کے معیار سے آگاہ ہونے کے بعد ارباب حق و اصحاب باطل کی
شاخت آسان ہو جائے گی۔

لہذا بکمال ادب اخوان ملت سے یہ انتہا ہے کہ اگر میری تحریر میں کوئی
غلطی ہوا اور ضرور ہو گی کیون کہ انسان خطاؤنسیان سے مرکب ہے۔ تو برآہ کرم صحت فرمائی
کر مجھ کو مر ہوں منت فرمائیں گے۔

محمد ابراہیم شیدا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اے زہ شان حق زہ قدرت

ہست وحدت عیاں دریں کثرت

من چہ گوئم کمال قدرت او وحده لا الہ الا هو
پھنیں نعت احمد ذی جاہ پس چہ گوئم دراء صلی اللہ
نور او نور خالق مطلق من رآنی بگفت رای الحق
(کیا ہی حق کی شان ہے اور کیا ہی اس کی قدرت ہے۔ اس کثرت سے اللہ کی وحدت
عیاں ہے۔ اس کی قدرت کامل کے بارے میں میں کیا بیان کر سکتا ہوں۔ وہ ایک
ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ صاحب مرتبہ نبی پاک احمد رسول ﷺ کی میں
اس طرح تعریف کرتا ہوں کہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔
آپ کا نور خالق مطلق کا نور ہے۔ حضور نے خود فرمایا ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس
نے حق کو دیکھا۔)

اما بعد۔ مصرع۔ "باز بایاراں بگوئیم ما جراۓ حسن دوست۔" (پھر میں اپنے
یاراں طریقت سے اپنے دوست کے حسن کا ما جراہ بیان کرتا ہوں۔) پھر وہی بیان جو
درحقیقت حرز جان بلکہ تقویت ایمان ہے۔ شروع کرتا ہوں اور حضرت وارث پاک
خلف الصدق صاحب اولاد اعظم اللہ ذکرہ کے وہ احکام جن کو تعییم و توائز کا مرتبہ
حاصل ہے اور جن کا خطاب انہیں ارادت مندوں کی جانب ہے جو بغاوت پیشوائے
کامل تعلقات عالم سے دوست بردار سبکدوش ہو کر حامل خرقہ وارثی یعنی تہبند پوش ہیں
نگارش کرتا ہوں۔

لیکن یہ ارشادات پر نسبت ان بدایات کے جن کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے اسی قدر متاز بھی ضرور ہوں گے جس قدر عام مریدین سے یہ حق شناس گروہ اگر اپنے ظاہری لباس کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو جلیل القدر اور حتم بالشان ہے اور درحقیقت یہی صورتیں ہمارے شہنشاہ عالم پناہ کی زندہ یادگاریں ہیں۔ اور یہی اہل ارادت راجح العقیدت ہیں جونگ ویش و آرام کو خیر با د کہہ کر را مطلوب میں بر باد ہوئے۔ فرط محبت میں لذات موجودات کو فراموش کیا۔ اسباب تزئین سے دست بردار ہو کر تہبند پوش فقیر ہو گئے۔ بقول

در رہ منزل لیلے کہ خطرہ است بجان

شرط اول قدم آنست کہ مجتوں باشی

(لیلی کی منزل کے راستے میں جان کیلئے خطرات ہیں۔ اس راہ میں پہلا قدم رکھنے کیلئے شرط اول میں مجتوں بنتا ہے۔)

مگر دشواری یہ ہے کہ وہ ارشادات نگارش کرنا چاہتا ہوں جو فقر کے حق میں صادر ہوئے ہیں اس لئے یہ بدایات مسائل فقر اور نکات معنوی سے ضرور معمور ہوں گے۔ لہذا مسلک فقرائے دارثی کے ظاہری شرائط و قیود کا ذکر کروں گا۔ اور رموز فقر کی تصریح مجھ نا اہل کے امکان سے باہر ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ حقائق فقر کی تصریح کرنا صاحب کیف و وجدان کا کام ہے خصوصاً فقر بھی مشرب دارثی کا فقر جو عشق سے ماخوذ یا عین عشق ہے جس کا پہلا سبق شکر و قناعت، تو کل و استقامت کے ساتھ دنیا اور اسباب دنیا سے استغنا اور استعانت غیر سے احتراز قطعی ہے اور یہ سبق اسی طالب صادق کو پڑھایا جاتا ہے جو طلب مطلوب میں اپنی بستی کو نیست و نابود کرتا ہے۔ اور

پیشوائے بحق کے فیضان باطنی سے مستفیض ہو کر فقیر کا خطاب پاتا ہے۔ کیونکہ مقام
نقر قرب الہی میں وہ مرتبہ علیا ہے جس کی فضیلت ار باب طریقت نے بکمال شرح و
بسط ارقام فرمائی ہے چنانچہ امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقۃ الکبری میں شیخ
احمد بن ابی الحسین رفاقی قدس سرہ کا یہ قول نقش فرمایا ہے۔ ”الفقر آء اشرف الناس
لان الفقر لباس المرسلین و جلباب الصالحین و تاج المتقین و غيمة
العارفین و منية المریدین و رضا رب العالمین و کرامۃ لا هل ولا یة“۔
کہ فقر اسب میں افضل ہیں کیونکہ فقر مرسلوں کی پوشش، تکیوں کاروں کی چادر،
پرہیزگاروں کا تاج، عارفوں کی غنیمت مریدوں کی آرزو، رب العالمین کی خوشنودی اور
اس کے اہل ولایت کی کرامت ہے۔ بقول حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ:-

بنواری مگر اے مضم ضعیفان و فقیر ان را
کہ صدر مند عزت فقیرہ نشین و ارد
(اے ضعیفوں اور فقیروں پر انعام کرنے والے تو ان کو ذیل و خوارہ سمجھ کہ یہ را نشین
فقیر ہی دراصل صدر مند نشین ہیں۔)

اور درحقیقت فقراءے باعظمت کی شان و رفتہ کا اندازہ بھی ہمارے فہم و
ادراک سے باہر ہے۔ بقول

بدر میکدہ رندان قلندر باشد	کہ ستاندو دہند افسر شاہنشاہے
خشش زیر سر و بر تارک ناختر پا	حال ایشان گمرا منصب والا جا ہے

(میکدے کے دروازے پر رندان قلندر ہوتے ہیں۔ وہ شہنشاہی کا تاج لیتے اور دیتے
ہیں۔ گویا وہ بادشاہ گر ہیں۔ وہ سر کے نیچے سرہانے کی جگہ ایشٹ رکھ لیتے ہیں۔ اور

اپنے سرکی چوٹی پر نوستارے رکھتے ہیں۔ ان کا حال دیکھ اور ان کا اوپنچا مرتبہ دیکھ۔) اور احیاء العلوم میں امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح بن معاذ نے فرمایا "حُبُكُ لِلْفَقَرَاءِ مِنْ أَخْلَاقِ الْمُرْسَلِينَ وَ إِيَّاكُ بِمَحَا لِسْتَهُمْ مِنْ عَالَمَةِ الصَّالِحِينَ وَ فَرَارُكُ مِنْ صَحْبِهِمْ مِنْ عَالَمَةِ الْمُنَافِقِينَ" کہ فقرا کی محبت پیغمبر وہ کی عادت ہے۔ اور ان کی ہم نشی ختنی اختیار کرنا صلحائی شناخت ہے اور ان کی صحبت سے بھاگنا منافقوں کی علامت ہے۔ بقول

ہر کہ خواہد ہم نشی با خدا	گوشین اندر حضور اولیا
چوں شوی دو راز حضور اولیا	درحقیقت گشیہ دور از خدا
یک زمانہ صحبت با اولیا	بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(جو شخص خدا کے قرب کا خواہشمند ہے اسے کہہ کہ اولیاء اللہ کی محفل میں بیٹھے۔ اگر تو اولیاء کی محفل سے دور ہو جائے گا تو تو درحقیقت اللہ کے قرب سے دور ہو جائے گا۔ ایک لمحہ اولیاء اللہ کی محفل میں بیٹھنا سوال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔)

حتیٰ کہ حضرت سرور کائنات علیہ الکریمۃ والصلوٰۃ نے "الفقر فخری" فرمایا جو فضیلت فقر کے لئے کافی دلیل اور فقرا کے مبارکات کے واسطے بس ہے۔ بلکہ جناب باری عز اسمہ نے آیہ "لِلْفَقَرَاءِ الْمَهَاجِرِينَ الَّذِينَ اخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ امْوَالِهِمْ يَتَعَفَّفُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَ رَضْوَانِهِ وَ يَنْصُرُونَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ . اُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ" ((مذکورہ بالامال) فقراء مهاجرین کیلئے بھی ہے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال اور جائیدادوں سے باہر نکال دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا و خوشنودی چاہتے ہیں اور (اپنے مال و وطن کی قربانی سے) اللہ

اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہی سچے مومن ہیں۔ سورۃ الحشر: ۸)

میں فقر کی صفت کو بھرت کی فضیلت سے مقدم فرمایا ہے حالانکہ مہاجرین خیر القرون کا
بہت بڑا مرتبہ ہے پھر وسری آیت میں ارشاد ہوا "لِلْفَقَرِ آءُ الذِّينَ احصروا فِي
سَبِيلِ اللهِ لَا يَسْتَطِعُونَ ضُرُبًا فِي الارضِ۔" ((نیرات) ان فقراء کا بھی جن
ہے جو اللہ کی راہ میں (کب معاش سے) روک دیئے گئے ہیں، وہ (امور دین میں
بہد وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے۔ سورۃ
البقرۃ: ۲۷۳) اس آیت میں مدحت فقر البصرافت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ امام غزالی
علیہ الرحمۃ نے آیات مذکورہ کے تحت میں لکھا ہے "ساق الکلام فی معرض
المدح ثم قدم و صفهم بالفقیر علی وصفهم بالهجرت والاحصار فيه
دلالت ظاهرة علی مدح الفقر۔" (یہ کلام بیان کیا گیا ہے تعریف بیان کرنے
کیلئے۔ پھر ان کا وصف فقر سب سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ ان کے وصف بھرت سے
یعنی ان کے وصف فقر کو مقدم بیان کیا گیا ہے وصف بھرت اور احصار سے، بطور
دلالت ظاهرة فقر کی تعریف میں۔ احیاء العلوم باب الفقر)

اور چونکہ قرب الہی میں فقر خاص اور ممتاز مقام ہے اس لئے مخصوص
حضرات کو یہ شرف اختصاص بھیش حاصل ہوا۔ اور اسی لحاظ سے غلامان وارثی کے اس
کثیر التعداد گروہ میں بھی تہبند پوش زیادہ نہیں ہوئے۔ ہر چند بادی انتظیر میں فقراء
وارثی کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اول تو وہی فقراء کم نہیں ہیں جن کو سب نے
دیکھا ہے اور ان کے نام اور جائے قیام سے واقف ہیں۔ علاوہ ان کے اکثر ایسے بھی
فقراء وارثی دیکھے گئے۔ جن کی صورت سے پہلے ہم نا آشنا تھے لیکن دوران سیاحت

میں مختلف مقام پر حضور کی قد مبوی کو وہ آئے اور اس وقت سے ہم لوگ ان سے واقف ہوئے۔ علیٰ نہ اکثر حضور نے بھی اپنے ایسے فقیروں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کا نام بھی پہلے نہیں سناتھا۔

دربار اخوان ملت نے بعض فقراءٰ وارثی کو غیر آباد پہاڑوں پر بعض کو ویران جنگلوں میں مسکن گزیں پایا۔ اور چونکہ ان کا قیام اسی محدود مقام میں ہمیشہ رہا جو ان کے واسطے تجویز ہوا تھا۔ اور سیرو سیاحت کی قطعی ممانعت تھی۔ اس وجہ سے ان کی عام شہرت بھی نہیں ہوئی۔

بعض فقراءٰ وارثی روم و شام، عراق و جاز کے مختلف حصص میں دیکھے گئے اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضور نے دوران سیاحت میں اپنے فیضان باطنی سے ان کو مستفیض فرمایا تھا۔ حالانکہ جتاب حضرت سے انکا ذکر بالصریح نہیں سنائی جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ مراج ہمایوں کا انداز ہی یہ تھا کہ شہرت افزاؤ اوقاعات کا بھی اعادہ نہیں فرمایا اور وہ خدام بھی جو سفر میں ہمراہ تھے واپس نہیں آئے جن سے مفصل حال معلوم ہوتا اس لئے فقراءٰ عرب و عجم کے نام و نشان سے پوری واقفیت ہم کو نہیں ہوئی لیکن اکثر برادران طریقت نے دیار مغرب میں وارثی درویش دیکھے۔ اور وہ محمر خدا شناس نہایت خلوص و محبت سے ملے اور اپنی سرگذشت بیان کی اور پیشوائے برحق کی عنایت کا ذکر کیا۔

غرض ہر چند فقراءٰ وارثی کی صحیح تعداد ہم نہیں بتاسکتے۔ لیکن وقت فتوتی جن کو دیکھا ہے یا جن کا ذکر معتبر ذرا رائج سے سنائے ہے ان کا شمار سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک قیاس کیا جائے تو شاید بے جانہ ہو گا۔

لیکن غلامان وارثی کی غیر معمولی کثرت کے لحاظ سے اگر کہا جائے کہ یہ تعداد بھی بہت کم تجویز ہوئی ہے تو ناموزوں نہیں۔ حالانکہ لفظ ہزاروں ہڑے مجع کے واسطے استعمال کی جاتی ہے اور دیکھا بھی گیا ہے کہ اکثر حضرات مشاہدین کے جملہ مریدین کا شمار ہزار تک نہیں پہنچا لیکن اسی کے ساتھ یہ سوال کیا جائے کہ حضرت وارث پاک کے جملہ حلقة گوش کس قدر ہوں گے۔ تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ جواب میں یہی کہنا پڑے گا کہ شمار کرنا تو محالات سے ہے بلکہ اس کثیر التعداد گروہ کا صحیح اندازہ بھی کرنا امکان سے باہر ہے کیونکہ عہد وارثی میں ہر روز یہ کر شمہ تعجب کی نظر سے دیکھا گیا ہے کہ شہر میں دیہات میں جس مقام پر حضور نے ایک شب کے لئے بھی قیام فرمایا۔ وہاں طالبین کا شوق ارادت میں جو حق جو حق آنا۔ اور حلقة غالی میں داخل ہونا ایک ضروری بات تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج شہر کی قید ہے، نقصبات کی تخصیص بلکہ ہندوستان کے ہر گوشہ میں بارگاہ وارثی کے آستان بوس بکثرت موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ممالک غیر کے متعدد باشندے حضرت وارث پاک کے خلی حمایت میں پناہ گزین ہوئے۔ لہذا غلامان وارثی کی حیرت انگیز اور غیر معمولی کثرت کے لحاظ سے فقراء وارثی کا شمار اگر ہزاروں سے زیادہ بھی کیا جائے تو شاید بے جانہ ہو گا۔

ہر چند یہ مسلم ہے کہ فقیر ہونا بہت مشکل ہے۔ اور فقیر ہر زمانہ میں کم ہوئے چنانچہ جناب حضرت نے اکثر یہ فرمایا ہے کہ ”فقیر کم اور مشاہدین زیادہ ہوتے ہیں“۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”تصدیق ہزاروں میں ایک کو ہوتی ہے“۔ اس ارشاد میں اہل تصدیق کی قلت کو با محاورہ الفاظ میں فرمایا ہے۔ کہ تصدیق ہزاروں میں ایک کو ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تصدیق فقر کا ضمیم ہے اور چونکہ حصول مرتبہ فقر عنایت ایزدی پر

موقوف ہے اس واسطے ضمیر فقر یعنی تقدیق بھی کسب و کوشش سے نہیں حاصل ہوتی۔ پس جس طرح خلق میں فقر اکی تعداد کم ہوتی ہے اسی طرح اہل تقدیق بھی زیادہ نہیں ہوتے۔ لیکن فیضان وارثی نے یہ کر شدہ دکھایا کہ ہر چند ایسا فقر جلیل القدر مرتبہ ہے مگر بکثرت حلقہ گوش آپ کے طلب الہی میں تہبند پوش ہوئے اور پیشوائے کامل کی سرکار سے ان کو فقیر کا خطاب ملا۔

لیکن مجھے اپنی اس مجبوری کا بھی اظہار کر دینا ضروری ہے کہ جس طرح عدم واقفیت کی وجہ سے فقراء وارثی کی صحیح تعداد بتانے سے قاصر ہا اسی طرح اپنی کم بصنعتی کے باعث اس کی بھی تصریح میرے امکان سے باہر ہے کہ جب غلامان وارثی کی طلب صادق ان کو ترک تعلقات پر مائل کرتی تھی، اور اپنے قدیم لباس سے یزار ہو کر شوق تہبند میں حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ کے ہم نواہو کر عرض کرتے تھے۔

دولت فقر خدا یا بمن ارزانی دار

کیس کرامت سبب حشمت و تکلین منت

(اے اللہ مجھے فقر کی دولت عطا فرم کیا یہ میرے پختہ اور بار عرب ہونے کا سبب ہو گی۔)

تو ان کی قلبی حالت کیا ہوتی تھی جس سے خیال میں یہ انقلاب عظیم پیدا ہوتا تھا۔ اور قلب مردہ پر جوش اور صاحب کیف ہو جاتا تھا۔ لہذا یہ باطنی معاملات اور قلبی واردات ہیں۔ ان کے اظہار کرنے کی جرأت وہی کر سکتا ہے جس کو روحانیت سے سروکار ہو۔ مجھ نا اہل و ظاہرین کا تو یہی منصب ہے کہ طالبین فقر کی تہبند پوشی کے وقت بظاہر جو صورت رونما ہوتی تھی وہ نگارش کروں۔

چنانچہ دیکھایا گیا ہے کہ خرقہ وارثی کی طلب میں طالبین کا شوق مختلف عنوان

سے ظاہر ہوتا تھا۔ بعض خدمت اقدس میں بہزار بھروسیا ز خود استدعا کرتے تھے۔ بعض کسی خادم کی وساطت سے اپنی درخواست تہبند پوشی حضور وارثی میں پیش کرتے تھے۔ اور منظوری کا انتظار کرتے تھے لیکن بعض مغضوب الحال بیقرار ہو کر پروانہ وار جان ثاری کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

مگر حضور نے بعض طالبین را فقر کی استدعا کی تہبند پوشی ان کے مناسب حال متصور نہیں بھی فرمائی ہے۔ اور ائمۃ حق میں ارشاد ہوا کہ ”تہبند کی ضرورت نہیں تکمکو خدا اسی لباس میں ملے گا“۔ اور بعض سے یہ فرمایا کہ ”خدا کا ملنا تہبند پر موقوف نہیں طلب پختہ ہو تو وہ ہر لباس میں ملتا ہے۔“ یا کسی امید وار تہبند کو یہ بشارت دی کہ ”تہبند باندھنے کی حاجت نہیں تم حشر کے روز تہبند پوش اٹھو گے“۔ چنانچہ شیخ مظہر علی صاحب رئیس قصہ مسوی ضلع بارہ بجکی اور میر واحد علی صاحب ساکن قصہ سندھ کی استدعا پر یہی حکم ہوا تھا اور اکثر طالبین کی درخواست قبول تو ہوئی۔ اور تہبند بھی اسی وقت مل گیا۔ لیکن کسی مصلحت سے ان کو یہ حکم ہوا، اسکور کہ چھوڑو۔ جب وقت آئے گا تو باندھ لیتا۔“ اور ان غلاموں نے ایسا ہی کیا کہ عرصہ تک اپنے قدیم لباس میں رہے۔ اور بالآخر وہی تہبند باندھ کر فقیر ہو گئے۔ اور بعض غلاموں کی یہ استدعا مستجاب بھی ہوئی اور انکو تہبند بھی مرحمت ہوا مگر شاید ان کی حالت کے لحاظ سے ان کی درخواست بغون ان مختلف منظور فرمائی ہے۔ مثلاً کسی طالب صادق کی استدعا کو فوراً بھی منظور فرمایا۔ اور اسی وقت اس کو لباس فقر یعنی تہبند مرحمت ہوا۔ اور کسی کی اتجاب پر یہ حکم ہوا کہ تین سال یا پانچ سال کے بعد آتا۔ اور جب مدت گذار کروہ پھر بھی ہوا تو اس وقت اس کو تہبند عطا ہوا۔ بعض طالبین کو ایک مدت مقررہ کے واسطے اگر منتظر رکھا ہے تو ان

کیلئے کوئی ریاضت اور مجاہدہ بھی تجویز فرمایا ہے۔ جیسے ابو الحسن شاہ صاحب متوفی ناواہ جب تہبند کے خواستگار ہوئے تو ارشاد ہوا کہ پہلے بارہ سال تک روزہ رکھو اور بعض فقراء کی درخواست پر جو تعویق ہوئی تو ان کو سیر و سیاحت کا حکم ہوا کہ عراق کی سیر کر آؤ۔ بھی سفر جاز کے واسطے اشارہ ہوا۔ اور بعد قیمتی ارشاد جب انہوں نے پھر انتباہ کی تو اکثر دوسرے مجاہدہ کا حکم ہوا اور عرصہ تک وہ طالبین ریاضت شاقہ میں مشغول رہے اور مابعد خلعت فقرے مستفیض ہوئے۔

لیکن بعض غلاموں کا لباس قدیم بغیر کسی ظاہری استدعا کے یوں بھی تبدیل ہوا ہے کہ ایک نظر عنایت نے ان کو ایسا محو اور سرشار کیا کہ کپڑے چھاڑ کر مثل ماہی بے آب مضطرب و بیقرار ہو گئے اور حضور نے فوراً اپنا ملبوس خاص ان کو مرحمت فرمایا۔ مگر ایسے واقعات شاید کم ہوئے ہیں۔ میں نے اپنی اس قیلی حاضری میں صرف دو مرتبہ یہ کر شدہ دیکھا۔ ایک مارضی الدین بغدادی جو مفترض ہو کر حضور اقدس میں حاضر ہوئے اور ہنوز قریب نہیں پہنچے تھے کہ جناب والا نے ایک نظر عنایت سے مالا مال کر دیا کہ ملا صاحب خودی سے بے خود ہو گئے۔ کپڑے چھاڑ کر زار و زارونے لگے۔

اور حضور نے اسی حالت میں اپنا احرام پاک ان کو مرحمت فرمایا۔ اور دوسرا واقعہ درہ بھنگ میں عرب شاہ صاحب کا دیکھا جس کی مختصر تصریح جلد اول میں نگارش کر چکا ہوں کہ ان کو بھی خرقہ وارثی اسی صورت سے نصیب ہوا۔ غرض غلامان وارثی کی تہبند پوشی گو مختلف عنوان سے ضرور ہوئی مگر مآل ایک تھا کہ قدیم اور آبائی وضع و لباس کو چھوڑ کر وہی تہبند باندھتے تھے جو سرکار وارثی سے مرحمت ہوتا تھا اور دیکھنے والے مجھہ جاتے کہ یہ تارک تعلقات اور خرقہ پوش فقیر ہو گئے۔

تصانیف حضرات عارفین کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسم خرقہ پوشی بھی مشاہیر صوفیہ کرام کی سنت قدیمہ ہے۔ ہر چند لباس مالوف کا تبدیل کرنا ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت اس پر وہ میں متعدد راز مستتر ہیں۔ چنانچہ حضرت مخدوم شیخ شہاب الدین عمر سہروردی علیہ الرحمۃ عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس طرح مطہعومات اور مشروبات باعث حصول حظ ولذات ہیں اسی طرح ملبوسات سے بھی بلحاظ عادت نفس کو حلاوت ملتی ہے۔ بدیں وجہ ہادیان راہ طریقت نے طالب راہ فقر کیلئے ترک مالوف کو لازمی گردانا ہے اور تغیر عادات کو ضروری سمجھا ہے۔ کیونکہ تبدل لباس سے نفس طالب کا تغیرہ متنظر ہوتا ہے۔ اسی سبب سے مخدومان سلف نے اسکو طریقہ محسن فرمایا ہے۔

علاوه اسکے خرقہ شیخ طل ولایت شیخ ہے۔ جو مرید کی کامیابی کے واسطے کافی وسیلہ ہے۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عطائی خرقہ اظہار تصرف شیخ ہے۔ اور تصرف ظاہری تصرف باطنی کی علامت ہے۔ معہد اخرقہ نصیب ہونا مقبولیت شیخ کا بھی ثبوت ہے اور مقبولیت حق تعالیٰ ہے۔

چونکہ ذات پیر را کرداری قبول

بهم خدادور ذا اش آمد هم رسول

(جب تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا تو اس کی ذات میں اللہ بھی آگیا اور رسول بھی آگیا۔ بصورت فنا فی اشیخ، فی الرسول، فی فی اللہ)

اس لیے خرقہ پوش ہونا عین دلیل اس کی ہے کہ اللہ جل جلالہ نے مقبول فرمایا۔ اور خرقہ پوشی مرید صادق کی ارادت و اتفاق کی بھی نشانی ہے اور خرقہ پوشی میں بڑا

فائدہ یہ ہے کہ طالب "من تشبہ بقوم فهم" کا مصدق اوتا ہے جو اس کے خروج و مبابات کے واسطے کافی ہے۔

پھر حضرت مخدوم نے اقسام خرقہ کی تصریح فرمائی ہے جس کو مصباح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف سے نقل کرتا ہوں۔ وہ صوراً "خرقہ دونوں است۔ خرقہ ارادت و خرقہ تبرک۔ خرقہ ارادت آنست کہ چون شیخ ہنوز نور بصیرت و حسن فراست در باطن احوال مرید نگرد۔ و در آثار حسن سابقہ تفسیس کبز و صدق ارادت اور طلب حق مشاہدہ نماید ویرا خرقہ پوشاندتا بہتر اوگردو"۔ (اور وہ یہ ہے کہ خرقہ و قسم کا ہے۔ ایک خرقہ ارادت اور دوسرا خرقہ تبرک۔ خرقہ ارادت وہ ہے کہ شیخ اپنے نور بصیرت اور حسن فراست کی روشنی میں مرید کے باطنی احوال کی نگرانی کرتا ہے۔ اور اس کے صدق ارادت اور طلب حق کے پیش نظر اسے مشاہدہ حق کرتا، خرقہ پہناتا اور بشارت دیتا ہے۔) اور قسم ثالثی یعنی خرقہ تبرک کی تعریف یہ لکھی ہے کہ "اما خرقہ تبرک آنست کہ کے بر سبیل حسن الظن و بہ نیت تبرک خرقہ مشائخ آذرا طلب دارو"۔ (اور خرقہ تبرک وہ ہے کہ طالب بطور حسن ظن، تبرک کی نیت سے خرقہ مشائخ طلب کرے۔)

حضرت مخدوم سہروردی علیہ الرحمۃ کی اس تشریع سے جس طرح خرقہ کے مفاد و اقسام سے واقفیت ہوئی اسی طرح یہ بھی واضح ہو گیا کہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے تقسیم خرقہ میں حضرات صوفیہ کرام کی سنت جاریہ کا پورا لحاظ فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت مخدوم نے خرقہ تقسیم ثالثی کی تعریف یہی لکھی ہے کہ اس مرید کو دیا جاتا ہے جو "بر سبیل حسن الظن و بہ نیت تبرک خرقہ مشائخ آذرا طلب دارو"۔ (طالب بطور حسن ظن، تبرک کی نیت سے خرقہ مشائخ طلب کرے۔) چنانچہ حسن ظن محبت کی فرع ہے

اور ملبوس مرشد کو تبرک قیاس کرنا یہ بھی بغیر محبت کے نامکن ہے اور غلامان وارثی کا مشرب عین محبت ہے اور فخر کیسا تھا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور کا یہ فیض عام ہے اور آپ کے جملہ حلقة بگوش پقدار حیثیت واستعداد اثر محبت سے ضرور بہرہ دو رہیں۔ لہذا یہ کہنا پڑتا ہے کہ حسن الظن کی قید اور نیت تبرک کی شرط کا تو کیا ذکر ہے۔ غلامان وارثی اپنے یوسف بھال پیشوں کے ملبوس اٹھہ کو جان کے برابر عزیز بنتھے تھے۔ اور شاید اسی سبب سے حضور نے اپنا ملبوس قریب قریب جملہ مریدین کو تقسیم فرمایا۔ جو بطور سرمایہ فخر و ناز کے پاس محفوظ ہے۔

چنانچہ دستور یہ تھا کہ جس غلام نے تہبند تبدیل کرایا۔ حضور نے اپنے احرام پاک کا نصف حصہ اس کو ضرور مرحمت فرمایا۔ اور بعض کو پورا تہبند بھی عنایت ہوا ہے۔ علاوہ اس کے روزمرہ زائرین کو ملبوس اقدس کا چھوٹا یا بڑا انگر اعطایا ہوا کرتا تھا۔ خصوصاً ایام میلہ کا تک میں تو انعام عام تھا۔ غرض جس طرح عموماً حلقة بگوش دلدادہ جمال وارثی تھے اسی طرح حضور نے اپنا ملبوس اپنے مریدین کو عام طور پر تقسیم فرمایا۔ جس کو خرقہ تبرک کے نام سے موصوف کریں تو بے جانہ ہو گا۔

علیٰ ہذا خرقہ ارادت بھی بارگاہ وارثی میں شرائط مقررہ کے مطابق تقسیم ہوا کہ طالب کی طلب صادق و ارادت وائق پر ضرور توجہ فرمائی۔ جیسا اور مذکور ہوا کہ طالبین کی حالت کے لحاظ سے حضور نے بعنوان مختلف تہبند پوشی کا حکم دیا ہے بلکہ خرقہ مفوضہ صورتیاً بھی جدا گانہ ہوتا تھا۔ چنانچہ دیکھای گیا ہے کہ بعض فقراء کو غیر مستعمل تہبند مرحمت ہوا ہے بعض کو احرام خاص اتار کر تقویض فرمایا۔ بعض کو تہبند کے ساتھ لگوٹ بھی عنایت ہوا۔ وہ بھی اسی طرح کہ بعض کو غیر مستعمل اور بعض کو اپنا لگوٹ کھول کر

دیدیا۔ کسی کو تہبند اور لگوٹ کے ہمراہ فولادی چھلے بھی عطا ہوئے۔ کیونکہ آپ کے زیب جسم تہبند اور لگوٹ اور پاؤں میں فولادی چھلے رہتے تھے۔ اور اسی مجموعہ کو ہم خرقہ وارثی سمجھتے ہیں جو عموماً فقراء کی وضع میں داخل ہوا۔

اور یہ تو قریب قریب سب کو معلوم ہے کہ حضور کا احرام ہمیشہ نگین اور عموماً سوتی کپڑے کا مگر عرض میں ڈیڑھزار طول میں ۶ گز ہوتا تھا۔ لیکن ایام سرمایہ میں اگر کسی ارادتمند نے اونی کپڑا کا تہبند پیش کیا تو حضور نے اسکو بھی قبول فرمایا ہے جس کے استعمال کا یہ طریقہ تھا کہ نصف حصہ سے ستر پوچھ اور نصف حصہ بطور چادر نہایت سادگی سے اس طرح زیب دوش فرماتے تھے کہ فرق انور بالکل کھلا رہتا تھا صرف حالت نماز میں یہی حصہ تہبند یا دوسرا چادر سر پر اور ہی جاتی تھی۔ ورنہ آپ کے خصوصیات میں ہے کہ سردی کی احتیاط یا تمازت آفتاب سے حفاظت کے لئے کبھی آپ نے یہ اہتمام نہیں فرمایا کہ گوشہ تہبند یا دوسرا کپڑے سے فرق انور کو چھپایا ہو بلکہ ہمیشہ سر انور بے نقاب رہا۔ جو محروم کے لئے خاص شرط ہے۔

لیکن بعض معمر حضرات سے یہ بھی سنا ہے کہ ابتداء میں اسی عرض و طول کا احرام اکثر دو حصوں میں علیحدہ علیحدہ بھی منقسم ہوا ہے جس کے ایک کٹڑے کو حضور نے تہبند ہنایا اور ایک کٹڑے کو بطور چادر کے استعمال فرمایا۔

مگر اس کا علم نہیں کہ یہ وضع لباس کب سے پسند فرمائی۔ البتہ یہ مسلم ہے کہ عقوان شباب میں جب حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے فائز المرام ہو کر آپ ہندوستان میں تشریف لائے تو آپ کا یہی لباس تھا جس کی صورت کلیہ احرام کی ہے۔ اور پھر کبھی خاص ضرورت کے وقت بھی کسی اور وضع کا لباس کسی حصہ جسم کے

لئے پسند نہیں فرمایا۔

لیکن سفر جاز میں کس موقع پر اور کس وجہ سے حضور نے یہ لباس اختیار فرمایا۔
اس میں مختلف اقوال ہیں جن کا اعادہ بخوب طوالت نہیں کرتا ہوں اور شاید اسی قدر
عرض کرنا بھی ہوگا کہ جناب حضرت تقریباً چند رہ سال کی عمر میں اول مرتبہ جب عازم
سفر جاز ہوئے تو اس وقت لباس آپ کا کرتہ اور زیر جامہ۔ یا بعض کا قول ہے کہ کرتہ
اور تہبین دھا اور جب واپس تشریف لائے تو آپ کو احرام پوش دیکھا۔ اس لئے ہم اسی

قدر کہ سکتے ہیں کہ تغیر لباس اسی سفر میں ہوا۔

مگر وجوہات اور واقعات کی صحیح کا معیار تو اسی پر موقوف ہے کہ حضور کے
ملفوظات سے استدلال کیا جائے۔ اور میرے حافظہ میں کوئی ارشاد جناب حضرت کا
اس بارہ میں صریح اور واضح نہیں ہے اور جب اس کا ذکر آیا تو محل طور پر۔ مثلاً ایک
مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ”جب ہم نے احرام باندھا تو اپنے کپڑے خیرات کر دیئے“۔
اس ارشاد کا مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب حجج بیت اللہ کے لئے آپ نے احرام
باندھا تو شاید بعد فراغ ارکان مفروضہ بھی اس وضع میں تبدل ناپسند فرمایا۔ اور وہی
احرام ہمیشہ کے واسطے آپ کا مستقل لباس ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا حج بھی خاص تھا جس کے ارکان بھی خصوصیت سے
خالی نہ تھے۔ نہ بصورت عوام درود یوار کے طواف کے واسطے گئے تھے۔ نہ ظاہری
ارکان مثل عام حاج کے ادا کئے چنانچہ جیسا غیر معمولی آپ کا حج تھا۔ ویسا ہی اہم اور
غیر مشروط احرام آپ نے باندھا۔ صاحب خانہ کے شوق دیدار نے بے قرار کیا تھا۔
لہذا جس کا دیکھنا مقصود تھا اس کو دیکھا بقول مولانا علیہ الرحمۃ

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب المیت مردانہ بود
 حقیقت کعبہ مناشف ہوئی۔ اور حضرت رب المیت سے ایسا سرد کار ہوا کہ
 دنیا اور تعلقات دنیا سے دست بردار۔ ملفوقات و ملبوسات سے بیزار ہو کر تجیات انوار
 الہی کی دید میں جو مستغرق ہو گئے۔ اور اسی لباس کو ہمیشہ کے لئے اختیار کیا جو مراج
 معرفت میں زیب جسم تھا۔ کیونکہ یہی وہ لباس ہے جو باوجود اس سادگی کے صوری اور
 معنوی خوبیوں سے مملو ہے جس کی خصوصیت اور عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت
 مالک الملک کے سالانہ دربار کی یہی مخصوص وردی ہے۔

نیز لباس زبان حال سے صاحب لباس کے دفور شوق اور صفائی باطنی کی
 شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”وعرى البدن للفقیر
 اشارة للتجريد بالباطن من الكون“ یعنی نقیر کا برہمنہ جسم رہنا اشارہ ہے کہ باطن
 میں ہستی سے تحریک ہے۔ (الیاقیت والجواہر)

لہذا احرام میں علی الدوام رہنا اور اس لباس کو مستقل طور پر اختیار کرنا۔ اور
 اس کے شرائط و قیود کو نہ کمال احتیاط حدا تک پہنچانا نہیں عارفین بالحکیم کے لئے
 مخصوص ہے جو صاحب مقامات علیا ہوتے ہیں۔ اور عشق الہی میں اپنی ہستی کو ہستی
 شاحد مطلق کے سامنے نہیں اور نا یود کرتے ہیں۔ چنانچہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے
 عاشق ربی ابوجزہ خراسانی کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ بھی احرام پوش تھے۔ اور اپنے
 عبد کے درویش بالحکیم اور حضرت چنید علیہ الرحمۃ کے ہمتشین اور ابوسعید الخراز علیہ
 الرحمۃ کے ہم سفر و ہم صحبت تھے اور علاوہ مدارج باطنی کے آپ علوم ظاہری کے بھی
 عالم تھے اور صاحب فتوی تھے کہ امام احمد خبل علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ جب ان کے

سامنے کوئی مسئلہ تصوف کا پیش ہوتا تھا تو ان سے کہتے تھے کہ صوفی صاحب آپ اس میں کیا فرماتے ہیں۔ بلکہ حضرت ابو جزہ نے اپنی احرام پوشی کو خود پر تصریح کیا فرمایا ہے جس کو امام شعرانی نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے ”کان یقول بقیت محرومًا فی عبادۃ اسافر الف فرسخ کل سنۃ کلمات تحلات احرمت جدید اسنین عدیدۃ“ یعنی میں کمل میں برابر احرام باندھے رہا۔ ہر سال ایک ہزار فرسخ سفر کرتا تھا۔ اور یہ سوں دستور رہا کہ احرام سے باہر آیا تو جدید احرام باندھ لیا۔

فرد فرید صاحب تحریر ابو جزہ خراسانی علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آپ ہمیشہ احرام پوش رہے اور یہ بھی بظاہر ہو گیا کہ ایسے محروم کے لئے سفر کرنا بھی لازمی ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے تعلقات عالم کے ترک و انقطاع کو کمال کے درجہ تک پہنچایا کہ نہ رہنے کو مکان نہ آرام و عافیت کا سامان ہمیشہ سفر میں ہی رہے۔ اور دعوت کا کھانا نوش فرمایا۔ چنانچہ اکثر آپ فرماتے تھے کہ ”ہم مسافر ہیں۔“ بلکہ معتبر روایات سے بھی ثابت ہے کہ سفر کرنا فقیر کے واسطے شرط لازمی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ”کن فی الدنیا کانک غریب عابر سبیل و عد لمنسک فی اصحاب القبور۔“ کہ دنیا میں مسافروں کے طرح یا راہ گیروں کی مانند بے تعلق رہے۔ اور اپنے کو مردہ سمجھے۔ شاید اسی اصول سے حضور نے فرمایا کہ ”ہم مسافر ہیں۔“ اور دکھا بھی دیا کہ ہمیشہ سفر کیا۔ اور مسافروں کے مانند دنیا اور اسباب دنیا سے بے تعلق رہے۔ اور ” وعد نفسک فی اصحاب القبور“ کی مناسبت سے لباس بھی ایسا

اختیار کیا جو کن سے مشابہ ہے۔ اور عاشقین اور موحدین کے واسطے جو زیادہ موزوں ہے کیوں کہ ان کی حالت باطنی کے لحاظ سے یہی لباس ان کے لئے مزید معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مشرب عشق کی آخری منزل ذات مطلوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ”موت و اقبال ان تموتووا“ اسی کی دلیل ہے کہ مر نے سے پہلے مر جاؤ۔ اور کمال تو حید بھی یہی ہے۔ جیسا کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

چیست توحید خدا آمودن خوشن را پیش واحد سوختن
ہستیت در ہست ہستی نواز پچھو مس در کیمیا اندر گداز
تو مہاش اصلًا کمال ایسٹ و بس تو در و گم شو وصال ایسٹ و بس
تو در و گم شو کہ توحید این بود گم شدن گم کن کہ تفرید این بود
(اللہ کی توحید کیا ہے؟ یہ بات سیکھنی ہے کہ اپنے آپ کو ایک اللہ کے سامنے جلا دینا یعنی مٹا دینا فنا کر دینا۔ اپنی ہستی کو ہستی ہونے میں مٹا دینا۔ تابنے کی طرح کیمیا میں اپنے آپ کو پکھلا دینا۔ صحیح طور پر توباتی نہ رہ۔ یہی کمال ہے تو خدا کی ہستی میں اپنے آپ کو گم کر دے۔ وصال کی حقیقت یہی ہے تو اس میں گم ہو جا۔ توحید یہی ہے۔ گم ہو جانا۔ کہ گم ہو جانا ہی تفرید ہے۔)

لہذا جبکہ رہروان وادی عشق و توحید کی زندگی موت کی مراد ف ہے تو انکا لباس بھی ہمشکل کن ہونا لازمی ہے۔ بلکہ اکثر حضور نے تہبند کی حقیقت سے اپنے فقیروں کو آگاہ کیا ہے۔ اور بہ تصریح فرمایا کہ ”یہ کن ہے۔“ اور کبھی اس مفہوم کو یوں سمجھایا ہے کہ ”جس طرح مردے کو اسباب دنیا سے تعلق نہیں رہتا اسی طرح فقیر کو چاہئے کہ دنیا اور اسباب دنیا سے سروکار نہ رکھے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”فقیر مر

جائے تو اسی تہبند میں لپیٹ کر دفن کر دو یہی اسکا کفن ہے۔“ اور اکثر اس حکم کو اور زیادہ وضاحت سے یوں فرمایا ہے کہ ”فقیر کا جہاں انتقال ہو وہیں دفن کر دے۔ اور مجبوری سے دوسری جگہ دفن کرنا ہو تو پنگ پرنے لے جائے اور کفن میں تہبند دے کر دفن کر دے۔

یہ ارشادات بظاہر فقرائے تہبند پوش کی آسانی کے واسطے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ متول فقیروں کو تعلیم فرمائی کر مطمین رہو تمہارا تہبند ہی تمہارے کفن کے لئے کافی ہے۔ لیکن نظر غائز سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حضور نے نہایت جامع اور اصول کے مطابق یہ ہدایت فرمائی ہے بلکہ آپ کے جملہ مانقوشات کا مفہوم اور ہدایات کا ماحصل احکام الہی کے مطابق اور مستند احادیث کے موافق ہوتا ہے چنانچہ اس مسئلہ میں بھی حضور نے اپنے چدنا مارکی کامل اتباع فرمائی ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک محروم صحابی کے حق میں یہی حکم دیا تھا۔ جس کو مولا نا جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے ”بدور السافرة فی امور الآخرة“ میں لکھا ہے کہ شیخین نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص احرام باندھے تھا اس کو اونٹی نے نکلماری جس کے صدمے سے وہ مر گیا۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اسکو مہنڈی کے پانی سے غسل دے کر اسی کے کپڑوں کا کفن دو۔ اور خوشبو نہ لگاؤ۔ اور سرنہ ڈھانکو۔ قیامت کے روز یہ لبیک کہتا ہوا اٹھے گا۔ بقول

بِ محشرِ کشةٍ شمشیر ناز لاله رخسار ان

چوگل خونین کفن از عرصهٔ میدان بروان آید

(روزِ محشر لالہ رخساروں کے ناز کی تلوار سے قتل ہونے والے، پھولوں کی طرح خون

و الا کفن پہنے ہوئے، اپنی قبروں سے باہر نکلیں گے۔)

اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ موتی کا ملبوس اس کا کفن ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصلحت وارثی نے علاوہ مشروع ہونے کے حکم اس لحاظ سے صادر فرمایا ہو کہ ہمارے غلام ہماری آبائی سنت سے مستفیض ہوں۔ کیونکہ حضرت خاتون جنت نے سفر آخرت کے لئے اپنے ملبوس الطہری کو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ نے ”جذب القلوب الی دیار الحب“، میں لکھا ہے کہ ”روزے فاطمہ“ زہرہ صبح کر دو رغایت فرج و سرور۔ جاریہ رافرمود کہتا آبے برائے غسل دے کر تیار کرد۔ پس غسل در غایت مبالغہ و احتیاط برآورد۔ و جامہ ہائے پا کیزہ پوشیدہ در میان خانہ فرشے افگند و مستقبل قبلہ بخواب رفت۔ و دست شریف خود راز زیر خسارہ مبارک خود نہادو گفت انکوں من میرم و غسل گردم و جامہ پاک پوشیدہ یعنی یکے مرا بعد مردن کشف نکند۔ وہم دریں جا بوضع کہ افتادہ ام دفن لکنند۔ و چوں علی مرتضیٰ دروں خانہ آمد صورت حال بوئے باز نہود۔ دید کہ روح پاکش پر اعلیٰ علیین رسیدہ بود فرمود کہ واللہ یعنی کس اور انکشاید۔ بدھان غسل سابق و جامہ کہ پوشیدہ بود دفن کرد۔ ”(ایک دن فاطمہ از هرہ سلام اللہ علیہا نے انتہائی خوشی کے عالم میں صبح کی۔ آپ نے اپنی اونٹی کو حکم دیا کہ آپ کیلئے غسل کا پانی تیار کرے۔ پس آپ نے انتہائی احتیاط کے ساتھ غسل کیا۔ اور پا کیزہ کپڑے پہنے۔ اور اپنے گھر کے گھن میں فرش بچھایا۔ اور قبلہ رہو کر سو گئیں۔ اور اپنے ہاتھ مبارک کو اپنے مبارک رخسار کے نیچے رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ اب میں جاری ہوں اور میں نے غسل کیا اور پاک کپڑے پہنے۔ میرے مرنے کے بعد کوئی بھی میرا لباس نہ کھولے۔ اور اس جگہ جہاں میں لیٹی ہوں مجھے دفن کرنا۔ جب حضرت علی گھر

کے اندر آئے تو صورت حال آپ کے سامنے بیان کی گئی۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی پاک روح اعلیٰ علیمین میں پہنچ گئی۔ آپ نے حکم دیا کہ خدا کی قسم کوئی آدمی آپ کو نہ کھولے۔ اسی پہلے غسل کے ساتھ اور جو کپڑے پہنے ہوئے تھے، انہیں میں دفن کر دیا گیا۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیست فرمائی کہ اسی جگہ اور اسی لباس میں مجھ کو دفن کرنا۔ اور امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ نے اسی طرح دفن کیا۔ لہذا حضور وارث پاک کے اس ارشاد کی اور زیادہ واضح ہو گئی کہ ”فقيہ جس جگہ مر جائے اس کی تہبند میں لپیٹ کرو ہیں دفن کر دو۔“ یہ حکم آپ کا بالکل سنت جناب خاتون جنت کے مطابق اور روایت مذکورہ کا صحیح خلاصہ ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”اگر دوسرا تہبند ممکن ہو اس کا کفن دو،“ پہلا فرمان تو بطور کلیہ کے ہے کہ فقیر جو تہبند باندھے ہو وہ بھی اس کے کفن کے واسطے کافی ہے۔ اور اس دوسرے ارشاد میں یہ سمجھا دیا کہ اگر دوسرا تہبند کفن کے واسطے ممکن ہو تو مضائقہ نہیں اس کو تبدیل کر سکتے ہو۔ مگر فقیر کے لئے یہ لازمی گردانا کہ اس کا کفن تہبند اور لگوٹ کے ساتھ مشروط رہے۔

چنانچہ از روئے شریعت بھی شہدا کو بجائے کفن کے ان کے ملبوس ہی میں دفن کرتے ہیں۔ اور عاشق تو حقیقی شہید ہیں۔ کیونکہ اصطلاح میں شہید اس کو کہتے ہیں جو راہ خدا میں دشمنان دین کے ہاتھ سے مارا جائے اور عاشق اداۓ دوست کے مقتول ہیں۔ بقول

غازی ز پے شہادت اندر گوں و پوست
غافل کہ شہید عشق فاضل تراز وست
در روز قیامت این بآن کے ماند
اين کشته دشن است و آن کشته دوست

(غازی شہادت کیلئے کوشش میں ہے۔ وہ بے خبر ہے کہ شہید عشق اس سے زیادہ
فضیلت رکھنے والا ہے۔ قیامت کے دن یہ اس کی طرح کب ہو گا۔ یہ دشن کا قتل کیا
ہوا ہے اور وہ دوست کے دست ناز سے قفا ہونے والا ہے۔)

بلکہ دشن کے ہاتھ سے قتل ہونا جہاد اصغر ہے۔ اور محبت الہی میں مرنا جہاد
اکبر ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی کے وقت خود
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ”رجعنامن الجهاد
الاصغر الی جهاد الاکبر۔“ (هم چھوٹے جہاد سے واپس آئے ہوئے جہاد کی
طرف۔) اور صیغہ جمع متكلم کا ارشاد ہوا جس سے عمومیت پائی جاتی ہے۔ لہذا فقراء کو ان
کے ملبوس میں دفن کرنا شہدا کی تدبیف کے مطابق ہے۔

بلکہ یہ حکم تو ایسا قطعی ہے کہ تنقید کی حاجت نہیں۔ کیونکہ وہ خوش نصیب
فقراء و ارثی جو پیشوائے برحق کے شعب جمال جہاں آر پر شارہ کرو کر راہی ملک بقا ہوئے
ان کے کفن کے واسطے خود حضور نے تہبند مرحمت فرمایا۔ چنانچہ علاوہ شنیدہ واقعات کے
چشم خود دیکھا ہے۔ کہ خاص دیوی شریف میں تین مرتبہ جناب حضرت نے کفن کے
لئے تہبند عنایت کیا۔ پہلے بدنام شاہ صاحب کا جب انتقال ہوا۔ آپ نے تہبند اور
لنگوٹھ دیا۔ اور فرمایا کہ ”یہی ان کا کفن ہے۔“ اور بتا کیا در شاد ہوا کہ ”اسی جگہ دفن کر

و جس مقام پر انتقال ہوا ہے۔“ اور حسب الحکم ایسا ہی کیا گیا کہ موضع کھیولی میں مکان کے اسی حصہ میں ان کو دفن کیا جس جگہ ان کا انتقال ہوا تھا۔ پھر فقیر بخش حضور کے بہشتی نے جو آخر عمر میں تہبند پوش ہو گئے تھے۔ انتقال کیا اور جناب والا کی ہدایت کے مطابق اسی تہبند میں ان کی تلقین ہوئی جو بارگاہ وارثی سے مرحمت ہوا۔ علی ہذا حاجی بھورے شاہ صاحب کا درودلت پر شب کو انتقال ہوا۔ صبح کو جب ان کی تجھیز و تغییں کی اجازت چاہی تو جناب حضرت نے وہی حکم دیا جس پر ہمیشہ سے عمل درآمد تھا اور ان کے کفن کیلئے تہبند مرحمت ہوا۔

غرض فقرائے وارثی کے کفن کے لئے سرکار عالم پناہ نے ہمیشہ تہبند عنایت کیا۔ اور اب تو اس مسئلہ کے لئے کسی تصریح کی بھی ضرورت اس واسطے نہیں رہی کہ خود ہمارے وارث پاک نے بھی آخری لباس وہی پسند فرمایا جو اونک عمر اور سیاحت جائز میں اختیار کیا تھا۔ اور اتفاق سے اس آخری لباس کا رنگ بھی وہی تھا جو آپ کے احرام کے لئے مخصوص ہے۔ یعنی زردی مائل بادامی۔

کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ آپ کا تہبند رنگیں ہونا تو لازمی تھا۔ مگر ہمیشہ سے باعتبار دیگر الوان کے زرد رنگ یا زردی مائل جس میں بادامی بھی شامل ہے حضور کو زیادہ پسند تھا۔ لیکن سیاہ و سفید و سرخ رنگ کسی وجہ سے مرغوب نہ تھے۔ بلکہ یہ رنگ اس قدر متروک تھے کہ عموماً آپ کی تہبند کے واسطے منوع سمجھے جاتے تھے اور برخلاف ان کے زرد رنگ مخصوص ہو گیا تھا جو عشقان کا رنگ ہے۔

ہم اپنی محدود و واقفیت کے لحاظ سے بہی خیال کر سکتے ہیں کہ حضور نے تہبند ملوں تو شاید اسی وجہ سے پسند فرمایا ہو گا کہ دیگر حضرات عارفین نے بھی اکثر لباس

رنگیں استعمال کیا ہے۔ کیونکہ لباس کو صاف کرنا ممکن نہ تھا اور مختنات صوفیہ میں داخل ہوا اور زردرنگ کو مخصوص طور پر جو حضور نے اختیار فرمایا تو بظاہر اس کا سبب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زردرنگ آسان اور بے تکلف ہے۔ اس واسطے کہ آپ کے مزاج ہمایوں کی سادگی نے جس کو تکلفات سے قطعی احتراز تھا۔ اس رنگ کو آسانی کے لحاظ سے پسند کیا ہو گا۔

لیکن نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے وضع لباس اور اس کے رنگ میں بھی حقانیت و روحانیت کی خاصیت ہے۔ لہذا زردرنگ میں وہ خصوصیت ہے کہ جس کی حقیقت کو ملحوظ فرمایا کہ آپ نے پسند کیا ہو گا۔ جس کو تھوڑی تصریح کے ساتھ نگارش کرتا ہوں۔

چنانچہ حضرات عارفین نے یہ تصفیہ فرمایا ہے کہ اہل طریقت کے لباس کا رنگ ان کے واردات ہی کے مناسب حال ہوتا ہے جس کو شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے معارف المعرف میں بوضاحت لکھا ہے۔ بدین وجہ ہمارے ہادیان طریقت نے اپنی اپنی حالت اور کیفیت کے لحاظ سے مختلف الوان اختیار فرمائے ہیں۔ اور اسی اعتبار سے حضور نے بھی اپنے لباس کے لئے زردرنگ پسند فرمایا۔ کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ آپ کا مسلکِ عشق ہے اور عشقان کی معراج فنا کامل ہے کہ عاشق اپنے وجود کو مٹا کر وجود شاہدِ حقیقی میں فنا ہو جائے اور اہل فنا کو خاک سے منائب خاص ہے۔ جس کا حقیقی رنگ زرد ہے اسی وجہ سے زردرنگ عاشقان کو طبعاً مرغوب ہوتا ہے۔ لہذا ہمارے سرکار عالم پناہ نے جملہ منازلِ عشقیہ اس خوبی اور اہتمام کے ساتھ

ٹے فرمائے کہ ان کے لوازمات کو بھی نہیں چھوڑا سکتے کہ اپنے لباس کے لئے بھی زرور رنگ پسند کیا جس کو اہل فنا سے خاص مناسبت ہے۔

علاوہ اس کے حضور نے جو مٹی کے حقیقی رنگ کو دیگر الوان سے زیادہ پسند فرمایا تو اس کو اگر خون کا جوش اور خاند اُنی اثر کہا جائے تو بھی بے جانہ ہو گا۔ کیونکہ آپ کے جد نامدار کو سرکار رسالت سے ابو تراب کا خطاب مرحمت ہوا ہے۔ اور متفقہ ہے کہ حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والشاتا کو باعتبار دیگر القاب کے یہ خطاب زیادہ پسند تھا لہذا وارث ارث مرتضوی نے جد نامدار کی اس سنت کو ادا کیا۔ اور اپنے لباس کے واسطے مٹی کے حقیقی رنگ کو پسند فرمایا۔

قطع نظر اس کے اگر اصولاً بھی دیکھا جائے اور روایات صحیحہ سے استدلال کریں تو بھی زرور رنگ کی فضیلت کا حق ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ متفقہ ہے کہ خود جناب سرور عالم صلی اللہ وآلہ وسلم کو زرور رنگ پسند تھا۔ چنانچہ صاحب تیسیر القاری شرح صحیح بخاری نے جواز الوان کی بحث میں زرور رنگ کی نسبت لکھا ہے کہ ”عبدالله بن عباس گفت کہ این رنگ بہترین رنگ ہاست آنحضرت دوست میداشت آنرا کہ رنگ می کرو۔“ (حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ رنگ سب رنگوں سے بہتر ہے۔ آنحضرت اس کو پسند فرماتے تھے۔)

علی ہذا صحیح بخاری، کتاب اللباس میں متفقہ ہے کہ عبید بن جریرؓ نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ چار باتیں آپ ایسی کرتے ہیں جو دیگر صحابہ نہیں کرتے۔ ازاں جملہ ایک بات یہ ہے کہ ”ورایتک تصبغ بالصفرہ“ آپ زرور رنگ استعمال کرتے ہیں فُقالَ لِهِ عَبْدُ اللَّهِ أَبْنَعُمْ رَضِيَ اللَّهُ

تعالیٰ عنہ امال صفرہ فانی رائیت رسول اللہ صلی اللہ وسلم یصبع
بھا، فرمایا عبداللہ بن عمر نے کہ زرور گنگ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے
رسول اللہ کو دیکھا ہے زرور گنگ استعمال کرتے فَاحْسِبْ بَهَا، پس میں
زرور گنگ کو دوست رکھتا ہوں۔

الغرض احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مابوس زرد کا استعمال مسنون ترین
ہے۔ اس وجہ سے صفاتِ محمدیہ کے مظہر اتم نے اپنے لباس کے واسطے زرور گنگ کو زیادہ
پسند فرمایا۔ لیکن دوسری حدیث کے مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس رنگ اور اس
وضع کا لباس اسی مرتباض اور صاحب تحریر کا ہوتا ہے۔ جس کو دنیا اور تعلقات دنیا سے
قطعی احتراز اور ماسوئی اللہ سے انقطاع کامل ہو۔ چنانچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جن کی
روحانیت مسلمہ اور آپ کی تحریر کا تمام عالم کو اعتراف ہے۔ ان کے حالات میں لکھا
ہے کہ ہمیشہ لباس آپ کا ہمشکل احرام اور اصفر اللون رہا۔ حنفی کو رفع الی السماء کے
وقت بھی زرور گنگ کی دوچاریں زیب جسم تھیں۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت سید عالم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام طوف بیت اللہ میں
مشغول ہیں۔ اور دوچاریں زرد آپ کے جسم اطہر پر ہیں۔ اور بالوں سے پانی کے
قطرے پکتے ہیں۔

پھر نزول عیسیٰ علیہ السلام کی جب خبر دی تو اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے یہی نشانیاں بیان فرمائیں۔ جیسا کہ سمن ابی داؤد جلد ثانی میں ابی
ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عیسیٰ

علیہ السلام نزول کریں گے۔ تو تم دیکھ کر پہچان لو گے کہ مرد مر بوع یعنی بین الطویل و القصیر ہوں گے ”والی حمراۃ البیاض حمضرتین کان راسہ یقطر“۔ (الی آخرہ) یعنی رنگ صبغ سرخی مائل ہو گا۔ اور دو چادریں زرد ان کے لباس میں ہوں گی۔ اور بالوں سے قطرے پکتے ہوں گے۔

اب اس وضع اور اس رنگ کے لباس کا احترام کافی طور پر ظاہر ہو گیا۔ کیوں کہ ایسے ممتاز اور جلیل القدر پیغمبر جن کو جناب باری عز اسمہ نے روح اللہ کا خطاب اور رفع الی السماء کا مرتبہ عنایت فرمایا۔ ان کا لباس ہمیشہ زرد اور بہ صورت احرام رہا۔ بلکہ آخر زمانہ میں جب نزول کریں گے تو اس وقت بھی بمحض حدیث نبوی ”حمضرتین“ یعنی دو چادریں اصفر اللون آپ کے لباس میں ہوں گی۔ جس کو دوسرا لفظوں میں یہ کہنا چاہئے۔ کہ آپ احرام پوش ہوں گے۔ الہذا یعنی علیہ السلام کا یہ حلیہ جو حقیقت میں شان روحانیت کا مجسم ہے۔ و نیز دیگر اخلاق و عادات آپ کے کہ مزاج حليم، خلق عیم، محبت کی ہدایت، رحمانیت کی تعلیم، تغیریں میں فرد، تحرید میں یگانہ، یہ جملہ اوصاف حمیدہ ایسے تھے کہ جن کا اس موقع پر وضاحت کے ساتھ تبصرہ کیا جاتا۔ مگر اول تو طوالت کا خوف تھا۔ دوم اس خیال سے بھی یہ جسارت نہیں کرتا کہ چھوٹا منہ اور بڑی بات کا مضمون صداقت آئے گا۔ اس لئے اس تشریح کو اخوان ملت کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔ کہ اپنی استعداد اور نسبت کے مطابق تنقید و تطیق فرمائیں گے۔ میں اس قدر وہ بھی جملہ عرض کرتا ہوں کہ نظر گانہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سرکار عالم پناہ کو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص مناسبت تھی کہ حضور کے حالات و عادات عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و عادات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

اور یہ خیال ہمارا اصول تصوف و نیز روایت شریعہ کے بھی خلاف نہیں اس لئے کہ مشاہیر حضرات صوفیہ کرام نے بشرح مبسوط ارقام فرمایا ہے کہ اولیاء امت محمد یہ انبیاء سابقین کے قدم پر ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اصحاب کو انبیاء علیہم السلام سے مثال دی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروقؓ کی نسبت فرمایا کہ تم ابراہیم خلیل اللہ اور نوح علیہم السلام کی مثل ہو۔ جس کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم حضرت خلیل اللہ اور نوح اللہ کی فطرت پر تھے۔ لہذا یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اور علماء شریعت اور محققین ارباب طریقت کے اقوال سے ثابت ہے کہ اولیاء امت محمدی انبیاء علیہم السلام کی فطرت پر یا قدم پر ہوتے ہیں۔

اور بعض محققین نے بجائے قدم کے قلب کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ فلاں ولی فلاں نبی کے قلب پر ہے۔ لیکن اس اختلاف لفظی کا تصفیہ امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے کر دیا۔ اور اپنی کتاب المیاہ و الجواہر، بیان مقام الوارثین للرسل من الاولیاء کی بحث میں شیخ مجی الدین عربی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل کیا ہے ”ان يطلعنى الله تعالى على مقامات الانبياء من حيث كونى وارثاً لحم ان من الادب ان يقال فلاں على قدم الانبياء ولا يقال انه على قلبيهم لأن لا ولیاء على اظارا لا نبیاء مقددون ولدالهم كالو على قلوب لا انبیاء“ یعنی اللہ جل جلالہ نے مقامات انبیاء سے مجھ کو خبردار کیا (اولیاء ان کے وارث ہوتے ہیں جن کو بظاہر ادب کہا جاتا ہے کہ انبیاء کے قدم پر ہیں۔ اور یہ نہیں کہتے کہ قلب انبیاء پر ہیں۔ ہر چند اولیاء انبیاء کے آثار ہیں۔ ان کے قلب پر ہوتے

ہیں۔

حضرت شیخ اکبر کے اس ارشاد سے جو آپ کے انکشافتات اور فتوحات میں سے ہے۔ صاف ظاہر ہو گیا کہ اولیاء امت محمدی انبیاء علیہ السلام کے آثار ہیں اور جس ولی کو جس نبی سے خاص نسبت ہوتی ہے۔ وہ ولی اس نبی کا وارث اور اس کی فطرت پر ہوتا ہے۔ لہذا یہ کہنا بے محل نہیں ہے کہ ہمارے سرکار عالم پناہ کو عیسیٰ علیہ السلام سے خاص مناسبت تھی۔ گو باطنی مدارج و مقامات کا ذکر بھی نہ کروں گا۔ اور درحقیقت نہ اس کی مجھ کو صلاحیت ہے۔ لیکن ظاہری حالات اور عادات کو اگر دیکھا جائے تو بے ساختہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت وارث عالم پناہ کی ذات اقدس یقیناً مجھوں آنار عیسوی اور اسوہ صفات روحِ الہی تھی۔ اور حضور کے سوانح حیات کو عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے اسی طرح خاص مشابہت ہے جس طرح لباس اور رنگ لباس وارثی مشابہ تر لباس اور رنگ لباس عیسوی سے ہے۔

غرض یہی خرقہ وارثی جس مختصر طور پر ذکر ہوا جب طالب راہ فقر کو مرحمت ہوتا تھا تو یہ بھی دستور تھا کہ سرکار عالم پناہ اپنے خرقہ پوش کو امتیازی خطاب بھی تفویض فرماتے تھے۔ لیکن یہ امتیاز بھی تو اسی قدر کافی سمجھا گیا کہ اس کے قدیم نام کے ساتھ صرف لفظ شاہ کا اضافہ ہوا۔ مثلاً مولوی نور کریم صاحب تہبند پوش ہوئے تو ان کا لقب نور کریم شاہ قرار پایا۔ یہ وہی طریقہ ہے جو خاندان چشت میں مروج اور مخدومان طریقت کی سنت جاری ہے کہ ان کے برگزیدہ مسٹر شدین کے اسمائے گرامی اس اعزاز کے ساتھ مشہور ہیں۔

یا کبھی اس امتیاز میں اور زیادہ وضاحت فرمائی تو فقیر کے قدیم اور آبائی نام

میں کامل تبدیل ہوا اور ایسا جدید نام اس کے لئے تجویز ہوا جس کو پہلے نام سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی تھی۔ جیسا کہ جناب کرم احمد صاحب ریس ویوی شریف کو جب ہبند مرحمت ہوا تو ان کا قدیم نام بالکل بدل دیا۔ اور بجائے اس کے معروف شاہ خطاب ملا۔

لیکن فقراء کا یہ خطاب جس کی حیثیت امتیازی معلوم ہے اس کو معمولی امتیاز کبھی نہ سمجھنا چاہئے۔ بلکہ یہ اعزاز ہے۔ خصوصاً فقراء کا وہ جدید لقب جس کو قدیم نام سے کچھ تعلق نہ ہوا اصلاحات باطنی کا بہترین لمحہ ہے کیونکہ طالب راہ فقر جب ترک دینا کے لئے مستعد ہو جاتا ہے تو اس کے عہد زندگی میں انقلاب عظیم ہوتا ہے اور پیشوایان طریقت کو ایسے اسباب مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو طالب کے عادات قدیمہ میں تغیر پیدا کریں کہ اس دور جدید کے اہم معاملات اور غیر معمولی مشکلات کو برداشت کرنا آسان ہو۔ اور دنیوی مرادات اور نفسانی خواہشات سے فارغ ہو کر حصول تقرب الی اللہ میں سمجھیت خاطر مشغول ہو جائے۔ اور چونکہ ملبوسات و ملفوقات باعث حظ ولذات ہوتے ہیں۔ اس لئے ہادیان راہ طریقت جس طرح طالب کے قدیم لباس میں تبدل کرتے ہیں۔ اور اپنا خرقہ دے کر اس کی طبیعت کو سادگی اور فروتنی کی جانب مائل کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے کہ طالب کے خیالات میں اسباب مالوف سے بھی مفارکت پیدا ہو اور چونکہ انسان فطرتاً اپنے قدیم اور آبائی نام سے مالوف ہوتا ہے اس واسطے طالب کا پہلا نام بھی بدل دیتے ہیں کہ سابق کے تعلقات قطعی منقطع ہو جائیں اور جس دور جدید میں وہ آیا ہے اس سے منوس ہو۔ اس لئے اس کو ایسا خطاب دیتے ہیں جو اس کے ذوق و شوق کے

مناسب حال ہوتا ہے۔ اور پھر دنیا میں اسی نام سے وہ پکار جاتا ہے۔

علی ہذا طالب راہ فقر کا نام تبدیل کرنے کی ایک خاص وجہ حضرات صوفیہ کرام نے یہ بھی ارقام فرمائی ہے کہ جب طالب صادق بہزادت والث مرشد کامل کے حلقة بیعت میں داخل ہوتا ہے اور شوق وصال مطلوب حقیقی میں بے کمال ثبات و استقلال مستعد مرگم جدو ججد ہو جاتا ہے تو اصطلاح صوفیہ میں مرید کے اس دور جدید کو ولادت ثانیہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ولادت کی دو قسمیں ہیں جسمانی و روحانی جس کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ حضرات محققین نے ارقام فرمایا ہے۔

پڑنا چہ امام عبد اوہاب شرعی علیہ الرحمۃ نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ امام احمد ابوالعباس مری علیہ الرحمۃ نے پہلے سیمی علیہ السلام کی اس فصیحت کا ذکر کیا کیا کہ ”اے نبی سرائیں جو شخص دوبارہ پیدا نہیں ہوا وہ کوئی نہیں کی با دشابت میں داخل نہ ہوگا۔“ اور اس کے بعد فرمایا کہ ”اَنَا وَاللَّهُ وَلَدْتُ مِرْتَبَيْنَ اَبْلَاهُ وَلَا دَلْ اَبْلَادُ الطَّبِيعَةِ وَلَا يَلَادُ الدَّالَّى اِبْلَادُ الرُّوحِ فِي سَمَاءِ الْمَعَارِفِ“ یعنی واللہ میں دو مرتبہ پیدا ہوا ہوں۔ ولادت اولے ولادت طبعی ہے اور ولادت ثانیہ روحانی ترقی ہے۔

معهد اشیخ شہاب الدین بن محمد سہرومدی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف میں اقسام ولادت کی تصریح میں ارقام فرمایا ہے جس کا ترجمہ مصباح الہدایت سے نقل کرتا ہوں ”ولادت و قسم اند، صوری و معنوی ولادت صوری خروج اجنہ ارواح بشری است از مشتمیہ عالم غیب بفھاء عالم شہادت بواسطہ آبائی صوری و دریں ولادت نسبت صوری لازم شود و میراث صوری ازا سہاب و اموال تابع آن بود۔ ولادت معنوی

بر عکس آن خروج اجنب ارواح موماناست از مشمی عالم شہادت به فضاء عالم غیب بواسطه آباء معنوی۔ و درین ولادت نسب معنوی ثابت گردد۔ و میراث معنوی از علوم و احوال تعیین لازم آید۔ و ابتداء این آنگاه بود که روح از قید دنیوی و نظر محبت از دنیا و اہل آن خلاص یابد۔“ (ولادت دو قسم کی ہے۔ ایک صوری دوسری معنوی۔ ولادت صوری یہ ہے کہ پچے کی پیدائش۔ عالم غیب کے میدان سے اس ظاہری دنیا کی فضایں اپنے آباء کی وساطت سے۔ اس ولادت میں ظاہری صورت کی نسبت لازم ہوتی ہے۔ اور ظاہری و راثت اور اسباب اور اموال اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اور ولادت معنوی میں اس کے بر عکس آباء معنوی کی وساطت سے، پچے کی پیدائش، عالم شہادت سے عالم غیب میں ہوتی ہے۔ اس ولادت میں معنوی نسبت ثابت ہے۔ اور اس کی میراث میں علوم اور بیعت کے احوال لازم ہیں۔ اور اس کی ابتدائی اس سے ہوتی ہے کہ روح قید دنیوی، دنیا اور اہل دنیا کی طرف نظر الافتات سے چھکناکہ پا جاتی ہے۔)

پھر حضرت محمد و سہروردی علیہ الرحمۃ نے فضل چهار و هم علم دراست و دراثت میں ولادت ثانیہ کی اور وضاحت فرمائی کہ جس طرح حکمت الہی نے عالم ظاہر کا سلسلہ تولد و تناصل ازدواج متواالدین پر موقوف فرمایا ہے،“ تجھیں در عالم معنی سر حقیقت آدمی کہ آن عبدیت محض است در وجود دنیا یہاں بعد ازدواج مرید زمداد بر ابط محبت و قبول مرید تصرفات مراد را اینیست ولادت کہ در پیش مدان اشارت رفت۔“ (اسی طرح معنوی جہان میں آدمی کی حقیقت کا راز کیا ہے؟ صرف اس کا بندہ ہونا، اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ مرید اور پیر کے شوہر اور زوجہ بننے کے بعد،

محبت اور قبولیت کے رابطہ سے۔ یہ ہے ولادت معنوی کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔)

حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ انسان کی اس ولادت معروف کے علاوہ ایک ولادت ثانیہ بھی ہے جس کو ولادت معنوی کہتے ہیں۔ اور یہ ولادت معنوی مسٹر شدین کو بواسطہ محبت پیشوائے کامل نصیر ہوتی ہے اور جس طرح پر صوری ہمارا جسمانی باپ ہوتا ہے۔ اسی طرح پر معنوی ہمارا روحانی باپ ہے تو لازم ہوا کہ جس طرح جسمانی باپ اپنی اولاد کا نام رکھتا ہے۔ اسی طرح روحانی باپ بھی اپنی حقیقی اولاد کا اس کی ولادت کے بعد نام رکھے۔ اور اس حقیقی اولاد کی ولادت حسب ارشاد حضرت مخدوم سہروردی اس وقت ہوتی ہے کہ ”روح از قید تعلقات دنیوی و نظر محبت از دنیا و اہل آن خلاص یابد“، یعنی طالب صادق جب حصول تقرب الی اللہ کے لئے تعلقات دنیا سے دست بردار ہو۔ چنانچہ مطابق اصول طریقت ہمارے پر معنوی حضرت وارث پاک نے اپنے حلقة گوش کا جدید نام ہمیشہ اسی وقت رکھا جب طلب الہی میں وہ تمہند پوش اور تعلقات دنیا سے سکدوش ہوا۔

اور امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقۃ الکبری میں حضرت علی فرزند محمد و فاطمہ علیہما السلام کا ایک قول نقل کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجازی باپ سے روحانی باپ کا زیادہ اقتدار و اختیار ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ”لیس ابوک حقیقة الا من تولده صورة نفسك من كشفة و بيانه حتى صارت عقولاً وما ابو جسمك فهو ابوک مجازاً لا نك ما انت هذا جسم بل روحه“، یعنی حقیقت میں تمہارا باپ وہ ہے جس کے کشف و بیان

سے تمہارے نفس کی صورت پیدا ہوئی۔ اور وہ بالفعل عقل ہو گئی اور تمہارا جسمانی باپ مجازی ہے کیونکہ تم جسم تو ہو نہیں بلکہ جسم میں جو روح ہے تم وہ ہو۔

اس اصرتھ کے بعد آپ نے صاف لفظوں میں یہ بھی سمجھا دیا کہ تمہارا صحیح نام وہی ہے جو پورا حقیقی تمہارا نام ہر کے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ”ولا بحل لک ان تدعی غیر ایک الحقيقة“ پس حلال نہیں ہے کہ تم اپنے حقیقی باپ کے سوا اور کے نام سے پکارے جاؤ۔

سیدی علی فرزند محمد و فاعلیہ الرحمۃ نے جس طرح حقیقی باپ کے اقتدار کا ذکر کیا۔ اسی طرح اس کی بھی تاکید فرمائی کہ مستردین کے واسطے حال نہیں ہے کہ پورا معنوی کے سوا اور کے نام سے مشہور ہوں۔ شاید اسی واسطے حضور نے اپنے غلاموں کو جب لباس فقر سے مستفیض کیا اور ان کے قدیم مرامیں و عادات متغیر ہوئے۔ اور روحاںیت کا دور شروع ہوا تو ان کا آبائی نام بھی بدلتا اور اپنی جانب سے بخششیت پورا معنوی خطاب مرحت فرمایا۔ جس کو حقیقی نام تسمیہ چاہئے۔

لہذا حضرات عارفین کے ارشادات سے بخوبی ظاہر ہے کہ طالب راہ فقر کا نام تبدیل کرنا اصول طریقت میں داخل ہے بلکہ علماء شریعت کا بھی اتفاق ہے کہ جناب سید المرسلین حبیب رب العالمین احمد مجتبی محدث صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب اجلد کو خطابات تقویض فرمائے ہیں جو بھی تو ان کے امامتے گرامی کے ساتھ بطور کنیت کے مشہور ہوئے اور کبھی وہ خطاب ان کا نام ہو گیا جس نے پہلے نام کو محو کر دیا۔

چنانچہ امام محمد یعقوب علیہ الرحمۃ نے سفر العادت میں ہے کمال و ضاحت

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت کا ذکر کیا ہے۔ کہ آنحضرت نے حضرت عائشہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو امام عبد اللہ کنیت مرحمت فرمائی۔ اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو یحییٰ فرمایا اور امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو ابو تراب کا ممتاز خطاب دیا جس سے کمال عظمت مرتضوی کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسا کہ شرح سفر السعادت میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ”بعض اہل تحقیق ازار باب تصوف را دریں اسم اشارہ تھا یہ دقيق و معنی بلیغ است کہ دلالت بر کمال مرتبہ و نہایت فضیلت اور ارد۔ تراب را اشارت بوجود تو حید و فنا دارند۔ پس حاصل معنی ابو تراب آن شود کہ وے اصل و مقتدا امام و مرجع طائفہ فقراء اور باب فنا اور کمال است۔ چنانچہ منہجاً سلاسل مشائخ طریقت بذات شریف است۔ و این معنی راجحاب حقائق آیات صاحب اسرار والانوار جمال الدین خواب محمد باقی قدس سرہ در کلمات خود در رشته نظم در آورده است و گفتہ است۔“ (کچھ اہل تحقیق، جو تصوف والے ہیں، کے نزدیک، اس اسم میں دقيق اور بلیغ اشارے ہیں کہ جو کامل درجہ پر انتہائی فضیلت رکھتا ہے، تراب سے اشارہ و توحید کے وجود اور فانی ہونے کی طرف ہے۔ پس ابو تراب کے معنی حاصل ہوئے کہ آپ حقیقی طور پر مقتدا اور امام ہیں اور فقراء کے طائفہ کے مرجع ہیں۔ جو اور باب فنا اور کمال ہیں۔ اور یہ مفہوم جناب حقائق آیات صاحب اسرار والانوار جناب محمد باقی قدس سرہ نے ان اشعار میں قلمبند کیا ہے۔)

من حاصل این خطاب گویم مضمون ابو تراب گویم
خاک اند جماعته که مردند جستی بخداۓ خود پر دند
از سطوت نور درشتند در آب بقا فرد نشد

گردے نہ بہ پشت پانی ایشان
درد کف پای خود چہ امکان
سرحلتہ خاکیان علیٰ بود
سر سلسلہ جہاں علیٰ بود
زان بحد و نہر بند بکشود
یکسو حسن و حبیب و داؤد
معروف و سری، جنید بغداد
کزوے طرق کیشہ بکشاد
یکسوئے دگر لطیفہ پاک
مستور بزیر پرده خاکس
سبطین رسول و زین عباد
پس باقر و صادق نکو زاد
ایں سلسلہ از طلائے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است
معنی ابو تراب این است
تفسیر اشارات این چنین است
(میں اس خطاب کا حاصل اور خلاصہ بیان کرتا ہوں۔ یعنی ابو تراب کا مضمون بیان کرتا
ہوں۔ جماعت فوت ہو گئی اور مٹی میں مل گئی۔ اپنے آپ کو اللہ کے پروردگر دیا۔ تو رکے
دبدبہ سے یہ ٹوٹ گئے اور بقا کے پانی میں بیٹھ گئے۔ ایسی ہستیوں کے پاؤں بھی گرد
سے نہیں اٹھتے تو ان کے پاؤں میں تھکن کیسی؟ ان تمام خاکیوں کے سردار علیٰ ہیں۔ اور
جہاں بھر کے تمام سلاسل کے سردار علیٰ ہیں۔ اس سمندر سے دونہروں کا بند آپ نے
کھولا ہے۔ ایک طرف حسن بصریٰ اور حبیب عجمیٰ اور داؤد طائیٰ، معروف کرخیٰ، سریٰ
سقطیٰ اور جنید بغدادیٰ ہیں۔ آپ سے کیشہ تعداد میں سلاسل کا آغاز ہوا۔ بہت سے
دوسرے پاک باطن خاک کے پرده میں پوشیدہ ہو گئے۔ دوسری طرف حضور پاک گی
اولاد میں بیٹوں سے اور ان بندوں سے حضرت امام باقر اور امام جعفر صادقؑ جیسی
اچھی نسل چلی۔ یہ سلسلہ الذہب یعنی خالص سونے کا سلسلہ ہے۔ یہ تمام کا تمام
گھرانہ گویا آفتاب ہے۔ یعنی روشنی بکھیر نے والے ہیں۔ بو تراب کا معنی یہی ہے۔

اس اشارے کی تفسیر اسی طرح ہے۔)

علی ہذا آنحضرت ﷺ نے برادر انسؑ کے حق میں ابو عمیر سے فرمایا۔ جس کی صراحت میں ترمذی نے لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا چھوٹا بھائی ایک روز کنجیٹ خانگی سے کھیلتا تھا۔ ناگاہ وہ چڑیا مرگی۔ تو وہ مغموم ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ”یا ابا عمیر مافعِ الغیر“۔ اور خود حضرت انس صفری میں بزرگ ساگ لائے تھے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو حمزہ کیتی مرحمت فرمائی اس نے کہ جزہ ساگ کو کہتے ہیں۔ جو فارسی میں تیزک کے نام سے مشہور ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوبلی سے محبت تھی۔ جس کو عربی میں ہرہ کہتے ہیں۔ اس جہت سے آپ کو ہریرہ خطاب ملا۔ اور اس خطاب نے آپ کے پہلے نام کو حکر دیا۔ چنانچہ حضرات محدثین کا اختلاف ہے کہ پہلے آپ کا نام کیا تھا۔ اسی طرح ایک مقتدر صحابی کو ابوذر خطاب مرحمت ہوا۔ ذر عربی میں چیونی کو کہتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ بطور کیتی کے نہیں ہے بلکہ جدید نام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خطاب سے پکارے جاتے ہیں۔ اور پہلہ نام آپ کا ایسا محو ہوا کہ سنانہیں جاتا۔

الغرض جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو لقب خاص سے ملقب فرمایا کہ رسم قدیم اور اسم آبائی میں تبدل کرنا تغیر عادات میں داخل ہے کہ اس لئے تغیر عادات ہے چنانچہ حدیث ہے کہ ”بعثت لرفع العادات“ کہ میں رسمی عادات کو مٹانے آیا ہوں۔ لہذا تیرہ سو برس کے بعد حضرت وارث پاک خلف الصدق صاحب لولاک نے اپنے جد نامدار کی اس سنت

قدیم کی پوری تعلیل کی اور وہ مستر شدین جو طلب الہی کے شوق میں ترک تعلقات دنیوی پر مستعد ہوئے اور نفسانی خواہشات سے احتراز کیا ان کے لباس میں بھی کامل تغیر فرمایا۔ اور ان کے احوال کے لحاظ سے خاص دے کر ان کے پہلے نام کو آپ نے صفحہ ہستی سے فنا کر دیا۔

بلکہ اکثر فقراء ہند کا بھی یہی مقولہ ہے۔ چنانچہ گیتا میں ہے کہ مری کرشن جی نے ارجمن کو اس کی تعلیم دی ہے جس کو ابو الفیض فیضی نے نظم کیا ہے۔

نہ ترک عمل کا رہر کس بود
نہ فضل خدا یار ہر کس بود
(ہر کسی کا کام ترک عمل نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اللہ کا فضل ہر کسی کا یار ہوتا ہے۔)

اور جس طرح فقراء تہبند پوش کو ان کی حالت کے لحاظ سے مختلف خطاب مرجمت ہوئے اسی طرح ان کی حیثیت کے مطابق ضروری احکام بھی ان کے حق میں صادر فرمائے۔ اور مختصر مگر جامع اور معنی خیز الفاظ میں مسلک فقر کے بعض شرائط سے ان کو آگاہ کر دیا۔ چنانچہ اکثر فقراء سے حضور نے فرمایا ”وضع کے پابند ہتنا۔“ کسی کو حکم ہوا ”مر جانا مگر سوال نہ کرنا۔“ کبھی ارشاد ہوا کہ ”فقیر وہ ہے جو دنیا میں بے لگ رہے۔“ کسی کو بدایت ہوئی کہ ”دنیا کا مال و اسباب نہ تجع کرنا۔“ کسی سے فرمایا ”آزاد اور بے غرض رہنا۔“ کبھی یہ نصیحت کی ”فاقہ ہو تو صبر کرنا۔“ کبھی ارشاد ہوا کہ ”فقیر کو چاہئے کہ مصیبت پڑے تو گھبرائے نہیں اور تکلیف کا اظہار نہ کرے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”تکلیف کی شکایت نہ کرے کیونکہ تکلیف اور آرام خدا کی جانب سے ہے پھر خدا کی شکایت کس سے کرو گے۔“ اکثر فقراء سے یہ ارشاد ہوا کہ ”دنیا کے واسطے

کوئی کام نہ کرنا اور خدا کے واسطے جان دے دینا۔” یہ بھی حضور نے متواتر فرمایا ہے ”خدا کی محبت میں مٹ جانا۔“ یہ بھی ارشاد ہوا ہے ”محبت کرو کب سے کچھ نہیں۔“ یہ بھی فرمایا ہے ”محبت ہے تو سب کچھ ہے محبت نہیں تو کچھ نہیں۔“ اور اکثر فرمایا ہے کہ ”فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔“ بظاہر یہ احکام مختلف المفہوم نظر آتے ہیں۔ مگر درحقیقت بالمعنی مراد ف ہیں۔ کیونکہ سب کا حصل یہی ہے کہ طلب الٰہی کے لئے لازمی ہے کہ دنیا اور تعلقات دنیا سے احتراز کرو اور کوچھ فقر میں محبت بن کر آؤ۔

لیکن ارشادات مذکورہ کو ان چھوٹے چھوٹے جملوں میں فصاحت کی بحیثیت شان ہے کہ الفاظ کے ظاہری معنی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق اور اعمال کی تعلیم فرمائی ہے۔ اور فقر کے بعض قیود و شرائط سے خبردار کیا ہے۔ اور درحقیقت ان ہدایات سے طالبین را فقر کی تعلیم ہی مقصود بھی تھی۔

لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو ”کلام الملوك ملوک الكلام“ (بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔) کا مضمون صادق آتا ہے۔ اور ارشادات مذکور میں یہ خوبی نظر آتی ہے کہ یہی احکام جو تعلیماً ارشاد فرمائے میں لفظ فقیر کے حقیقی معنی بھی ہیں۔

یہ حضور کی میں بندہ نوازی تھی کہ نہ آموز فقیر سے خطاب تھا اس لئے فقیر کی تعریف اور اس کے لغوی اور اصطلاحی معنوں سے خبردار کر دیا۔ اور سمجھا دیا کہ فقیر اس کو کہتے ہیں جو دنیا سے آزاد ہو۔ اور طلب شاہد حقیقی میں جان بھی ایثار کرے اور سوال عن الناس کو حرام سمجھے۔

چنانچہ فقیر کے لغوی معنی یہ ہیں کہ ”فقیر آنکہ بیچ ندارد۔“ (فقیر وہی ہے جو

کچھ بھی نہ رکھے۔) اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اور عدم تمکن بغیر ترک دنیا ناممکن ہے اور تجھے بن معاذ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ فقیر وہ ہے جو دنیا کے آگے اور دنیا اس کے پیچے چلے۔ اور صاحب صحائف السلوک نے فقیر کے معنی ترک ماسوئی اللہ ارقام فرماتے ہیں۔ اور حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

حضوری گر ہی خواہی از وغایب مشو حافظ

متی مانلئ من تھوی کاع الدنیا و امهلها

(اگر تو حضوری چاہتا ہے تو اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ تو جس چیز کی خواہش رکھتا ہے جب وہ تجھے مل جائے تو دنیا چھوڑ دے۔)

اور تبحیثات الانس میں مولانا عبد الرحمن جامی علیہ الرحمۃ نے فقیر کی تعریف یہ فرمائی ہے ”فقیر آن طائفہ ان کہ مالک یعنی چیز و اسباب و اموال دنیوی بنا شد و در طلب فضل و رضوان الہی ترک ہمہ کرده باشد“ (فقراء وہ گروہ ہیں کہ جو کسی چیز، دنیاوی مال و اسباب کے مالک نہیں ہوتے۔ اور اللہ کے فضل اور رضا کی طلب میں ہر شے کو ترک کر دیتے ہیں۔) اور حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے ”ان الفقر عبارۃ عن فقد ما هو محتاج اليه“ (فقر عبارت ہے اس سے کہ فقیر کسی چیز کا محتاج نہ ہو۔) اور امام عبد الوہاب شرعانی نے طبقۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ شیخ ابو سعید قبوری کا قول ہے کہ ”من شرط الفقر ان لا یملک شيئاً و لا یملکه شيئاً“ کہ نہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی چیز اس کی مالک ہو۔ اور شیخ ابو مدين مغربی علیہ الرحمۃ فقر کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ ”الفقر امارة التوحيد و دلالة على

التفرد۔ یعنی فقر تو حید کی نشانی اور تفرد کی دلیل ہے اور شیخ بقاعیہ الرحمۃ جو عراق کے صدیقوں میں اور صاحب مقام جلیلہ تھے فرماتے ہیں ”الفقر تجرد القلب عن العلاق و استقلاله بالله سبحانہ و تعالیٰ“ کہ فقر کی تعریف یہ ہے کہ دل حلق دنیا سے خالی اور اللہ جل جلالہ کے ساتھ مستقل ہو۔ اور انھیں کا قول ہے۔ کہ ”الفقر و صف کل مستغن عن غیرہ“ کہ فقر اس کا وصف ہے جو غیر سے مستغنی ہو۔ اور حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر فرماتے ہیں:-

زہد و تقویٰ چیست اے مرد فقیر
لا طمع بودن ز سلطان و امیر

(اے مرد فقیر! زہد و تقویٰ کیا شے ہے؟ سلطان و امیر سے لا طمع ہو جانا۔)
غرض حضرات عارفین کے اقوال سے معلوم ہو گیا کہ لفظ فقر کے لغوی اور اصطلاحی معنی وہی ہیں جو حضور کے ارشادات کا مفہوم ہے۔ اور فقیر کی بھی وہی تعریف ہے جو سرکار عالم پناہ نے اپنے تہبینہ پوش غلاموں کو روز اول با محابوہ الفاظ میں سمجھا دیا۔

علاوہ اس کے یہ ہدایات اگر اخلاقی اور مشربی تعلیم ہی متصور کئے جائیں۔ تو یہ عرض کروں گا کہ ہمارے حضور نے راہ فقر کے مسافر جدیدہ کی وہی تعلیم فرمائی جو مشاہیر حضرات صوفیہ کرام کا میں مسلک ہے۔ کیونکہ حضور کے ارشادات مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ فقر اکو ہدایت فرمائی کہ آزاد اور بے تعلق رہو۔ اور دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرو اور یہی سلف صالحین کا مشرب تھا۔

چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے (احیاء العلوم) میں لکھا ہے کہ حضرت اولیس

علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ جب متوكل تلاش معاش میں لکھتا ہے تو توکل اس کا نٹ جاتا ہے۔ اور صاحب تذکرۃ الاولیاء نے حضرت محمد واسع علیہ الرحمۃ کے حالات میں لکھا ہے کہ ”کے وصیت خواست۔ گفت وصیت میکنم ترا کہ بادشاہ باشی در دنیا زاہد باشی و بدیچ کس طمع نکنی و ہمہ خلق راحتیج بنی۔ لا جرم تو غنی و بادشاہ باشی،“ (جو شخص وصیت چاہتا ہے اس کو کہہ کے تجھے وصیت کرتا ہوں کہ بادشاہ بن جا، آخرت اور دنیا میں۔ یعنی دنیا میں زاہد ہو جا۔ اور کسی آدمی کا لائق نہ کرو اور ہر شخص کو تو محتاج سمجھ۔ یعنی طور پر تو غنی اور بادشاہ ہو جائے گا۔) اور صاحب عوارف المعارف نے لکھا ہے (ترجمہ) جماعتے از جنید رحمہ اللہ پرسیدند کہ اگر مادر طلب رزق سعی نہام چہ گونہ باشد۔ جواب داد کہ اگر میدانی کہ رزاق شمار افراموش کردہ است در طلب رزق سعی کنید۔“ (فقراء کی ایک جماعت نے حضرت جنید بغدادی سے پوچھا کہ اگر ہم رزاق کی تلاش میں کوشش کریں تو یہ کیسا ہو گا۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ رزاق نے تمہیں فراموش کر دیا ہے تو رزق کی تلاش جنتجو کر۔) اور حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”التوکل ترک تدبیر عن الحول و القوہ۔“ (توکل کیا ہے؟ تدبیر کا چھوڑ دینا۔) اور حضرت سری قطعی علیہ الرحمۃ کا یہ قول ہے ”التوکل الا نخلاء عن الحول و القوہ“ (توکل حول اور قوہ سے نکلنے کا نام ہے۔) اور حضرت حمدون قصار علیہ الرحمۃ کے اس قول کو بھی نقل فرمایا ہے کہ ”التوکل هو الاعتصام بالله“ (توکل اللہ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینے کا نام ہے۔) اور حضرت سہل بن عبد اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ ”التوکل ان يكون العبد بين يدي الله كا لمیت بین یدی الغسال یقلبه کیف یشاء ولا یکون له حرکة ولا تدبیر“ (توکل انسان کا

خدا کے سامنے ایسے ہو جانا ہے جیسے میت غسل دینے والے کے سامنے ہوتی ہے۔
جیسے وہ چاہتا ہے اسے پلتا ہے۔ اور میت کیلئے کوئی حرکت یا تدبیر نہیں ہوتی۔) بلکہ
مولانا روم علیہ الرحمۃ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس کو خدا سے سروکار ہو جاتا ہے اس میں
دنیوی کار و بار کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ وہ وہاں

تا بداني ہر کہ را ز دان بخواند از ہمہ کار جہاں بیکار ماند
ہر کہ را باشد ز زیوال کار و بار بار آنجا یافت بیرون شد ز کار
(تا کہ تو جان لے کر جس کو اللہ تعالیٰ بلاتا ہے وہ جہاں کے تمام کاموں سے بے کار ہو
جاتا ہے۔ جو اپنے کام کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے وہ پھر وہاں اپنا وجود بوجھ سمجھتا ہے اور
اپنے کام سے جدا ہو جاتا ہے۔ یعنی کسی کام کیلئے ذاتی کوشش کرتا یہ فقراء کا کام نہیں
ہے۔ اسے مکمل طور پر اللہ پر چھوڑ دے۔)

یہ اقوال اور ایسے متعدد دیگر ارشادات حضرات عارفین کے ترک کتب کی
تائید میں منقول ہیں۔ اور ان حضرات کا وہی مسلک تھا جس کی تقلید کے لئے حضور نے
اپنے فقراء کو ہدایت فرمائی ہے کہ کسب اسباب کو سبب معاش نہ بناؤ۔ رضوان اللہ کا
طریقہ یہی ہے کہ حضرت مسبب الاسباب پر بھروسہ کرو۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے
قاطعت کی ترجیب میں یہی فرمایا ہے ”وَ عَلَى اللَّهِ فَتُوكِلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ“
(سورۃ المآمِنہ: ۲۳) کہ اللہ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ
توکل علی اللہ ایمان کی خاص دلیل ہے۔ کیونکہ ایمان بالغیب ہے۔ اور توکل میں ہمتن
غیب پر نظر رہتی ہے۔ اسی وجہ سے عارفین بالحکمین کا یہ مسلک ہوا کہ کسب معاش سے
احتراء فرمایا۔ چنانچہ صاحب مراثۃ الاسرار نے اصحاب صفت کے حالات میں لکھا ہے

کہ ”دریگانہ سکونت داشتند و آنحضرت ایشان تا تکلیف کسب و جہاد نہ کرو۔“ (جہاں یہ سکونت اختیار کر چکے تھے اور حضرت کے قول کے مطابق کہ وہ کسب اور جہاد اختیار نہ کریں۔) اور صاحب کشف الحجب نے اصحاب صفت کے تذکرہ میں لکھا ہے ”دست از دنیا و کسب بداشتہ بودندواز ہمہ اعراض کر دہ،“ (دنیا اور کسب سے یہ جدا ہو گئے تھے۔ ہر چیز سے انہوں نے بے رُخی اختیار کر لی تھی۔) بلکہ ارباب محققین و اصحاب مفسرین نے فقراء صدقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صفات فقر و قناعت انص قطعی سے ثابت کئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ انہیں ذی مرتبت کی شان میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرمایا ہے ”للفقراء الظین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض۔ یحسبهم الجاہل اغیاء من التعفف۔ تعریفہم بسیما هم۔ لا یسلون الناس الحفا۔“ ((نیرات)) ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں (کسب معاش سے) روک دیئے گئے ہیں، وہ (امور دین میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے، ان کے (زحداً) طمع سے باز رہنے کے باعث نادان (جو ان کے حال سے بے خبر ہیں) انہیں مالدار سمجھے ہوئے ہیں، تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے بالکل سوال ہی نہیں کرتے کہ کہیں (خلقوق کے سامنے) گڑگڑانا نہ پڑے۔ سورۃ البقرۃ: ۲۷۳: (شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ”برائے آن فقیران است کہ ہند کردہ سند در ماہ خدا نبی تو انہند غفر کر دن در زمین۔ تو نگرمی پندراند ایشان رانا دان۔ بہ سبب طمع نکر دن۔ تو می شناسی ایشان را بقیا فدا ایشان سوال نبی کند از مردمان بالحاج۔“ (یا ان فقیروں کیلئے ہے جو اللہ کے راستے میں روک دیئے گئے ہیں۔ وہ زمین میں سفر نہیں کر سکتے اور لوگ انہیں امیر

خیال کرتے ہیں۔ طبع نہ کرنے کے وجہ سے تو ان کو پہچان لے گا اس سے کہ وہ لوگوں کو زاری سے سوال نہیں کرتے۔)

ارباب مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آئیہ کریمہ اصحاب صد کی شان میں نازل ہوئی ہے جس کا ایک حصہ ان کی تعریف میں ہے کہ وہ اللہ جل جلالہ کے واسطے ریاضت اور مجاہدات میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اپنے نورانی چہروں کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور ایک حصہ میں زہدواستقامت کا ذکر ہے۔ اور ان کے طریق و مسلک کو بیان کیا ہے کہ ان کو سفر سے پہ بیز سوال کرنے سے قطعاً احتراز ہے۔ لیکن حضرت مجی الدین عربی علیہ الرحمۃ نے اس آئیہ کریمہ کی تفسیر میں فقراء اہل صدھ کے طریق و مسلک کی اور زیادہ وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں "للفقراء الذين احصرروا . هم المجاهدة . فی سبیل اللہ لا يستطيعون ضربافي الارض . للتجاوزة للتجارة و لکسب لا شتا لهم بالله و اشواقهم في الاحوال و صرف اوقاتهم في العبادة يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف . عن السوال و الاستغناء عن الناس . تعر فهم بسيما هم . من صفرة وجو هم و نور جبا هم و هيبة سجالهم انهم عرفاء اهل الله لا تعرفهم الا بالله ومن هو منهم . لا يستلون الناس الحافا . اى الحافا و المراد نفي مسئللة الناس بالكلية ." ((نیرات)) ان فقراء کاظم ہے جو اللہ کی راہ میں (کسب معاش سے) روک دیئے گئے ہیں، جہاد کرنے والے ہیں، وہ (امور دین میں ہمد وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے، تجارت کیلئے یا روزی کمانے کیلئے، کیونکہ وہ مستغرق الی اللہ ہیں، حال کی کیفیت میں مت

ہیں اور اپنے اوقات کو عبادت میں صرف کرتے ہیں، ان کے (زحداً) طبع سے باز رہنے کے باعث نادان (جو ان کے حال سے بے خبر ہیں) انہیں مالدار سمجھے ہوئے ہیں، سوال نہ کرنے کی وجہ سے اور لوگوں سے بے پرواہ ہونے کی وجہ سے، تم انہیں ان کی صورت سے پیچان لو گے، ان کے چہرے زرد ہیں اور ان کی پیشائیوں کا نور اور ان کی شخصیت کا رعب ہونے کی وجہ سے کہ یہ اہل اللہ میں سے ہیں اور عرفانی ہیں، ان کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں پیچانا تا، وہ لوگوں سے گڑگڑا کر، پٹ کر نہیں تائگتے، گڑگڑانا کیا ہے؟ اس سے مراد ہے لوگوں سے سوال کی مکمل طور پر لفظی کرنا۔ سورۃ البقرۃ (۲۷۳)

حضرت شیخ اکبر نے فرمایا کہ فقراء اہل اللہ کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا کی راہ میں مجاهد ہ کرتے ہیں۔ اور اپنے شوق و احوال کی وجہ سے تجارت اور کسب معاش کے لئے سفر نہیں کرتے۔ اور یادِ الہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ان کی عفت اور استغفار کے باعث نادان لوگ ان کو غنی سمجھتے ہیں۔ اور چہرے کی زردی اور پیشائی کے نور و ہمیت سے وہ پیچانے جاتے ہیں۔ ہمیشہ یہی فقیر اہل اللہ ہیں۔ اور یہ قطعاً سوال نہیں کرتے۔

حضرت شیخ اکبر کی اس تفسیر سے بخوبی واضح ہو گیا کہ فقراء اہل اللہ کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ شدتِ ریاضت ان کو کسب و تجارت سے باز رکھتی ہے اور وہ قطعاً سوال نہیں کرتے۔ اور یہی ہمارے سرکار عالم پناہ کے ارشادات کا ماحصل ہے۔ کہ دنیا کے وابستے کوئی پیشہ نہ کرو۔ ورنہ کسب کی مشغولیت تمہارے اس ذوامی ذکر میں خلل انداز ہو گی۔ جس کی تم کو بتا کید ہدایت کی گئی ہے۔ کہ کوئی سانس خالی نہ جاسکے۔ اور خالق عالم کی جب کہ یہ صفت ہے کہ ”وَاللَّهُ الْمُسْتَعْنَ“ (اور اللہ ہی مددگار

ہے۔ سورۃ یوسف: ۱۸) تو پھر مغلوق کی امداد و استعانت کی حاجت نہیں۔ قصد یق کے ساتھ اپنے جملہ معاملات کا رساز حقیقی کے سپرد کر دو۔ وہ بندہ نواز تمہارے گذے ہوئے کاموں کو خود بنادے گا۔ ”وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا“ (اور اللہ ہی کا رساز کافی ہے۔ سورۃ الاحزاب: ۳)

اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر چند کسب بالذات مذموم نہیں ہے۔ مگر حارج احوال و اوقات ہوتے رک لازمی ہے۔ کیونکہ شاغل کے لئے اطمینان اور جمیعت خاطر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جمیعت خاطر انہیں قانعین اور متکلین کو حاصل ہوتی ہے۔ جن کو کامل یقین ہو کہ ”اَنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمُتَّيْمِنُ۔“ (بے شک اللہ ہی ہر ایک کا روزی رسان ہے، بڑی قوت والا ہے، زبردست مضبوط ہے۔ سورۃ اللہ ریت: ۵۸) یعنی اپنی قوت سے ہم کو رزق پہنچتا ہے۔ اور اسی یقین کے پختہ کرنے کے لئے ہمارے حضور نے اپنے فقیروں کو ہدایت فرمائی ہے اور متواتر ارشاد ہوا ہے۔ ”فَقِيرَ اِسِیْ پِرْ قَاعِتَ کرَےْ جو بے طلب غیب سے اس کو پہنچے۔“ اور اکثر یہ فرمایا کہ ”کہیں رہو خدا رزق ضرور پہنچائے گا۔ کیونکہ اس نے وعدہ کیا ہے۔“ یہ فرمان وارثی آیہ ”وَمَا مِنْ دَآبَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔“ (اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمہ) کرم) پر ہے۔ سورۃ حود: ۶) کا ترجمہ ارشاد ہوا ہے ”فَقِيرَ وَهُبَّ جَوَّلَ کے لئے نہ رکھے۔“ حضور کے اس حکم میں کامل ثبات واستقامت کی ہدایت ہے۔ کہ فقیر کو اپنے رزق رسان کی قوت کاملہ کا ایسا یقین ہو کہ قلب مطمئن اور مستغفی رہے اور حرص دیر و زہ سے جو صریح توکل کے خلاف ہے احتراز کرے بلکہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے تو یہ

فرمایا ہے کہ حرص دیروزہ ایسی بے ادبی اور مذموم خصلت ہے جو متکلین کو عطیات الہی سے محروم کر دیتی ہے جس کی تجسسی میں عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کا ذکر کیا ہے۔ کہ غیب سے خوان نعمت آیا تو انہوں نے قناعت نہ کی۔ اور اس میں سے دوسرے دن کے لئے بھی رکھ چھوڑا اس بے ادبی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عنایت رب العزت سے محروم ہو گئے۔ اور وہ دعوت غیری ہمیشہ کے لئے موقوف ہو گئی چنانچہ اپنی مشنوی کے دفتر اول توفیق ادب کے سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں۔

باز عیسیٰ چون شفاقت کر دحق	خوان فرستاد و نیمت بر طبق
مانکہ از آسمان شد عائدہ	چونکہ گفت انزل علينا مائدہ
باز گستاخان ادب بگراشتند	چون گدایان زلبا بر داشتند
کرد عیسیٰ لا به ایشان را کہ این	دانست و کم نگرد داز زمین
بدگمانی کردن و حرص آوری	کفر پاشدزاد خوان مہتری
زان گدار دیان نادیده ز آر	آن در رحمت بر ایشان شد فرار
نان و خوان از آسمان شد منقطع	بعد ازان زان خوان نشد کس منفع

(پھر حضرت عیسیٰ نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے خوان بھیجا اور خوان میں مال رکھا۔

مانکہ آسمان کی طرف سے آتا کیونکہ حضرت عیسیٰ نے نزول مانکہ کیلئے دعا کی تھی۔

لیکن پھر گستاخوں نے ادب چھوڑ دیا۔ مانگنے والوں کی طرح اپنے دلوں کو اٹھا لیا۔

حضرت عیسیٰ نے ان کو کہا کہ ایسا نہ کرو۔ یہ ہمیشہ آئے گا اور یہ زمین سے کم نہیں ہو گا۔

لیکن انہوں نے بدگمانی کی اور لامجہ کیا۔ اس عقیم خوان نعمت سے کفر کیا۔ لامجہ کی وجہ

سے انہوں نے دینے والے کی طرف نہ دیکھا وہ رحمت کا دروازہ ان پر بند ہو گیا۔ دستر

خوان آسمان کی طرف سے بند ہو گیا۔ بعد ازاں اس دسترخوان سے کسی نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔)

اور جب اللہ جل جلالہ کے وعدہ رزق رسانی پر کافی بھروسہ ہو جاتا ہے تو پھر فقیر مطمئن اور تلاش معاش اور کسب و اسباب کے فکر و اندیشہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ فقیر تصدیق کے بعد مستغفی ہو جاتا ہے۔ اسی مضمون کو اس طرح بھی فرمایا ہے کہ ”اہل تصدیق کسب نہیں کرتے“، اور اکثر حضور نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ”جو خدا کو پہچانتے ہیں وہ بندوں کی پرواہ نہیں کرتے“، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”تصدیق ہی ایمان ہے جس کو تصدیق نہیں اس کا ایمان کمزور ہے۔“ اور جناب حضور نے اکثر اپنے غلاموں سے یہ بھی فرمایا کہ ”کسب پر بھروسہ رہے گا تو تصدیق ہونا محال ہے۔“ اس ارشاد کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے وعدہ پر اطمینان نہ ہونا قطعی ایمان کے خلاف ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ رزاق العباد نے ہمارے اطمینان کے واسطے اپنے وعدہ رزق رسانی پر قسم بھی کھائی ہے اور جوش رحمت میں ارشاد فرمایا ہے ”وَفِي السَّمَااءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تَوْعِدُونَ ○ فَوَرَبَ السَّمَااءِ وَالْأَرْضَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِثْلُ مَا إِنْكُمْ تَنْظَقُونَ ○“ (اور آسمان میں تمہارا رزق (بھی) ہے اور وہ (سب کچھ بھی) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ پس آسمان اور زمین کے مالک کی قسم یہ (ہمارا وعدہ) اسی طرح یقینی ہے جس طرح تمہارا بولنا۔ سورۃ اللہ ریاست: ۲۲-۳۲)

چنانچہ اس آیہ کریمہ کے تحت میں امام غزالی علیہ الرحمۃ منہاج العابدین کے عقبہ چہارم میں تاج العارفین حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کا قول نقل فرماتے

بیں "حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ گفتہ سنت کے لعنت خدائے بر قوے کے پروردگار ایشان بر سانیدن رزق سو گند خورده وایشان استوارش ندارند۔" (حضرت حسن بصریؑ نے کہا کہ اللہ کی لعنت ہواں قوم پر کہ پروردگار نے انہیں رزق پہنچانے کی قسم اٹھائی اور انہوں نے اس قسم پر یقین نہیں کیا۔)

الغرض جناب حضرت نے اپنے تہبند پوش غلاموں کو جس طرح ترک سوال کی متواتر تاکید فرمائی اسی طرح ترک کب کی بھی قطعی ہدایت ہوئی۔ اور مختلف عنوان سے سمجھا دیا کہ اسباب و کسب کو رزق کا وسیلہ نہ ہنا۔ اور نہ غیر اللہ کی اعانت و امداد پر بھروسہ کرو اور بکمال صدق اس کا یقین کرو کہ رزاق مطلق رزق مقوم کا ضامن ہے اور وہ وقت پر تم کو ضرور پہنچے گا۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ

بیں تو کل کن ملزان پادوست

رزق تو بر تو ز تو عاشق ترست

(خبردار! تو کل کراپنے ہاتھ پاؤں نہ مار۔ تیرا رزق تجھ سے ہڑھ کر تیرا عاشق ہے۔)

اور ایک صاحب نے اسی مضمون کو یوں نظم فرمایا ہے۔

بے مگس ہرگز نماند عنکبوت

رزق راروزی رسائی پر میدهد

(عنکبوت بغیر مکھی کے ہرگز نہیں رہتا۔ رزاق وقت پر رزق پہنچاتا ہے۔)

چنانچہ مشرب فخرائے وارثی میں باعتبار دیگر قیود و شرائط کے ترک کب مقدم اور لازمی قرار پایا ہے بلکہ ممکن ہے کہ کسی دوسری شرط کی قیل سے کوئی فقر متنی بھی ہوا ہو۔ لیکن مسلم طور پر یہ قطعی اور حکم عام ہے۔ اور حضور نے اس کی ہدایت متواتر

فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ ہدایت کے ساتھ عنایت وارثی نے اپنے فیضان باطنی سے قناعت گزار گروہ فقرا کو مستفیض بھی کیا۔ اور یہ توفیق مرحمت ہوئی کہ عموماً تہبند پوش غلاموں نے اس ریاضت کے آلام و شدائد خاموشی کے ساتھ برداشت کئے۔ اور تقسیم رازق العباد کو قبول کیا۔ اور بکمال صبر و استقامت کا رساز حقیقی کے بھروسہ پر سوال عن الناس اور تمدن ایر معاش سے محترز رہے اور دامن قناعت کو کسب و اسباب کے بدنمادغ سے محفوظ رکھا۔ بلکہ بعض درویش تو اہل دنیا کی ہمسایگی سے کنارہ کش ہو کر ویران پہاڑوں اور سنسان جنگلوں میں مقیم ہوئے اور اپنی بودوباش اور ضرورت معاش کو اس قدر سادہ اور محدود کیا جس کا تحمل فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ کہ جنگل کے خود و نباتات کو اپنی غذا کے لئے مخصوص کر لیا جس کا ذکر انشاء اللہ ریاضت و مجاہدت کے بیان میں بتصریح نکارش کروں گا۔

قنعنین فقراۓ وارثی کا یہ ضبط و استقلال دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور یہ حیرت بجائے خود بے جا بھی نہیں۔ کیونکہ ایسی اہم ریاضت میں ایسا استقلال ضرور ناممکن اور محال ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فقرا کی ہرگز یہ طاقت نہ تھی کہ قناعت کے دشوار گزار راستے میں مردانہ و ارزندگی بسر کرتے اور احاطہ توکل سے باہر قدم نہ دھرتے۔ اس نے کہ وادیٰ فقر میں عقبہ قناعت کے مصائب اور شدائد ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ مگر یہ زرین کامیابی ان کو پیشوائے برحق کی نسبت کامل کی بدولت نصیب ہوئی۔ کیونکہ حضور کا مشرب حقیقی عشق ہے۔ جس کو آپ نے متواتر فرمایا ہے کہ ”ہماری منزل عشق ہے“۔ اور اسی طرح یہ بھی متواتر فرمایا ہے کہ ”ہماری تسلیم و رضا کی منزل ہے جو خاص اہل بیت کے گھر کی چیز ہے“۔ بظاہر یہ دونوں ارشاد مختلف

امعنی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت مترادف ہیں۔ چنانچہ ارباب محققین نے فرمایا ہے کہ رضا عشق کا خیمہ ہے اور قناعت رضا کا مقدمہ ہے۔ جیسا کہ صاحب عوارف المعارف نے لکھا ہے۔ ”قناعت مقدمہ رضا است۔ ہر کہ قانع شد مستعد نزول حال رضا گشت۔“ (قناعت رضا کا پیش خیمہ ہے۔ جو کوئی قانع ہو گیا تو رضا کا حال نازل ہونے کیلئے تیار ہو جائے۔) اور ابو سلیمان درانی علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ ”القناعت من الرضا کما ان الودع من الزهد۔“ (قناعت رضا سے ہے جس طرح ترک زہد سے ہے۔) لہذا مسلمہ ہے کہ حضور کی ذات با برکات قناعت کامل کے صفات جلیلہ سے بدرجہ اتم موصوف تھی۔ اور فقراء تہبند پوش کا اس احتیاط اور استقلال کے ساتھ قناعت گزیں ہونا۔ اس کی عین دلیل ہے کہ جناب حضرت کے مشرب عشق صادق اور مرتبہ رضا و تسلیم کا پرتو تھا۔ اور آپ کی قناعت کامل کا خاص کر شمہ تھا کہ اپنے غلاموں کو ایسا قانع بنادیا۔ ورنہ ہر ایک تہبند پوش میں صفت قناعت کاظمہ اس خصوصیت سے محال تھا۔ اس لئے میں یہی عرض کروں گا۔

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے

جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا

الغرض فیضان وارثی نے اپنے فقیروں کو ایسا متوكل اور قانع بنایا کہ بالعموم کسب معاش اور سوال عن الناس سے محفوظ رہے۔ گونا قابل برداشت مصائب کا سامنا بھی ہوا لیکن بہ کمال صبر و استقلال ان خیتوں کو گوارا کیا۔ اور نہایت خوبی سے سلف صالحین کی یہ سنت جاریہ ادا کی اور رنج و مصیبت میں زبان حال سے یہی عرض کیا:-

من بکوئے تو خوشم خانہ من ویران کن

من ب بونی تو خوشم نافذ تاتار بگیر

(میں تیری گلی سے خوش ہوں۔ بے شک میرے گھر کو ویران کر دے۔ میں تیری خوبصورتے خوش ہوں۔ بے شک تو مجھ سے مشک تاتار لے لے۔)

لیکن ہدایت دارثی نے بعض فقراء کے واسطے ترک سوال کو اور زیادہ وسیع کیا ہے اور ایسے احکامات صادر فرمائے ہیں جن میں توکل خاص کا ذکر ہے۔ اور وہی مفہوم ہے جو حضرات عاشقین کا حقیقی مشرب تھا۔ مثلاً اکثر حضور نے فرمایا ہے کہ ”مرجائے مگر پاتھ نہ پھیلائے اور خدا سے بھی شکایت نہ کرے۔“ اور کبھی اس مضمون کو اس طرح بھی فرمایا ہے ”اپنی تکلیف کو بیان نہ کرے خدا سب دیکھتا ہے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے ”سات روز کا بھی فاقہ ہو تو نہ زبان پر لائے اور نہ اللہ سے کہے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جس کو تصدیق ہے وہ خدا سے بھی نہیں مانگتا اور سمجھتا ہے کہ جو میری قسم میں ہے وہ ضرور ہوگا۔“ اکثر یہ فرمایا ہے ”فقیر کو چاہئے کہ اللہ سے بھی نہ مانگے کیا وہ نہیں جانتا جو شرگ سے بھی قریب ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”فقیر وہ ہے جو لا طمع ہو۔ بلکہ خدا سے بھی نہ مانگے اور رضا و تسلیم پر قائم رہے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”فقیر خدا کا عاشق ہوتا ہے اور عاشق کو چاہئے کہ وہی کرے جو معشوق کی مرضی ہونے اس سے مانگے نہ انکا کرے اسی کا نام رضا و تسلیم ہے۔“

حضور کے یہ احکامات جو توکل خاص کی تعلیم سے مملو ہیں اور جن میں فقراء تہبند پوش کو ہدایت ہوئی ہے کہ خدا سے بھی انہمار حاجت نہ کرو بظاہر اس ملک کے منافی معلوم ہوتے ہیں جس میں قاضی الحاجات کی بارگاہ میں مناجات کرنا

ممنوع نہیں ہے۔ مگر تھوڑا غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا یہ خیال ناقص ہے۔ حضرات عارفین کے مشرب میں اصولاً! مغائرت نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ان کے اقوال و افعال ان کے درجات کے اعتبار سے گو بظاہر مختلف معلوم ہوں مگر درحقیقت مآل ان کا ایک ہی اور وہی ہوتا ہے جو خدا کو پسندیدہ ہے۔ لہذا یہ مسلک بھی اہل حق کا ہے۔ اور مقبولان الہی نے طلب حاجت کے لئے بارگاہ رب العزت میں ضرور مناجات کی ہے۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ ”رب ارنی انظر الیک۔“ (اے میرے رب مجھ پر نگاہ فرماء، مجھے اپنے جلوہ دکھا۔ سورہ الاعراف: ۱۳۳) اور حضرت سليمان علیہ السلام نے دعا کی ”رب اغفرلی و هب لی ملکا لا ینبغی لاحمد من بعدی انک انت الوهاب ۰“ (اے میرے رب مجھے معاف فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرم اک جو میرے بعد کسی کیلئے مناسب نہ ہو۔ بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔ سورۃ ص: ۳۵)

یہ دعا کرنا ان کی تصدیق کامل اور یقین واثق کے منافی ہرگز نہیں۔ چونکہ انہیا علیہما السلام اپنے زمانہ میں ہادی کل تھے۔ لہذا ان کے اقوال اور افعال بھی وہی ہوتے تھے جو عامۃ الناس کے لئے مفید اور ان کے استعداد کے مطابق ہوں۔ اس لئے ممکن ہے اگر دوسروں کی تعلیم کے واسطے یہ استدعا فرمائی تو کیا عجب ہے۔

اور ارشادات وارثی کا جو مفہوم ہے یہ مسلک حضرات عاشقین بالحمدیں کا ہے۔ جو بے کمال صدق و یقین سمجھتے ہیں کہ ذات حضرت احادیث عز اسمہ علیہم و خیر ہے اور اس قادر مطلق کو جو منظور ہے وہ ضرور ہوگا۔ اور اس کا غیر محدود علم ہمارے مصالح ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ اس لئے قضا و قدر کی مصلحت میں دخل دینے کی ہم کو حاجت نہیں

بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

جام جہاں نماست ضمیر منیر یار
اظہار احتیاج خود آنجاچہ حاجت است
(میرا جام جہاں نما دل مجھے یار کی صورت دکھانے والا ہے۔ اپنی محتاجی کے ذکر کی
یہاں کیا ضرورت ہے۔)

ان کا یقین کامل ان کو مستغفی کر دیتا ہے۔ جیسا کہ صاحب عوارف المعارف
نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جبریل امین سے طلب اعانت کی نسبت فرمایا
کہ ”حسی سوالی علمہ بحالی۔“ (میرا سوال کافی ہے کہ میرے محبوب کو
میرے حال کا علم ہے۔) یہ مرتبہ عاشقان خدا اور فقراء باضفا کا ہے چنانچہ مشہور مقولہ
ہے کہ ”الفقیر لا يحتاج الى الله ولا الى غيره۔“ (فقیر اللہ کے نزد یک محتاج
نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کسی غیر کا محتاج ہوتا ہے۔)

حضرت شیخ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلی علیہ الرحمۃ نے صحائف
السلوك میں ”الفقیر لا يحتاج الى الله“ کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ ”اے دوست
در فقر مقامے است و فقیر در آن مقام یعنی افتخار بہ یعنی کس ندارد۔ زیرا کہ احتیاج صفت
وجود است،“ (اے دوست! فقر میں ایک مقام ہے کہ فقیر اس مقام میں کسی شخص کی
حتاج نہیں رکھتا۔ کیونکہ احتیاج وجود کی صفت ہے۔) اور معدن المعانی میں لکھا ہے کہ
خلق و خالق سے اظہار حاجت نہ کرنا جواہل تقدیم کا مشرب ہے اس کی تصریح
حضرت مخدوم شرف الدین بہاری علیہ الرحمۃ نے یہ فرمائی ہے کہ ”درین معنی آنست از
خلق میخواستند و اظہار جو ع میکنند شکایت دوست با غیر بودے و این جائز نہ وازن ہم

کے نبی خواستند از آن جہت کہ نفس دشمن و نصیب دشمن از دوست خواستن مستحق نیست۔ ”(اس میں یہ معنی ہے کہ اگر مخلوق سے کچھ چاہتے ہیں اور بھوک کا اطمینان کرتے ہیں تو یہ دوست کی شکایت ہے غیر کے ساتھ۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ اللہ سے بھی وہ نہیں مانگتے۔ اس وجہ سے کہ دشمن نفس کی نصیب کی خرابی کی دوست کو شکایت درست نہیں ہے۔)

اللہنا فقیر جب توحید حقیقی سے آگاہ ہوتا ہے تو بہ جہت جمیعت خاطر اس کو طلب اعانت کی حاجت نہیں رہتی۔ چنانچہ مکتوبات حضرت محمد مخدوم عجیب منیری علیہ الرحمۃ کے مکتوب شصت و نیم میں ہیں کہ ”یکی از بزرگان گفتہ است کہ فقیر کے است کہ اور ابرخدا و ند حاجت نہ باشد۔ یعنی کہ اصدق و یقین کہ دارد۔ میداند کہ روزی اور اگرچہ خواهد حق تعالیٰ بدوسانند۔“ (بزرگوں میں سے ایک نے کہا ہے کہ فقیر وہ آدمی ہے کہ اس کو خدا سے بھی حاجت نہ ہو۔ صدق اور یقین جو وہ رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگرچہ وہ نہ بھی چاہے تو اللہ اسے پہنچا دیتا ہے۔) اور امام شعرانی نے طبقۃ الکبریٰ میں حضرت مظفر القریبی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ”الفقیر ہو الذی لا یکون لہ الی اللہ حاجۃ۔“ کہ فقیر وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی حاجت نہ ہو۔ اور یہی مضمون ہمارے حضور کے ارشادات مذکورہ کا ہے۔

چونکہ مقام توکل بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اور قناعت میں حضرات صوفیہ کرام کی حالت ان کے درجات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے اس لئے بعض اہل معرفت بمحققہائے عبدیت اپنی حاجت حضرت احادیث میں عرض کرتے اور حق تعالیٰ جل شانہ کی کفالت چاہتے ہیں۔ جو بجائے خود بالکل درست اور مستحسن ہے۔

اور بعض اہل تصدیق جن کی قوت اختیاریہ قضا و قدر کاملہ کے آگے فنا ہو جاتی ہے وہ نور توحید مطلق کے سامنے ایسے محو اور مستغرق رہتے ہیں کہ ان کو دوئی نظر نہیں آتی۔ اور جملہ معاملات میں ”رضائی مولیٰ از ہمہ اولیٰ“، ان کا نصب اصلیں ہوتا ہے۔ اور وہ موحدین ”لا یحتاج الی اللہ“ کے مصدق ہوتے ہیں۔

لیکن اقوال حضرات صوفیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقیر کو یہ مقام اس وقت نصیب ہوتا ہے جب وہ اپنے شہود وجود کی شہود حضرت واجب الوجود میں فنا کر کے اپنی ہستی کی فنا کے علم کو بھی فنا کرتا ہے۔ اور اس کو فنا الفنا کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے جس کو اصطلاح صوفیہ میں بقا و فنا یہ کامل بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صاحب صحائف السلوك نے لکھا ہے۔ ”چون اینجا فقیر از وجود بیرون سچ اختیاب جش نماند۔ فقرش تمام شد۔ الفقر ہواللہ درست آید۔“ (جب اس جگہ فقیر اپنے وجود سے باہر ہو جاتا ہے، اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے تو اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کا فقر تمام ہو گیا۔ فقیر اللہ کے ساتھ ہے۔ یہ بات درست ہے۔)

حضرت عارفین کے اقوال سے جب مسلم طور پر ظاہر ہو گیا کہ صاحب فنا یہ کامل ”لا یحتاج الی اللہ ولا الی غیرہ“ کا مصدق ہوتا ہے۔ تو شاید جناب حضرت کے مذکورہ بالا ارشادات کا خطاب بطور تعمیم نہ ہو گا۔ بلکہ یا تو حضور نے فقرا سے مخاطب ہو کر اپنے عین ملک کے قیود بیان فرمائے ہیں۔ کیونکہ ہمارے وارث پاک کے استغنا یہ کامل کا چارواں گہ عالم میں نقارہ نج رہا ہے۔ اور زمانہ معترف ہے کہ ثبات و استقلال میں بکمال رضا و تسلیم ”لا یحتاج الی اللہ ولا الی غیرہ“ کی حقیقی شان و کھاؤی۔

یا حضور نے بطریق تخصیص یہ احکام صادر فرمائے ہیں۔ اور مخصوص فقراء کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ فقیر وہ ہے جو لامع ہو اور اللہ سے بھی نہ مانگے اس لئے کہ متعدد فقراءے وارثی نے احکام مذکورہ کی تعمیل میں اپنی ہستی کو نیست و تابود کیا۔ جنگل میں زندگی بسر کی۔ غیر آباد پہاڑوں پر ریاضت و مجاہدت میں مشغول رہے اور جانکسل مصائب برداشت کئے۔ مگر حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ یہ لوگ ضرور اس کے مستحق اور اہل ہوں گے۔ کہ پیشوائے برحق نے لا یحتاج الی اللہ کی تعمیل کے داسٹے ان کو منتخب فرمایا ہو گا۔

کیونکہ فقراءے وارثی کی اس جماعت کیشہر میں گوہ لحاظ مشرب جملہ درویش ہم خیال ضرور ہیں۔ لیکن باعتبار یافت واستعداد سب کی حیثیت مساوی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے لازم ہوا کہ سب کی حالت و کیفیت بھی جدا گانہ ہو گی۔ اور اسی مناسبت سے پیشوائے کامل نے اپنے ہر ایک فقیر کو وہی حکم دیا ہو گا جو اس کی حالت کے مقابضی ہو گا۔ مثلاً کسی کو توکل محض کا پابند کیا ہو گا۔ کسی کے قلب کو اطمینان اور توکل کامل کی صلاحیت عطا فرمائی ہو گی۔ اور کسی کو توکل خاص کے لئے مأمور فرمایا ہو گا۔ اور لا یحتاج الی اللہ ولا الی غیرہ کے معنی سمجھا دیئے ہوں گے۔

جس طرح تقسیم خرقہ ارادت میں حضور نے طالبین کی حیثیت واستعداد کی جانب توجہ فرمائی۔ اور ان کی حالت کے لحاظ سے بعنوان مختلف ان کو خرقہ ارادت مرحمت فرمایا ہے جیسا کہ اوپر نگارش کیا۔ لہذا خرقہ جو محسوسات سے ہے جب کہ اس کی تقسیم میں کافی امتیاز پایا جاتا ہے۔ تو تعلیم توکل جس کو مخصوص قلب سے تعلق اور روح سے سروکار ہے۔ ضرور طالب کی یافت واستعداد کے لحاظ سے ہوئی ہو گی اور جو فقراء فنا

ہو کر ہو کے سنان اور خلیل میدان میں پنچھے ہوں گے ان کو حضور نے لایحتاج الی
الله ولا الی غيره کا حکم دیا ہوگا۔

بلکہ اس توکل خاص کے تحت میں بعض ارشادات ایسے بھی ہیں جن میں
حضور نے لوازمات توکل کا بصراحت ذکر کیا ہے۔ اور اپنے فقیروں کو سمجھادیا کہ توکل
کا انحصار اسی پر نہیں ہے کہ سوال عند الناس و عند الله سے احتراز کرو۔ بلکہ دوسروں کے
لئے بھی طلب اعانت مشرب فقر اور مسلک تسلیم و رضا کے منافی ہے۔ چنانچہ آپ نے
متواتر فرمایا ہے کہ۔ ”جو تم سے محبت کرے تم اس سے محبت کرو۔ اور کسی کے واسطے دعا
کرو نہ بدعا“۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔ ”فقیر کو چاہئے رضا و تسلیم پر قائم
رہے۔ گندھ، تعویذ، دعا، بد دعا بھی نہ کرے۔“ اور کاشت حضور نے یہ فرمایا ہے کہ۔ ”دعا
کرنا رضا و تسلیم کے خلاف ہے۔“ اور یہ ارشاد ہوا ہے کہ ”فقیر نہ دوست کے واسطے دعا
کرتا ہے نہ دشمن کے واسطے بد دعا۔ کیونکہ دوست اور دشمن کا پردہ ہے سب انھیں کا فعل
ہے جن کا ہر شے میں جلوہ ہے۔“

یہ ارشادات بالمعنی مخدود اور توکل خاص کی حقیقی تعلیم سے مملو ہیں کہ فقیر کو جس
طرح ذاتی خواہشات و مرادات مشیت ایزدی کے پرداز کرنا لازم ہے اسی طرح
دوست و دشمن کے آرام و آلام کے لئے بھی استدعا کرنا شان فقر کے خلاف ہے۔
اور جس طرح کہ حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام نے اپنے
واسطے دعا کی۔ اور حضرت خلیل اللہ نے مشیت رب العزت پر بھروسہ کیا۔ اسی طرح
اس کی بھی مثالیں مختلف ہیں کہ مقررین بارگاہ احمدیت کا ایک گروہ دوسروں کے واسطے
دعا یا بد دعا بھی کرتا ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی نافرمان امت کے حق میں

جناب باری جل جلالہ سے عرض کیا کہ ”رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا“ (اے میرے رب نہ چھوڑ زمین پر کافروں کا کوئی شہر۔ سورۃ نوح: ۲۶) اور ایک مخصوص گروہ اہل اللہ کا ایسا بھی ہے جس کے مسلک میں دعا یا بدعا کرنا منوع ہے چنانچہ حضرت مولا ناروم علیہ الرحمۃ نے اپنی مشتوی میں لکھا ہے کہ وہ اہل تکمیل جو ہمیشہ میدانِ رضا و تسلیم میں شاہدِ حقیقی کے سامنے سرگوں رہتے ہیں وہ استدعا دفع قضا میں نہیں فرماتے وہو ہذا

قوم دیگر می شاسم زاویا
کہ زبان شان بستہ باشداز دعا
از رضا کہ بہت رام آن کرام
جستن دفع قضاشان شد حرام
در قضا ذوقے ہمی بینند خاص
کفرشان آید طلب کردن خلاص
ہرچہ می آید بروں از مک غیب
خاص خود دانند آن بیٹک و ریب

(اویائے کرام میں سے میں ایک ایسی قوم کو بھی جانتا ہوں کہ ان کی زبان دعا کرنے سے بھی رک گئی ہے۔ یعنی وہ اللہ سے دعا بھی نہیں کرتے۔ وہ عزت والے اویائے کاملین جن کو اللہ کی رضا سے سکون ہے۔ اللہ کے پوشیدہ فیصلے کو دور کرنا ان کیلئے حرام ہے۔ قضا میں بھی وہ ایک خاص اطف محسوس کرتے ہیں۔ اور اس قضا سے چھکارہ حاصل کرنا ان کیلئے کفر ہے۔ جو کچھ غیب سے واقع ہوتا ہے۔ وہ حکم اپنے لئے خاص

سمجھتے ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کرتے۔)

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے اس قول سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ عارفین بالتمکین کا ایک گروہ استدعا اور اظہار تمتنہ نہیں فرماتا۔ اور یہی مضمون ہمارے سرکار عالم پناہ کے اس ملفوظ کا ہے کہ ”فقیر کو چاہئے کہ رضا و تسلیم پر قائم رہے اور گند، تعویذ، دعا، بد دعا کبھی نہ کرے۔“ کیونکہ گند، تعویذ بھی تو کل خاص کے منافی ہے۔ اس لئے کہ مشیت قضا و قدر کے خلاف چارہ جوئی کرنا ہے۔ حالانکہ بعض سلف صالحین نے رفاه خلق کے لئے نقش لکھے ہیں۔ اور اکثر بزرگان دین نے اس کو مستحسن بھی فرمایا ہے۔ لیکن جس طرح دعا کرنا بے لحاظ حوال و مقام محدود بھی ہے اور منوع بھی اسی طرح گند اور تعویذ ہے کہ وہ اہل اللہ جن کی حالت اس کی مقتضی تھی کہ رفاه خلق کا خیال فرماتے انہوں نے اسماء باری تعالیٰ کی تاثیرات سے دوسروں کو فائدہ بھی پہنچایا۔ اور جنہوں نے رضائے ایزدی کے آگے سرتسلیم خم کیا انہوں نے گندے تعویذ سے بھی ہمیشہ احتراز فرمایا۔

چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم باب توحید و توکل میں لکھا ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے تعویذ کرایا یا داغ دیا۔ اس نے تو کل نہیں کیا۔ پھر امام موصوف نے ایک حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ہر چند ایسا تعویذ جو آیات قرآنی سے لکھا جائے وہ جائز ہے۔ مگر توکل کی شان یہ ہے کہ اسباب ماسوی اللہ کا خیال بھی نہ آئے۔

غرض توکل با مفترکا خاص زینہ ہے جو سالک کو با ملی مع اللہ تک پہنچاتا ہے۔ کیونکہ توکل کی اصل توحید جناب باری کی تصدیق ہے۔ اور حضرت احادیث جل

جلالہ کی وحدانیت کی صدقیق کامل ہی کا نام فقر ہے جس کو عشق بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ توکل نفس کا مجاہد ہے کہ جملہ خواہشات و مرادات مالک حقیقی کی رضا و مشیت پر موقوف ہوں۔ اور تعلقات ماسوی اللہ سے انقطاع کامل ہو جو بغیر محبت صادق حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا عارفین نے طالب صادق کے لئے توکل کی تعلیم کو مقدم فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے اپنے تہبند پوش فقراء کو اس ریاضت شاقہ کی ہدایت فرمائی۔ اور شفقت وارثی نے بکمال صراحت سمجھا دیا کہ سوال نہ کرنا، سبب و اسباب کو ذریعہ معاش نہ بنانا۔ رضا و تسلیم پر قائم رہو۔ کسی کے واسطے دعا و بدعا نہ کرو۔

بلکہ جناب حضرت نے سمجھیل مدارج زہد کی تصریح میں قناعت کے ان فروعات کی بھی تفصیل فرمائی جو بظاہر بہت معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت نہایت مفید اور ضروری ہیں اور بغیر ان کے زادہ دین کا دستور اعمال مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور نے اپنے متوكل ارادت مندوں کو سمجھا دیا کہ تعلقات کے انقطاع کے واسطے لازمی ہے کہ ضروریات روزمرہ کو بھی محدود اور مختصر کرو جس طرح اہل دنیا کے مکلف بس کو چھوڑ کر سادہ اور آزاد نہ بس تم نے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح طرزِ معاشرت بھی تمہارا اغذیاء کے طرزِ معاشرت سے بالکل جدا گانہ اور تکلفات سے مura

ہو۔

چنانچہ فقر اسے خاطب ہو کہ اکثر بھلا اور اکثر بصراحت ارشاد فرمایا کہ "مخت پنگ، مونڈ ہے، کری پرنہ بیٹھنا۔" اور اکثر یہ فرمایا ہے کہ "انسان کا غیر خاک سے ہوا ہے۔ اور خاک ہی میں اسکو ملنا ہے۔ تو فقیر کو چاہئے کہ انجام کو دیکھے اور زمین ہی کو اپنا بستر بنائے۔" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "مونڈ ہے کری پر بیٹھنے سے رعنوت آتی ہے جو فقیر

کے واسطے زہر ہے۔" اور اکثر یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "فقیر ہمیشہ زمین پر سوتے ہیں۔" اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "زمین پر بیٹھنا خاکساری کی دلیل ہے۔" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "جن کا ذکر کروائی ہوتا ہے وہ زمین پر سوتے ہیں۔" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "زمین پر سونا اور زمین پر بیٹھنا ہمارے دادا کی سنت ہے۔"

طالب راہ فقر کے لئے ہدایات مذکورہ کی تعمیل ضروری ہے۔ و نیز لوازمات توکل کی تعمیل بھی اسی پر مختص معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ زمین پر سونا اور بیٹھنا میں آزادی ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ سامانِ تکلف اور اسے اب راحت کا انتظام تفریغ خاطر کے صرخے منافی ہے۔ فقیر کی جمعیت خاطر اسی وقت ہوتی ہے۔ جب تعلقات سے آزاد ہو۔ اس واسطے ہادی برحق نے اصول فقر کے مطابق اپنے تہبند پوشوں کو معاشرت کا طریقہ بھی بتا دیا۔ تا کہ حصول مراد میں ان کو آسانی ہو۔ اور تکلفات کے خراب اثر سے محفوظ رہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی یہ ہدایت کہ زمین کو اپنا فرش بناؤ متولیین اہل ارادت کے لئے کس قدر مفید ہے۔ اور علاوہ باطنی مفاد کے ظاہری نتائج بھی اس کے بہترین خوبیوں سے مملو ہیں۔ اس لئے کہ اول تو اس طرزِ معاشرت میں اسے آرائش و آسائیش سے منافرت کا حکم ہے جو زاہد کے لئے لازمی ہے۔ کیونکہ فقیر کو دنیاوی تعلقات سے ہمیشہ تکلیف ہوتی ہے بلکہ زہد کامل کا شیخ، آخری تو یہ ہے کہ طلب راہ مطلوب میں زاہد پنختہ خیال اسے آرائش و آرام سے رنجور۔ اور صدمات بجز یار سے مسرور ہوتا ہے۔ بقول

گرد گیران بعيش و طرب خرم اندوشاد

مارا غم نگار بود مایہ سرور
 (اگر دوسرے لوگ زندگی کے عیش و عشرت کے لحاظ سے خوش و خرم ہیں تو ہمارے لئے
 بھی محبوب کا غم خوشی کا سرمایہ ہے۔)

دوم یہ کہ اس طریق معاشرت سے خصائص ذمہ دینی رعونت و نخوت، کبر و
 غرور کا سدھا ب ہوتا ہے۔ سوم طبیعت ایثار و انگساری کی عادی ہوتی ہے۔ جس کی
 طالب راہ فقر کو خاص ضرورت ہے۔ چہارم حضرات صوفیہ نے بالحاظ ادب ذکر الہی
 کے واسطے زمین ہی کی نشست کو اختیار فرمایا ہے۔ اس وجہ سے بھی فقرائے وارثی کا
 بستر زمین پر ہونا چاہئے کیونکہ حضور نے متواتر اور بتا کید فرمایا ہے کہ ”فقیر وہ ہے جس
 کی کوئی سانس خالی نہ جائے۔“ اگر توفیق الہی سے یہ حالت نصیب ہے تو ذکر خداوندی
 کا آداب مقتضی ہے کہ ہمیشہ زمین پر بستر ہو۔ چشم علاوہ دیگر مقاد کے زمین پر سونا اور
 بیٹھنا فقرائے وارثی کے فخر و مبارکات کے واسطے بھی کافی ہے۔ کیونکہ ہمارے مبدہ فیض
 اور منبع فقر کی خاص سنت ہے شاید اسی وجہ سے مصلحت وارثی نے اپنے تہبند پوش
 غلاموں کے جن میں تخت، پنگ موٹھے اور کرسی کی نشست کو ممنوع گردانا۔ تا کہ زمرہ
 مقلدین مرتضوی و قبیعین مصطفوی میں یہ داخل ہوں۔

بلکہ خود جناب حضرت نے اپنے جدا مجدد کی اس سنت خاص کو بکمال اہتمام
 ادا کیا اور ہمیشہ زمین کا فرش پسند فرمایا۔ اور تخت، پنگ وغیرہ سے اس درجہ نفرت تھی کہ
 دیکھنا بھی ناگوار خاطر ہوتا تھا۔ چنانچہ ارادت مندان وارثی کا دستور تھا کہ جب سرکار
 عالم پناہ کو اپنے گھر میں لے جاتے تھے تو اس کا بھی اہتمام ضرور کرتے تھے کہ تخت
 پنگ وغیرہ پیش نظر نہ ہوں۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جس گھر میں حضور نے پنگ

دیکھا تو منفعت ہو کر فوراً واپس آئے۔

لہذا تخت پنگ وغیرہ کی نشت جتاب والا نے قطعی ممنوع و متروک گردانی۔ اور زمین پر سونا اور بیٹھنا فقراء کے ملک میں داخل فرمایا اور مرشد برحق کی اس تاکیدی ہدایت کی تعمیل جملہ فقراء وارثی نے بھی کی۔ اور بیٹھ کے لئے زمین کا فرش اختیار کیا۔ بلکہ حالت بجوری میں بھی ان کے اس خیال میں کامل استقلال رہاتی کہ اپنے احباب سے اگر فقراء نے آخری وصیت کی ہے تو یہی کی ہے کہ ہماری لاش کو پنگ پر نہ لے جانا۔

بلکہ ایک تہبند پوش نے میلادِ خوانی کے وقت چوکی پر بیٹھنے کی اجازت چاہی تھی۔ جس کو حضور نے ناپسند فرمایا۔ اور ارشاد ہوا کہ جائے نماز یا ممتاز فرش طاہر پر بیٹھ کر پڑھا کرو۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضور نے تحفظ ملک میں کامل اہتمام فرمایا کہ ایک تہبند پوش کو وہ بھی خاص وقت کے لئے اس کی اجازت نہیں دی کہ چوکی پر بیٹھا کرو۔

اور اگر کسی تہبند پوش سے اس فرمان وارثی کی تعمیل میں لغوش واقع ہوئی تو پیشوائے برحق نے تنیہ و تہدید فرمائی۔ اور عرصہ تک وہ معذوب رہا۔ اور اس کے معاصرین فقراء نے بھی اس کے ارتدا کو منافی ملک تصور کیا۔ اور اس کو تحقیر کی نظر سے اس لئے دیکھا کہ اس نے ہدایت وارثی کی نافرمانی کے ساتھ حضور اقدس کی تقلید سے بھی روگردانی کی اور وہ متروکات جن کا دیکھنا بھی جتاب حضرت کو ناپسند ہوا ان کو تہبند پوش ہو کر استعمال کیا اور خرق وارثی کے ساتھ بے ادبی کی۔

ان تمام وجہات سے فرمان وارثی کی تعمیم ظاہر ہو گئی۔ اور معلوم ہو گیا کہ

تحت پنگ موئذہ ہے کری وغیرہ کی نشت مسلک فقراء میں قطعی منوع ہے۔ اور اس حکم کی تعلیل کے لئے جملہ تہبند پوش بغیر کسی فرق و امتیاز کے مکلف اور مامور ہیں اور شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ سرکار عالم پناہ نے مخصوص طور پر مجھ سے یہ خطاب نہیں فرمایا ہے کہ تحت، پنگ، موئذہ ہے، کری پر نہ بیٹھو۔ تو یہ خیال اس وجہ سے درست نہ ہو گا کہ فقراءے دارثی کا جب دستور اعمال یہی ہے۔ تو جملہ تہبند پوشوں کی ایک حیثیت ہے اور اس حکم کی تعلیل سب کو یکساں لازم ہو گی۔

علاوه اس کے پیشوائے برحق کی عادات کو دیکھنا چاہئے کہ نشت و برخاست، ملفوقات و ملبوسات، مطعومات و مشرب و بات میں حضور اقدس نے کیا اختیار کیا اور کس سے احتراز فرمایا پس جس چیز کو ہادی کامل نے منظور اور پسند کیا ہو۔ وہ تبعین کے واسطے جائز ہے اور جس چیز سے احتراز فرمایا ہو وہ تبعین کے لئے بھی منوع ہو گی۔ اور جب کہ حکم قطعی موجود ہو تو بجز تسلیم کرنے کے چارہ نہیں۔ بلکہ حضرات صوفیہ کرام نے مرید صادق کے لئے پیر طریقت کے ارشادات کی تعلیل کو اس تاکید کے ساتھ واجب گردانا ہے کہ ہر چند کسی ارشاد کا مفہوم اگر تمہارے نصب الحین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو گر مقتضیاً اطاعت یہی ہے کہ اس حکم کی بھی تعلیل کے لئے ہم تاں اور بصدق و یقین آمادہ ہو جاؤ بقول حافظ شیرازی:-

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

(اگر تھے پیر مغاں کہے تو شراب سے اپنے مصلے کو رنگیں کر دے۔ کیونکہ اللہ کے

راستے پر چلنے والا سالک اپنی منزل کے راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔)

ممکن ہے کہ ایسے احکام کی تعمیل میں شاید اہل طواہر کو پس ہو لیکن ہمارے سلف صالحین نے ابتداء خاص کی تعریف میں یہی فرمایا ہے کہ مرید کو بکمال خلوص پیر طریقت کی اطاعت میں ایسا غلو ہو کہ معلومات و محتولات کے جملہ وسائل و دلائل پیر کے ہدایات و ارشادات کے رو بروجھا اور فنا ہو جائیں۔ اور یہ غلو کسی صد اور معاوضہ کی غرض سے نہ ہو۔ بلکہ مرشد کو حاکم حقیقی سمجھے اور بہ حیثیت حکوم اس کے جملہ احکام کو فرض عین جانے۔ اور ہدایات کے حسن و عیوب اور ان کی معنویت و مشروعیت کے توجہات و تخلیقات کے تردود و تکدر سے قلب کو محفوظ رکھے۔ کیونکہ درحقیقت اہل ارادت کو پیر طریقت کے حکم میں تحقیق و تدقیق کی حاجت ہی نہیں۔ اس لئے کہ حضرات عارفین اپنے مسٹر شدین کی وہی تعلیم فرماتے ہیں جو زدنے مجبود بالیقین مستحسن و محمود ہوتی ہے چنانچہ مولا ناطیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

اویا اطفال حق اند اے پسر در حضور وغیب آگاہ از خبر

پاسبان آفتاہنڈ اویا در بحر علم اسرار خدا

(اے بڑے! اویائے کامیں اطفال حق ہیں۔ حضوری اور غیابت میں یہ آگاہ ہوتے ہیں۔ اویاء اللہ حفاظت کرنے والے سورج ہیں۔ علم کے سمندر کے اعلیٰ موئی ہیں۔)

اور حضرات محققین نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ جس طرح ارشادات پیشوائے برحق کی تعمیل مرید صادق کے لئے مفید ہے اور ہبہ کامل کے افعال و عادات کی تقلید اگرچہ وہ مخصوص نہ ہوں تو اہل ارادت کو فیضان الہی سے فائز اور مستفیض کرتی ہے۔ اس لئے کہ عارفین کا ارادہ بھی ارادہ اللہ کے سامنے فنا ہو جاتا ہے۔ اور کوئی فعل مراد مصلحت حق کے خلاف نہیں ہوتا۔

چنانچہ امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقۃ الکبریٰ میں فرزند سید محمد و قادر سرہ کا یقین لفظ فرمایا ہے:- ”یقول الفلاح المریدین استاذہ ثلاث علامان ان يحبه بالا يثار و يخلفی منه کل ماسمع منه بالقبول ويكون معه فی شیؤنہ کلها بالموافقة“، یعنی مرید کے کامیاب ہونے کی تین عامتیں ہیں۔ پیر کو سب سے زیادہ دوست رکھے اور پیر جو کچھ کہے اس کو مان لے اور پیر کے کل شیؤن میں ازراہ موافق ت اسی کے ساتھ رہے۔

فرزند سید محمد و قاعیہ الرحمۃ کے اس قول سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ پیر کے اقوال و افعال کی تعمیل و تقلید مرید صادق کی کامیابی کا خاص ذریعہ ہے۔ لیکن صاحب مراءۃ الاسرار نے اس مسئلہ کی اور زیادہ وضاحت فرمائی ہے۔ اور صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ متابعت پیر طریقت حضرات صوفیہ کا یعنی مسلک ہے۔ ہر چند وہ اقوال و افعال بے لحاظ ظاہر خلاف مذاہب ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ آپ ارقام فرماتے ہیں کہ ”سلطان المشائخ شیخ نظام الدین بدایوی و دیگر پیر ان چشت اقدس اللہ اسرار ہم در معاملات اکثر اقتدا بہذب ہب ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ و اشتمد و مکن ہم در اس مذہب ام۔ و لیکن سماع کہ در مذہب او حرام است آزا موافق مشرب پیر ان خود می شنیدند“۔ (سلطان المشائخ شیخ نظام الدین بدایوی اور ہمارے دوسرے پیر ان چشت اکثر معاملات میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کی اقتدا کرتے ہیں۔ اور میں بھی یہی مذہب رکھتا ہوں۔ لیکن سماع کہ جو آپ کے مذہب میں حرام ہے اس کو اپنے پیر ان طریقت کے مشرب کے مطابق سنتے ہیں۔)

صاحب مراءۃ الاسرار نے مخدومان چشت کے صحیح حالات کے حوالے سے سمجھا

دیا کہ پیر ان طریقت کے افعال و عادات کی خلوص و عقیدت کے ساتھ حضرات صوفیہ نظام نے تقلید کی ہے باوجود یہ کہ اس کا علم تھا کہ یہ عادات ہمارے مذہب کے منافی ضرور ہیں۔ لیکن پیر طریقت کی تقلید کو امام شریعت کی متابعت پر ہمیشہ ترجیح دی ہے۔ اسی کے بعد آپ استدلال کے ساتھ لکھتے ہیں کہ پیر طریقت کی تقلید مرید کا خاص مشرب ہے وہو ہذا ”سید اشرف جہانگیر سمنانی کہ بد و واسطہ ارادت و خلافت از سلطان المشائخ دار و جمیع عقائد صوفیہ اور لطفاء اشرفی و مکتوبات خود از فتوحات کی دیگر کتب معتبر این طائفہ اختاب کردہ بطريق واضح فرمودہ کہ تمام مدار افعال و احوال این طائفہ بر متابعت پیر است۔ و بحکم الصوفی لامہ جب لہ ایشان را مذہب و مشرب نہیں باشد الامہ جب و مشرب پیر ان خود کے درکار ایشان بر نصوص بودہ است۔“ (سید اشرف جہانگیر سمنانی کہ جو حضور سلطان الاولیاء سے ارادت اور خلافت رکھتے ہیں۔ اور صوفیاء کے تمام عقائد میں لطفاء اشرفی اور اپنے مکتوبات میں فتوحات اور دیگر معتبر کتابوں سے اختاب کیا ہے۔ اور اس طریق کو واضح طور پر بیان کیا ہے کہ اس طائفہ کے اعمال اور افعال کا دار و مدار پیر کی اتباع پر ہے۔ اور صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس کا اپنا کوئی مذہب نہ ہو۔ سوائے پیر طریقت کے مذہب و مشرب کے۔ اپنے کاموں میں اسی پر عمل کرے۔)

اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عادات پیر ان طریقت کی تقلید اس وجہ سے لازمی ہے کہ محققین اسرار حقيقة امر حق کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے۔ اس لئے ان کے افعال و احوال رموز حقانیت سے مملو ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

شیخ کو بیظر نور اللہ بود از نہایت و زنگست آگہ بود
ہر کہ او خونے ولی حق گرفت نور گشت و تابش مطلق گرفت
(شیخ کے جو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے وہ ابتداء اور انتہا سے آگاہ ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ
کے ولی کی عادت اختیار کر لیتا ہے وہ نور ہو جاتا ہے اور اس نے گویا مکمل روشنی حاصل
کر لی۔)

بلکہ بعض عارفین نے تعمیل احکام سے تقلید افعال و احوال کو مقدم فرمایا ہے۔
چنانچہ صاحب طبقۃ الکبریٰ نے لکھا ہے کہ شیخ احمد بن الحسین رفائی علیہ الرحمۃ جن کا
مشاهیر صوفیہ میں شمار ہوتا ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ 'یقُولُ مَنْ لَمْ يَنْتَفِعْ بِالْفَاعْلَى لَمْ
يَنْتَفِعْ بِالْقَوْلَى'۔ "جس نے میرے افعال سے فائدہ نہ اٹھایا اس نے میرے اقوال
سے فائدہ نہ اٹھایا۔"

علاوہ اس کے تقلید شیخ کی اہمیت روایات شرعیہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔
چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں تقلید شیخ کا اس حدیث سے استدلال
فرمایا ہے کہ "إِذْنَنَّ فِي قَوْمٍ كَلْبَنِي فِي أُمَّةٍ، مُولَانَا عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ بَعْدِي" یہی فرماتے ہیں:-
گفت پیغمبر کہ شیخ وقت خویش چون نبی پاشد میان قوم خویش
قول ان من أمتہ را یاد گیر تا به الا و خلا فیما نذیر
(نبی پاک نے ارشاد فرمایا کہ شیخ اپنے وقت میں اپنی قوم میں نبی کی طرح ہوتا ہے۔
"کوئی ایسی امت نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی ڈر سنانے والا نہ ہو" اس بات کو یاد
کر۔)

بلکہ ہادی برحق کے اقوال و افعال کی تعمیل اور تقلید مرید صادق کی اس لئے

بھی ضرور کرنا ہوتی ہے کہ اس کے خلوص و عقیدت کا حقیقی نام عشق ہے۔ اور عشق کا خاصہ ہے کہ خواہشات عاشق کو مغلوب کرتا ہے اور اثر عشق سے قلب عاشق میں عذرت معموق ایسی جاگزین ہوتی ہے جو اطاعت پر مجبور کرتی ہے لہذا مرید صادق انظر اری میں پیشوائے کامل یعنی اپنے شاہد حقیقی کے احکام و اقوال کی تعمیل و تقلید پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ محققین حضرات صوفیہ کرام نے ارقام فرمایا ہے کہ صفات عشق متعدد ہیں۔ اور جس موقع پر جس صفت کا اظہار ہوتا ہے تو بلحاظ موقع اس کے اصطلاحی نام بھی جدا گانہ ہوتے ہیں۔ اور یہی عشق اس موقع پر اس نام سے پکارا جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن منصور حلیج علیہ الرحمۃ نے اپنی مشنوی میں بکمال صراحت ارشاد فرمایا ہے۔

آن یقین ہست ایمان قوی

ہست ایمان عشق دان اے مولوی

عشق را خود می ش جنبا ندگذر

بر گنگرد و عشق از خوف و خطر

گر پدر راعشق باشد از پسر

شفقش نام اندوہم مهر پدر

شوہرے راعشق چون بازن فاد

ہم محبت نام در عالم نہاد

گر پسر راعشق شد با مادریں

شد سعادت نام آن بے ریب درین

گر مریدے رانہ پیر عشق اوقا
 نام آن گویند نیکو اعتقاد
 گر کے رابا خداشد عشق بان
 نام آن در شرع ایمانش بخوان
 در طریقت نام آن باشد یقین
 کز یقین دار د تعلق کا روئین
 آن یقین در معرفت چون مخود رسید
 عشق میگویند نامش اہل دید

(یہ یقین اور ایمان کامل ہے، اے مولوی یہ عشق کا ایمان ہے۔ اپنے عشق میں وہ متزلزل نہیں ہوتا اور جو بھی تکلیف آئے وہ گذر جاتا ہے۔ عشق کے خوف و خطر کی وجہ سے وہ پچھے مڑ کے نہیں دیکھتا۔ اگر باپ کو بیٹے کا عشق ہو تو باپ سے جو کچھ بیٹے کے حق میں واقع ہو وہ شفقت اور محبت ہے۔ خاوند کو جب اپنی عورت سے عشق ہو جائے تو اس کا نام محبت اس دنیا میں ہے۔ اگر لڑکے کو والدین سے عشق ہو جائے تو اس کا نام بلا شک و شبہ سعادت ہے۔ اگر کسی مرید کو پیر سے عشق ہو جائے تو اس کا نام حسن اعتقاد ہے۔ اگر کسی کو خدا کے ساتھ عشق ہو جائے تو اس کا نام شرع میں ایمان رکھتے ہیں۔ طریقت میں اس کا نام یقین ہے کہ یقین سے دین کے کام کا تعلق ہے۔ وہ یقین جب اپنی معرفت میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا نام اہل دید عشق رکھتے ہیں۔)

حضرت ابن منصور کی اس تفصیل مدارج سے ظاہر ہو گیا کہ یہی عشق جب باپ کی جانب سے ہوتا ہے تو اس کو شفقت اور مہر پدری کہتے ہیں۔ اور اگر بیٹے کی

طرف سے ہو تو اسکا نام سعادت ہو گا اور پیر سے عشق ہو تو اسکو عقیدت کہیں گے۔ اور خدا کے عشق کا نام شریعت میں تو ایمان اور طریقت میں یقین اور معرفت میں عشق ہے۔

غرض احکام پیر کی تعلیل ہو یا افعال پیشوائی کی تقلید درحقیقت مرید صادق سے باقتضائے محبت و قوع پذیر ہوتی ہے جو اس کی ارادت کا میں نتیجہ ہے۔ اور اسی واسطے اس اطاعت کو لازمی گردانا ہے کہ اگر مرید واثق ہے تو ضرور محبت کے جوش میں پیر کا فرمان بروار رہے گا۔ کیونکہ ارادت اور بیعت کا بھی مدار پیر کی محبت پر ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان الشاخ علیہ الرحمۃ کے ماقول موسومہ "فواکد الفواد" میں ارادت مرید کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ "ارادت و بیعت عبارتیست از عشق و محبت پیر" اور اسی وجہ سے مرید عقیدت مند کا میاب اور فائز المرام ضرور ہوتا ہے کہ درحقیقت اس کو پیر سے محبت ہوتی ہے اور محبت کا یہ نتیجہ لازمی ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ بناتا ہے اور بے واسطہ محبت کو محبوب سے ملاتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ "المرء مع من احباب" کہ جو جس سے محبت رکھتا ہے وہ اسی کے ساتھ ہو گا۔

اگر شبہ ہو کہ ایک معمولی اور بد کردار شخص کسی صاحب مراتب علیاً سے محبت کرے گا تو وہ گنہگار اس برگزیدہ خدا کی معیت میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو حضرت خاتم النبیین حبیب رب العالمین ﷺ نے ہم کو اس کی بھی بشارت دی ہے۔ اور سنن ابن داؤد میں متفقہ ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ الرجل يحب القوم ولا يستطيع ان يعمل كعملهم" یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص ایک قوم سے محبت رکھتا ہے۔ مگر ان کے مثل عمل نہیں کر سکتا۔ "قال انت يا ابا

در مع من اجست، "ارشاد ہوا کہ اے ابوذر تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔" قال فانی احب اللہ و رسوله، "ابوذر نے عرض کیا کہ میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔" قال فانک مع من احبت، "رحمت المعلمین ﷺ نے فرمایا کہ اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔" قال فاعادها ابوذر فاعادها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، "چھر گر را ابوذر نے وہی عرض کیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی جواب دیا۔

اس حدیث سے وہ خدشہ بھگی جاتا رہا اور معلوم ہو گیا کہ محبت صادق اونے و اعلیٰ کے فرق و امتیاز کو منادی تی ہے اور انسان کی رسائی جہاں مجال اور ناممکن ہو وہاں اسکی محبت اس کو پہنچادیتی ہے۔ تو ہر چند مرید اپنے پیر کو جملہ افراد عالم میں بہترین فرد جانتا ہے۔ مگر اپنے پیر کا گرویدہ ہو گا تو ضرور ہے کہ معیت پیر اس کو نصیب ہو گی۔ اور محبت پیر کی دلیل صرف مرید کی عقیدت ہے بقول حضرت ابن منصور علیہ الرحمۃ۔

گر مرید مے رابہ پیر عشق اوقاد

نام آن گویند نیکو اعتقاد

(اگر کسی مرید کو پیر سے عشق ہو جائے تو اس کا نام حسن اعتقاد ہے۔)

اور عقیدت کا اظہار اتباع و تقلید سے ہوتا ہے۔ اس نے مرید صادق کو رہنمائے برحق کے احکام کی تعمیل اور پیشوائے کامل کی تقلید لازمی ہے۔ کیونکہ اسی اطاعت سے طالب خدا کا میاب اور فائز المرام ہوتا ہے۔ بقول

بطاعت کوش گر عشق بلا انگیز میخواہی

متاع جمع کن شاید کہ غار تکر شود پیدا

(اطاعت کرنے میں کوشش کر۔ اگر تو بے پناہ عشق چاہتا ہے۔ ساز و سامان اکٹھا کر کے شاید کوئی لوٹنے والا ظاہر ہو ہی جائے۔)

اور تقلید کی بھی صورت ہے کہ جس چیز کا استعمال ہادی برحق نے پسند کیا ہو۔ مرید کے واسطے بھی اس کا استعمال جائز ہے اور جس چیز سے مشرب احتراز کیا ہواں کا استعمال مرید کے لئے قطعی منوع ہے۔

الغرض جب ثابت ہو گیا کہ ہادی راہ طریقت کے اقوال و افعال کی تقیید مستردین کو لازم ہے تو یہ خیال کہ جناب حضرت نے مخصوص طور پر مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تخت، پنگ، موڈھے کری پرنہ پیٹھنا کافی دلیل نہیں۔ بلکہ عذر بارد ہے۔ اور اقتصادے ارادت مندی یہ ہے کہ جس طرح تعییل احکام میں کوشش اور مستعدی کی جائے اسی طرح تقیید افعال میں اگرچہ مخصوص نہ ہوں جدوجہد ضروری ہے اور جبکہ بخوبی معلوم ہے کہ تخت، پنگ وغیرہ کی نشت مشرب وارثی میں متروک ہے تو لازم ہوا کہ پیشوائے برحق کی تقیید میں وارثی خرقہ پوش بھی تخت پنگ وغیرہ سے قطعی متفاہ اور محترز رہیں۔ البتہ وہ فخر اضور اس کیلئے میں نہیں آتے ہیں جن کو مخصوص طور پر کسی شرط کی پابندی سے مستثنی فرمایا ہو۔ ورنہ عموماً یہی کہا جائے گا کہ وہ قیود جن کا درحقیقت مشرب وارثی سے گہر اتعلق ہے۔ خواہ تعییلاً ہو خواہ تقیید اُن کی پابندی ضروری ہے۔

کیونکہ آقا کے حکم کی تعییل غلام کا فرض منصی ہے اور مرید اپنے پیر کا قطعی غلام ہے اسلئے لازم ہوا کہ مرید اطاعت پیر میں ہمہ تن مصروف رہے۔ بلکہ احکام پیر کی کلینا تعییل تو اسی وقت ہو گی جب مرید عقولاً وقلباً پیر کو اپناولی کل اور شاہد کل سمجھے۔ اور ہستی پیر کے سامنے اپنی ہستی کو نیست و نابود کرے۔ اور ”موتوا قبل ان تموتوا“

(مرنے سے پہلے مرجاو۔) کا مصدقہ ہو جائے یہی ایک طریقہ ایسا ہے جو طالب دیدار کو جوار یا رستک پہنچاتا ہے۔ بقول

یک قدم بر جان خود دیگر قدم در کوئے دوست

عاشقان را در جہان بہتر ازین رفتار نیست

(ایک قدم اپنی جان پر اور دوسرا دوست کی گلی میں ہوتا ہے۔ عاشقوں کیلئے اس جہان میں اس سے بڑھ کر کوئی رفتار نہیں۔)

خصوصاً وہ شرائط و قیود جن کی پابندی میں ہر دو مفاد مضر ہوں کہ احکام کی تعمیل بھی اور افعال کی تکلید بھی ان کی بجا آوری تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ چنانچہ اسی قبیل سے مسئلہ تجربید بھی ہے۔ جناب حضرت نے تجربید کی متواتر تاکید بھی فرمائی۔ اور نفس نیس تجربہ کے تمامی مدارج کا تکمیلہ فرمایا کہ اپنے فقرا کے واسطے مثال قائم کر دی۔ چنانچہ بارہا ارشاد فرمایا کہ ”ہم لنگوٹ بند ہیں۔“ اس لحاظ سے غلامان خرقہ پوش کی تجربید میں پیشوائے برحق کی تکلید بھی ہے اور تعمیل اس وجہ سے ہے کہ حضور نے اپنے فقرا اے تجربید کی ہدایت بھی فرمائی ہے۔ مثلاً کبھی فقرا سے مخاطب ہو کر یہ ارشاد ہوا کہ ”فقیر وہ ہے جو انگک رہے۔“ اور فرمایا کہ ”فقیر کو چاہئے کہ جو روپیوں کی محبت میں نہ چکھنے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”زن، زمین، زر میں بھکڑا ہے ان کو چھوڑے تو آزاد ہو۔“ یہ بھی فرمایا ہے ”عورت فساد کا گھر ہے۔“ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”فقیر کو چاہئے کہ دنیا کی عورتوں کو مان بین سمجھے۔“ اور اکثر فرمایا ہے کہ ”ہم نے شادی نہیں کی۔“

ارشادات مذکورہ میں صاف صاف تجربید کی تاکید اور آزادی کی ہدایت ہے

اس نے فقرائے وارثی کا غیر متاح رہنا احکام پیشوائی کی پوری قیمت بھی ہے کہ ہادی برحق نے بخلاف مشرب اپنے خرقہ پوش غلاموں کے واسطے آزاد اور مجردر ہنالازمی گردانا ہے۔ بلکہ یہ شرط تجدید ایسی قطعی اور ضروری ہے کہ فقرائے وارثی کے دستور العمل میں خصوصیت کے ساتھ درج ہوئی، کہ تہبند کے ہمراہ لٹکوٹ بھی ملتا تھا اور بندھوا یا جاتا تھا۔ حق کہ خرقہ وارثی کا تکمیلہ لٹکوٹ پر موقوف ہے۔ جس کی ہمیشہ سختی سے گرانی اور باز پرس ہوتی تھی چنانچہ یہ شرط تجدید غیر معمولی طور پر اس قدر مشہور ہوئی کہ جو شخص حضور کے نام نامی سے واقف ہے وہ جناب حضرت کے تجدید کامل سے بھی خبردار ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ آپ کے فقرائے تہبند پوش آزاد اور غیر متاح ہیں۔

اور درحقیقت یہی ہوا کہ سرکار وارثی سے جس طالب خدا کو تہبند اور لٹکوٹ مرحمت ہوا اس نے تعلقات زن و فرزند ضرور منقطع کئے۔ اور بکمال استقال ہمیشہ مناکحت اور مواعصلت سے احتراز کیا۔ اور تمام عمر مجردو آزاد رہا۔ بلکہ فقرائے وارثی اگر اپنے تجدید پر فخر و مبارکات کریں تو بے جانہ ہو گا۔ کیونکہ پیشوائے کامل کے نصرف سے اس مجاہدہ میں ان کو پورا ثبات نصیب ہوا۔

اور جناب حضرت نے تجدید کے مقام میں جس قدر ارشاد فرمائے ہیں ان سے تجدید کی عجیب شان اور مجرد دین کا مخصوص تقرب ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ تو مسلم ہے کہ تجدید عشق کالازمی نتیجہ ہے۔ اور ایسے ممتاز اور برگزیدہ حضرات نے تجدید اختیار فرمایا ہے جن کے شرف و اختصاص کا زمانہ مفترف ہے۔

لیکن یہ خدشہ کہ مناکحت کی ترغیب روایات شرعیہ میں ہے۔ لہذا اگر تجدید بہتر اور مفید ہوتی تو معلمین شریعت مناکحت کی تاکید نہ فرماتے اور نہ بزرگان دین

متین متاہل ہوتے۔ اس لئے احرار از منا کھت ترک سنت ہے۔ اور یہ جائز نہیں۔ اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ یہ خیال بھی اس وجہ سے بے جان نہیں کہ قانون شریعت میں جواز منا کھت ضرور ہے۔ اور اس کے نفس جواز میں اسلام کے کسی فرقہ کو عذر نہیں۔ کیونکہ عالم اسباب کا قیام زن و مرد کے ازدواج پر موقوف ہے۔ اس کے لئے منا کھت اور موافصلت کی خاص ضرورت تھی۔ اور مقتدر و ممتاز حضرات نے اس کے ظاہری مفاد کے لحاظ سے منا کھت بھی فرمائی۔ اور متاہل بھی ہوئے۔ اس لئے تزویج کو شریعت اسلام کا جزو لا یتفک کہنا چاہئے۔ جس کا جواز ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ لیکن شریعت میں جواز منا کھت ضرور ہے۔ وجوب منا کھت نہیں اس لئے متاہل ہونا جس طرح منوع نہیں۔ اسی طرح مجردر ہنا بھی منوع نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر منا کھت کا حکم قطعی ہوتا تو تجویز اس کی ضد تھی جس کی حمایت کی فقہ اور ارداد کہہ سکتے تھے۔

چونکہ منا کھت سے ترقی نسل بھی مقصود ہے۔ اور منا کھت پر انسان کی صحت بھی موقوف ہے۔ اور منا کھت سے تمدنی اور اقتصادی معاملات بھی درست ہوتے ہیں۔ اور منا کھت سے انسان کی شخصیت کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور منا کھت سے عافیت کا انتظام بھی وابستہ ہے۔ اور منا کھت سے خواہشات کا بھی سد باب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ منا کھت وہ قدیم رواج ہے جس کو انسان کا حقیقی ورثہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا۔ اسی رعایت سے شریعت نے اس کے جواز کا حکم عام دیا۔ اور مشاہیر اہل اسلام کا بھی اس پر عمل در آمد رہا۔

لیکن وہ مخصوص مقبولان الہی جن کو دنیا سے سروکار نہ مفاد دنیا کے خواستگار۔ بلکہ تعلقات دنیا سے دست بردار ہو کر شوق وصال شاہد حقیقی میں اپنی ہستی سے بیزار

ہوئے اور بقول حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ان کی یہ حالت ہوئی کہ
ہر کرا شد بیزداں کاروبار
بار آنجا یافت بیرون شد زکار

(جن کا کاروبار اللہ سے ہوتا ہے وہ ہر قسم کے کاروبار سے فارغ ہو جاتے ہیں۔)

جب دنیا اور اہل دنیا سے تعلق نہ رہا تو منادنیا کی جانب ان کا میلان کیونکر
ہوتا۔ اس نے ان برگزیدہ ہستیوں نے مواصلت اور مناکحت سے احتراز کیا۔ اور
حالت تجربید میں وہ مرداں خدازندگی بسر کرتے رہے۔

اللہا حضرات محققین نے مسئلہ مناکحت میں وہی عمل جوان کی حالت کے
لحاظ سے مناسب اور موزوں تھا۔ کیونکہ بصدقاق۔ ع۔ ”ہر کے را بہر کارے
ساختہ۔“ (ہر کسی کو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی مقصد کیلئے پیدا فرمایا ہے۔) خالق مطلق
نے اس بھگرخانہ عالم میں ہر فرد انسان کو خاص صلاحیت اور استعداد مرحمت فرمائی ہے
اور ہر ایک بندہ اسی خیال میں مصروف رہتا ہے جو اس کو ودیعت ہوا۔ اور وہی کام کرتا
ہے جس کا وہ اہل ہے۔ اور جس کے لئے مشیت رب العزت نے اس کو پیدا کیا ہے
اس نے وہ حضرات جن کی حالت کے لحاظ سے مناکحت مفید اور مناسب تھی۔ وہ
متاہل ہوئے اور جن کے مذاق و مشرب کے لئے تجدیل لازمی تھا۔ وہ مجرد اور آزاد رہے
ہر دو فرقیں نے راہ تواب اختیار فرمائی۔ اس واسطے عقلاءً و نقلاءً نے حضرات اول الذکر کا
خیال مذوم ہے۔ اور نہ آخر الذکر کا فعل من nou۔ بلکہ روایات شرعیہ میں جس اہتمام
کے ساتھ مناکحت کی ترغیب ہے اسی تکرار کے ساتھ تہیب بھی مذکور ہے۔

چنانچہ جیہے الاسلام حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم باب آداب

النکاح میں ارقام فرماتے ہیں کہ ”اعلم ان العلماء قد اختلفوا فی فضل النکاح“ کہ فضیلت نکاح میں علماء کا اختلاف ہے۔ پھر امام مددوح نے اختلاف علماء کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ ”افضل من تخلی لعبادة الله“ کہ نکاح کرنا بہتر ہے عبادت اللہ کے لئے تہائی اختیار کرنے سے۔ اور بعض فضل النکاح کے تو قال ہیں لیکن ”قد مواعلیه تخلی العبادة لعبادة الله“ عبادت اللہ کے لئے تہائی کو بہتر سمجھتے ہیں۔ ”وقال آخرؤن لا فضل ترکه فی زماننا هذاؤ قد کان له من قبل اذلم تکن الاكتساب محظورة و اخلاق النساء مذمومة“ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ ہمارے اس زمان میں ترک مناکحت ہی بہتر ہے۔ اور اس کی فضیلت پہلے وقت میں تھی کہ کمائی کے طریقے حرام اور منوع نہ تھے اور نہ عورتوں کی عادتیں خراب تھیں۔

جس طرح اس محقق امام نے اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف کو بصراحت لکھ دیا۔ اسی طرح شیخ الشیوخ تاج العارفین مخدوم حضرت شیخ شہاب الدین بن محمد سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوایف المعاوف باب ششم فصل ہشتم درآداب تجدوۃ تہل میں ارقام فرمایا ہے:- ”اخبار نبوی و احادیث مصطفیٰ در فضیلت تجدوۃ تہل مقابل و متعارض اند۔“ (اخبار نبوی احادیث مصطفیٰ تجدوۃ تہل کی فضیلت کے متعلق مقابل و مخالف ہیں۔ از مصباح الہدایت ترجمہ عوایف المعاوف)

ایک مستند امام شریعت اور ایک مقدس پیشوائے طریقت نے جن بالاتفاق لکھ دیا کہ فضل تجدوۃ تہل میں علماء اسلام کا اختلاف ہے تو ہر چند ان کا محققانہ ارشاد ہمارے اطمینان کے واسطے کافی تھا۔ لیکن فضل تزویج و تجدوۃ میں علماء کا اختلاف کیوں

ہے؟ اس کی بھی مختصر طور پر صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔
 لہذا وجہ اختلاف کی یہ ہے کہ روایات شرعیہ متعارض ہیں۔ چنانچہ پہلے قرآن
 پاک کی ان آیات کو دیکھنا چاہئے جو فضل تابل و تجدید میں متعارض ہیں۔ مثلاً اللہ جل
 جلالہ نے سورہ نساء میں فرمایا ہے کہ ”فَانكحوا ماطاب لکم من النساء“ (سورہ
 النساء: ۳) یعنی جو عورتیں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ پھر خصت بھی وہی کہ دو یا
 تین یا چار یہیاں تک کر سکتے ہو۔ اگر عدل بھی کر سکو۔ اس آیہ کریمہ سے جواز مناکحت
 ثابت ہے۔ پھر دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ ”وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رَسُولًا مِّنْ قَبْلِكُ
 وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذرِيَّةً“ (سورۃ الرعد: ۳۸) کہم سے پہلے ہم نے رسول
 بھیجے جن کی یہیاں اور اولاد تھی۔ اس آیہ و اُنی ہدایت میں تزوج کی صریح ترغیب ہے کہ
 مناکحت کو تجھیران ماسلف کی سنت فرمایا پس اس آیہ کریمہ سے تزوج کی فضیلت ظاہر
 ہے۔

لیکن اس حکیم مطلق نے نقائص تزوج سے بھی خبردار کر دیا۔ اور سورہ تباہ بن
 میں ارشاد ہوا ”أَنَّ مَنْ أَزْوَاجَكُمْ وَأَوْلَادَكُمْ عَدُوُّ الْكُمْ فَاحذِرُوهُمْ“
 (سورۃ التباہ: ۱۳)

تمہاری بعض یہیوں اور اولاد میں سے تمہاری دشمن ہیں پس ان سے پرہیز
 کرو۔ اور دوسری آیت میں فرمایا کہ ”أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فَتَنَّةٌ“ (سورۃ
 التباہ: ۱۵) یعنی تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔ ان آیات کا مضمون ترہیب
 تزوج پر دلالت کرتا ہے۔

لہذا ظاہر ہو گیا کہ آیات قرآنیہ میں تابل کی ترغیب بھی ہے۔ اور ترہیب بھی

جس طرح پیغمبر و کی مثال دے کر فضل تزوج کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھا دیا کہ بعض یہیں تمہاری دشمن ہیں ان سے پر ہیز کرو۔ اور تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔

علی ہذا حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تزوج و تجد کی تعلیم میں اپنی امت کو مناکحت کی فضیلت سے بھی آگاہ کیا۔ اور اس کے ضروری نقصان سے بھی مطلع کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ”النکاح مستحب فمن رغب عن مستحب فقد رغب عنی“ کہ نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس نے مجھ سے اعراض کیا۔ اور یہ بھی فرمایا ہے ”من رغب عن مستحب فليس مني“ کہ جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔ یہ فضل تزوج کی میں دلیل ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے نکاح کو اپنی سنت فرمایا جو ترغیب امت کے لئے کافی ہے۔

لیکن صحیح احادیث میں ترہیب تزوج بھی بصراحت مذکورہ ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ”خیر کم بعد الماتین رجل خفیف الحاذ“ کہ دوسو بر س کے بعد اچھا وہ شخص ہے جو خفیف الحاذ ہو۔ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ وما خفیف الحاذ؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم الذي لا اهل له ولا ولد“ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ خفیف الحاذ وہ ہے جوزان و فرزند نہ رکھتا ہو۔ یہ حدیث اہل تجد کی حمایت میں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”یاتی علی الناس زمان یکون هلاک الرجل على بدی زوجته و ابويه و ولده“ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان اپنی بی بی اور والدین اور

اولاد کے ہاتھ سے تباہ ہوں گے۔ اس حدیث میں احتراز تاہل کی تعلیم اور تجدیب کی ترغیب ہے۔

مگر اس حدیث میں تو بغیر کسی تاویل و توجیہ کے مناکحت کی صریح توجیب ہے۔ کہ حضرت سید المرسلین نے فرمایا کہ ”ما ترکت بعدی فتنۃ اضطر علی الرجال من النساء“، یعنی میرے بعد برقنہ مردوں کے واسطے عورتیں ہیں۔

یہ چند حدیثیں ترک تزویج کی تعلیم سے مملو ہیں کہ حضرت مخبر صادق نے نقصانات مناکحت کو یوں سمجھایا کہ دوسو بر س کے بعد خیر الناس آزاد اور اہل تجدید ہوں گے۔ اور ایسا زمان آنے والا ہے کہ انسان اپنی بی بی اور بچوں کے ہاتھ سے تباہ و بر باد ہوں گے۔ پھر صاف الفاظ میں ارشاد ہوا کہ میرے بعد مردوں کو بہت بڑا نقصان پہنچانے والی جو چیز ہے وہ عورتیں ہیں۔

پس جس طرح آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ میں تاہل اور تجدیب کی ترغیب اور توجیب مساوی طور پر مذکور ہے اسی طرح آثارات کے مطالعہ سے بھی یہی صورت نمایاں ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”لا یشم نسک للناس ک حتی یتزوج“، یعنی عابد کی عبادت پوری نہیں ہوتی جب تک وہ متأہل نہ ہو۔ علیہ ہذا منقول ہے کہ ”وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَكْفُرُ النَّكَاحُ وَيَقُولُ مَا اتَّزَوْجَ إِلَّا لِأَجْلِ الْوَلَدِ“، کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح زیادہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ صریح اولاد کے لئے نکاح کرتا ہوں یہ ارشادات نکاح کی ترغیب میں ہیں۔

اور حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ابو سلیمان

دارانی علیہ الرحمت سے نکاح کی نسبت کسی نے پوچھا تو فرمایا ”فقال الصبر عنہن خیر من الصبر علیہن و الصبر علیہن خیر من الصبر علی النار“ آپ نے فرمایا کہ عورتوں سے صبر کرنا اس سے بہتر ہے کہ ان کی حرکات پر صبر کیا جائے۔ اور ان کی حرکات پر صبر کرنا آگ پر صبر کرنے سے بہتر ہے۔ اور یہ بھی آپ کا قول ہے کہ ”الوحید يجده من حلاوة العل و فراغ القلب مالا يجد متأهل“ کہ تحرید میں عمل کا ذائقہ اور دل کا فراغ اسقدر حاصل ہوتا ہے کہ متاهل کو نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”ما رأيت من اصحابنا تزوج حيث على مرتبة الاولى“ یعنی اپنے یاروں میں کسی کو نہیں دیکھا کہ نکاح کرنے کے بعد اپنے پہلے مرتبہ پر ثابت رہا ہو۔ اور حسن بصری علیہ الرحمتہ کا قول ہے کہ ”اذا اراد اللہ خيرا لم يستغلle باهله ولا مال“ کہ جب اللہ جل جلالہ کا کسی بندہ پر فضل ہوتا ہے تو اس کو مال اور اہل و عیال میں مشغول نہیں کرتا۔ یہ جملہ اقوال ترک تزوج کی حمایت میں ہے۔

لہذا اس تفصیل سے بخوبی واضح ہو گیا کہ فضل تزوج و تحرید متقابل و متعارض ہے۔ نہ تر غیب نکاح کو حکم عام و قطعی کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ تر ہیب منا کہت کو تر ہیب صریح اور تر ہیب نہ مطلق کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن حضرات محققین نے اس ظاہری تعارض کی بھی تطبیق کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ نہ تزوج مفید عام ہے۔ ورنہ فضل تحرید میں تعمیم ہے۔ بلکہ بلحاظ موقع اس کا حکم مخصوص اور انسان کی حالت پر موقوف ہوتا ہے۔ اور چونکہ بشریت مختلف الحال ہے اس لئے بعض کے داسٹے تزوج مناسب ہے اور بعض کے داسٹے تحرید۔ اور نتیجہ دونوں کا واحد یعنی زہد و تقوی ہے بس یہ ظاہری

تعارض بھی درحقیقت تعارض نہیں بلکہ عین ثواب ہے کہ طریق خدا طلبی میں جو صورت مناسب حال متصور ہو وہ اختیار کی جائے۔ ہر دو فریق ماجور اور اہل حق ہیں بقول نیست در عالم روی سر بر آن درگاہ نیست

عالیے سرگذشتہ ہست و یعنی کس گمراہ نیست

(اس جہان میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے کہ جس کی توجہ اللہ کی بارگاہ کی طرف نہیں ہے۔
تمام جہان سرگردان ہے اور کوئی گمراہ نہیں۔)

چنانچہ صاحب عوایف المعارف نے اپنی ببسیار اور مدلل تقریر میں مشاء تعارض بھی فرمایا ہے کہ انسان کی حالت مختلفہ کے لحاظ سے تزویج و تجزیہ کا حکم ہوتا ہے۔ اگر کوئی مغلوب شہوت ہے اور قلت صبر اور ضعف تقویٰ کے باعث ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب کا خوف ہو۔ اس کے لئے نکاح کرنا ضروری اور لازمی ہے اور جو شخص طالب صادق اور صاحب ارادت واثق اور حصول مراد کے لئے سرگرم جنتجو ہو یا اثناء سیرہ سلوک میں منزل مقصود کا خواہاں و کوشش ہو اس کے واسطے تجزیہ و تفریادفضل ہے۔ چنانچہ تمثیلاً ایک درویش کا قصہ نقل فرمایا ہے کہ اس سے دریافت کیا کتم کو تزویج سے پرہیز کیوں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ عورت مردوں کے واسطے مخصوص ہے اور میں ہنوز مقام مردی تک نہیں پہنچا۔ اس لیے تزویج مجھ کو شایاں نہیں اور یہی سوال دوسرے درویش سے کیا گیا۔ تو اس نے یہ کہا کہ تزویج کی ضرورت تو اس وقت ہو گی کہ پہلے نفس کو طلاق دوں۔

الہذا سا کافی طریق حقیقت نے طالب راہ حق کے واسطے چونکہ قطع علائق اور مجموعاً تقویٰ کو شرط سلوک اور لوازم سیرگردانا ہے۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ تزویج سبب تلقید

ہے۔ جو صریح فرانغ قلب کے لئے خارج ہے۔ جیسا کہ اکثر حضرات صوفیہ کرام نے فرمایا ہے چنانچہ صاحب سبع نابل نے سنبلہ سوم میں لکھا ہے کہ ”وقتے جنید قدس اللہ سرہ رابعہ بصری را پیغام داد کہ مارا بزوجیت قبول کن۔ (اپنے وقت میں جنید نے رابعہ بصری کو پیغام بھیجا کہ ہم کو زوجیت میں قبول کر۔) ”حضرت رابعہ نے جواب میں باستدلال فرمایا کہ ”میخواہی کہ مشوش وقت من باشی واز مشغولی خداوند تعالیٰ محروم گردانی و بخدمت خود مشغول کن۔ جنید قدس سرہ شرمندہ شدواں بیت خواند۔ (تو چاہتا ہے کہ تو میرے وقت کو پریشان کر دے۔ اور بارگاہ ایزدی کی مشغولیت سے مجھے محروم کر دے۔ اور اپنی خدمت میں مشغول کر دے۔ حضرت جنید شرمندہ ہوئے۔ اور یہ شعر پڑھا)

آن زن کہ بہ از هزار مرد است توئی

آن مرد کہ از زن نجل ماند منم

(وہ عورت کہ جو ہزار مردوں سے بہتر ہے وہ تو ہی ہے۔ اور وہ مرد کہ جو اپنی عورت سے شرمسار ہے وہ میں ہی ہوں۔)

اس لئے بہتر یہ ہے کہ اگر سالک مقاومت نفس پر قادر ہے تو جمعیت خاطر کو غیمت جانے اور تعلقات زن و فرزند میں منغض و مکدر نہ ہو۔ جو یقینی حصول مراد کے لئے مفید طریقہ ہے۔ خصوصاً مشرب عشق میں تو مدارا ہی پر ہے کہ ماسوی اللہ سے انقطاع قطعی ہو۔ بلکہ اپنی ہستی شاہد حقیقی کی ہستی سامنے فنا اور معدوم ہو جائے۔ بقول

اگر با رغبت لیلے بخار طر رغبتے دارو

چون محنوں فرد باید شد ہم از خویش دھم از خویشان

(اگر تو میں کے ساتھ دل سے رغبت رکھتا ہے تو مجھوں کی طرح اکیلا ہونا پڑے گا۔ اپنی ذات سے بھی اور اپنے رشتہ داروں سے بھی)۔

الغرض اس تصریح سے روایات شرعیہ کے تعارض کا شہد تو قطعی جاتا رہا۔ اور معلوم ہو گیا کہ اطباء امراض باطنی نے جس کے درد کا جو نہ مفید تھا وہ اس کے واسطے تجویز فرمایا۔ لیکن دوسرا خدشہ اور ہے۔ وہ یہ کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ تجداد اصول اسلام کے منافی ہے اس لئے کہ حدیث صحیح ”لارہبانت فی الاسلام“ موجود ہے کہ رہبانیت اسلام میں نہیں ہے اور رہبانیت کے معنی تجداد محض سمجھتے ہیں۔ تو لازم ہوا کہ پہلے رہبانیت سے لغوی اور اصطلاحی معنی کی صراحت کی جائے۔ کیونکہ اس حدیث میں رہبانیت کی صریح ممانعت ہے اگر رہبانیت کے معنی تجداد محض ہیں تو واقعی تجداد منافی اسلام ہے۔

لہذا غلط میں رہبانیت و رہبان کے معنی ترسیدن اور ترسندہ کے ہیں۔ تو یہ لغوی معنی عقلاً و نقلًا اصول اسلام کے منافی نہیں معلوم ہوتے۔ کیونکہ خوف الہی فعل محمود ہے نہ مذموم۔

اور صاحب صراح اور برہان نے لکھا ہے کہ عرف میں رہبان عابدان ترسا اور زابدان نصاری کو کہتے ہیں۔ کہ پرہیز گاری کی وجہ سے وہ تارک لذات ہوتے تھے اس لئے وہ رہبان کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ تو ایک حد تک یہ عرفی معنی بھی نہ مذموم ہیں۔ کیونکہ زابدان نصاری کا تارک لذات اور گوشہ نشین ہونا روایات شرعیہ سے مستحسن ثابت ہے۔

چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن مسعود سے مرفو عارروابت کی ہے جتاب

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تجزیہ فرقہ ہو گئے۔ ان میں صرف تین فرقہ نامی ہوئے کہ جب سلاطین نصاریٰ جبراً اور شدود کرنے لگے۔ اور بھیل میں باقیتھا مصلحت حکمرانی کی تعریف کی گئی۔ تو ایک گروہ صبر کے ساتھ اڑا اور مارا گیا۔ اور دوسرا گروہ بھی یوں ہی شہید ہوا۔ اور دونوں نے نجات پائی۔ لیکن تیرے گروہ کو مقابلے کی قوت نہ تھی۔ وہ پہاڑوں اور جنگلوں میں رہنے لگا۔ اور اس نے تعلقات دنیا کو قطع کیا۔ اور لذات مباح کو ترک کر کے مجاہدات شاقد میں مصروف ہو گیا۔

اور دوسری روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ملوک نصاریٰ نے توریت و انجیل میں تحریف کی۔ اور مومنین سے کہا کہ تمہاری وجہ سے ہم کو عار لا حق ہوتا ہے۔ اور ہمارے احکام نہ اعمال باطل قرار پاتے ہیں اگر مشش ہمارے قرأت نہ کرو گے تو قتل کئے جاؤ گے۔ انہوں نے تعرض سے انکار کیا اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اور بعض جنگلوں میں مسکن گزیں ہوئے اور ان کا لقب راہب ہو گیا۔ بلکہ صاحب گلشن راز انہیں عابدوں کی تیمائیں دیگر طالب خدا کو ہدایت فرماتے ہیں۔

حُنْيٌ شُوْزَهْ قِيدُ وَ مَدَاهِبُ

در آور دیر دین مانند راہب

(ہر مذہب اور ہر قید سے الگ ہو جا۔ تو راہب کی طرح دیر میں آجائے۔)

لیکن انہیں پارسایان نصاریٰ کی تقلید جب عابدان متبدع نے کی تو ان کی غلط کاری سے رہبانیت کی جدید صورت ہو گئی۔ اور اس کا شفاف چہرہ گردقاں سے غبار آ لود ہو گیا۔ کہ قدیم رہبان تو ریاضت و مجاہدات میں جمعیت خاطر کے لئے

لذات نفسانيہ سے اعراض اور تعلقات دینیوں سے احتراز کرتے تھے۔ مگر ان کے مقلدین کی جدت پسند طبیعت نے رہبانیت کی شکل بالکل تبدیل کر دی۔ کہ مقاومت نفس کی تو ان کو قدرت نہ تھی۔ اور ترک ازدواج کو رہبانیت کا رسم ضروری جانتے تھے۔ اور رہان ہونے کا شوق تھا۔ اس لئے وہ آں مرداگی کو قطع کرنے لگے۔ تاکہ تجدُّد قائم رہے اور ہماری رہبانیت میں فرق نہ آئے۔ اس وقت سے رہبانیت کے معنی مذموم ہو گئے۔

چنانچہ اللہ جلالہ نے سورہ حمدید میں اس واقعہ کو بصراحت ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے عیین بن مریم کو بھیجا۔ اور ان کو نجیل دی اور "و جعلنا فی قلوب الذين ابتغوا رفقة و رحمة و رہبانیہ ابتدعوا هما ما كتبنا علیهم الا البتغاء رضوان اللہ فمارعوا هما حق رعايتها۔ فاتینا الذين اموا منهم اجرهم۔ و كثیر منهم فاسقون ۝" (سورۃ الحمدید: ۲۷) یعنی ان کے تابعین کے دلوں میں زمی اور مہربانی اور خدا پرستی پیدا کر دی۔ ہر چند یہ رہبانیت ان پر واجب نہیں تھی۔ مگر رضاۓ الہی کی غرض سے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ لیکن اس کی رعایت نہ کی تو ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو اجر عطا کیا۔ اور اکثر ان میں نافرمان تھے۔

اس آیہ کریمہ سے بغیر کسی تاویل کے صاف ظاہر ہے کہ عینے علیہ السلام کی امت پر رہبانیت واجب نہ تھی۔ لیکن رضاۓ الہی کے واسطے جب انہوں نے اختیار کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان خدا پرستوں کو اجر عطا فرمایا۔ کیونکہ رضاۓ الہی کے لئے مقاومت نفس قطعی محدود ہے۔ البتہ جب اس مستحسن فعل میں مذموم ابتداع کی گئی۔ اور اختصار ہونے لگے تو اس ارتکاب کبیرہ سے وہ نافرمان سمجھے گئے۔ اور اس حدیث کا

اسی رہبانیت مبتدع کی جانب اشارہ ہے کہ ”لارہبانیت فی الاسلام“ یعنی نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام نے اپنی امت کو آگاہ فرمایا کہ اسی رہبانیت اسلام میں منوع ہے کیونکہ ضبط خواہشات نفسانیہ کا نام ترک لذات ہے۔ اور جس خواہش کا قطعی مادہ نہ ہو اس کا ضبط نہ صبر و زہد میں داخل ہے اور نہ اس کا ترک و امساک مفید اور سود مند ہو سکتا ہے۔

بلکہ مولانا جلال الدین رومی قدس اللہ سرہ نے بھی حدیث ”لارہبانیت فی الاسلام“ کی شرح یہی فرمائی ہے۔ اور اپنی مشنوی کے دفتر پنجم میں لکھا ہے۔

چون عدو نبود	جہاد آمد محل	شہوت اربود نباشد انتقال
صبر نبود	چون نباشد میل تو	خصم چون نبود چہ حاجت خیل تو
ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو		زانکہ عفت ہست شہوت را گرد
(جب دشمن ہی نہ ہو تو جہاد محل ہے۔ شہوت ہی نہ ہو تو اولاد کہاں سے آئے۔ اگر ملاقات نہ ہو تو صبر کیسا۔ جب دشمن ہی کوئی نہ ہو تو گھوڑے کی کیا ضرورت ہے۔ خبردار اپنے آپ کو خصی نہ کر اور رہبان نہ بن۔ کیونکہ عفت و پاک و امنی کیلئے شہوت گروہی ہے۔)		

مولانا علیہ الرحمۃ نے رہبانیت کے اصطلاحی معنی سے خبر دار کر دیا اور اس کے نقائص سمجھا کر وہی ہدایت فرمائی جو ”لارہبانیت فی الاسلام“ کا مفہوم ہے کہ ”ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو۔“ اس سے ظاہر ہو گیا کہ عرف میں رہبان خصی یعنی آلت بریدہ کو کہتے ہیں اور اسی رہبانیت مبتدع کی ممانعت میں سرکار رسالت کا لی حکم صادر ہوا کہ ”لارہبانیت فی الاسلام“، یعنی خصی ہونا شریعت اسلام میں قطعی

نا جائز اور ممنوع ہے۔

چنانچہ مولانا علیہ الرحمۃ کے اشعار مذکورہ کی شرح میں مولوی عبد العلی بحر العلوم فرقگی محلی ارقام فرماتے ہیں ”رہبان متعبد ان نصاری را مینگوئند۔ واسنہا مجاهدہ عظیمہ میکردنے۔ وازنکاح خود را باز داشتند۔ و چون خائف و قوع در گناہ می شدند خود را خصی میکردنے۔“ (رہبان عیسائیوں کے عبادت گزار لوگوں کو کہتے ہیں۔ اور اس راہ میں وہ بہت زیادہ مجاهدہ کرتے ہیں۔ اور خود کو نکاح سے باز رکھتے ہیں۔ جب گناہ واقع ہونے سے ڈرتے ہیں تو خود کو خصی کر لیتے ہیں۔) مولانا بحر العلوم نے بھی ”لارہبانیت فی الاسلام“ کا وہی مفہوم ارشاد فرمایا کہ رہبانیت سے رہبانیت متبدع نہ رہا ہے۔ جو شریعت اسلام میں ممنوع ہے۔

غرض رہبانیت کے معنی بخوبی ظاہر ہو گئے۔ کہ پہلے زاہدان نصاری بغرض مجاهدہ تجوید اختیار کرتے تھے۔ مگر بعد کے رہبان رسمی کو جب ضعف تقویٰ کے باعث قوع گناہ کا خطرہ ہوا تو آکر مردانگی قطع کرنے لگے۔ اور نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام نے اسی کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ بجهت ریا و حیلہ۔ تمعق و قصنع جسم کا کوئی حصہ قطع یا بیکار کرنا شریعت اسلام میں قطعی ممنوع ہے۔

لیکن جس طرح شریعت اسلام میں رہبانیت متبدع ممنوع ہے۔ اسی طرح بالاتفاق علمائے شریعت و مقتدائے طریقت مقاومت نفس و ضبط خواہشات مستحسن اور سلف صالحین کی خاص تقلید ہے۔ اس لئے مصنوعی اور بدعت آمیز رہبانیت اور چیز ہے اور ترک و تجوید اور چیز ہے۔ امتناع رہبانیت سے ترک تزویج کی امتناع نہیں لازم آتی۔ بلکہ بقول حضرات صوفیہ کرام اگر طالب راہ حق کو ضبط خواہشات پر قدرت ہو تو

اس کے واسطے تحریک مناسب اور مفید ہے کہ حصول مراد کی جدوجہد میں فروغ قلب اور جمیعت خاطر لازمی ہے اور جمیعت خاطر تحریک اور انقطاع تعلقات پر اکثر مختصر ہے۔

اس صراحت سے تحریک مختسن اور رہبانیت مبتدعہ کا فرق اور دونوں کی ماہیت اور حقیقت کا حق ظاہر ہو گئی ہے اور معلوم ہو گیا کہ تحریک اور رہبانیت کے معنی مراد اور متحد نہیں ہیں بلکہ جس رہبانیت کا حدیث "لارہبانیہ فی الا سلام" میں اشارہ ہے وہ خصی شدن و خود را خارج از مراد اگئی کر دن ہے۔ اور مجاہدات کے لئے قطع علاقہ و مجموع علاقہ اور بکمال ضبط واستقلال تحریک و تفریک پر صابر اور قانع رہنا یقینی مختسن اور محمود ہے۔ ورنہ سلف صالحین و مشاہیر صوفیہ کرام تحریک و تفریک ہرگز پسند نہ فرماتے۔ بلکہ اکثر ایسے حضرات صوفیہ کرام ہیں جن کے مجرم ظاہری کا زمانہ معرفت ہے۔ اور جن کا تقدس باطنی طبق اسلام میں مسلم ہے۔ اور اپنے اپنے وقت میں جو طریقت کے مقدماً اور پیشوائتھے۔ انہوں نے تحریک پر فخر کیا ہے۔ اور بعض نے تحریک کے حسنات و برکات ارشاد فرمائے ہیں جس کا ذکر کتب معتبرہ میں بصراحت منقول ہے جس کی تفصیل کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں مگر بہ نظر اختصار چند مشاہیر اہل تحریک کے نام نامی درج ذیل کرتا ہوں جس سے ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ تحریک و تفریک کے حامی کیسے کیسے برگزیدہ اور خدار سیدہ حضرات ہیں۔

چنانچہ صاحب ایمان و ایقان مولانا شاہ عبدالرحمن صوفی قدس اللہ سره مند آرائے لکھنونے ازدواج نہیں فرمایا اور ہمیشہ آزاد اور مجرور ہے۔

مظہر اسرار الہیہ و مہبٹ انوار نامہ بہیہ حضرت شاہ غلام علی مجددی خلیفہ حضرت مرزاعمظہر جان جاتان شہید علیہ الرحمۃ ہو مجموعہ تحریک و تقدس تھے کہ علاوہ اہل دل اور

صاحب باطن ہونے کے علوم ظاہری میں بھی آپ کو ایسا کمال اور ایتاں سنت رسالت میں وہ غلوتی کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنے مکتوبات میں آپ کو "قیم دین احمدی" لکھا ہے۔ ان کے حالات میں منقول ہے کہ آپ ترک تزویج کے حای تھے۔ اور خود بھی ہمیشہ مجرور ہے۔ بلکہ آنحضرت نے خود اپنے تحریک اظہار فرمایا ہے جس کو صاحب در المعرف نے آپ کے ملفوظات میں نقل کیا ہے کہ جب خانقاہ وسیع کرنے کا آپ خیال ہوا تو "فرمودند کہ اہل و عیال ندارم کہ برائی آن می خواہم۔ مگر خواہش من محض اللہ ہست کہ مردمان برائی طلب حق جل و علا ازا و طان خود می آئندو جائی اقامت نجی یا بند۔ برائی اسہما و سعت مکان میخواہم۔" (آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اہل و عیال نہیں رکھتا ہوں کہ ان کیلئے یہ کام کروں۔ مگر میری خواہش صرف اللہ کیلئے ہے کہ لوگ حق کی طلب کیلئے، کہ جو بزرگ و برتر ہے، اپنے وطنوں سے آتے ہیں اور رکھر نے کی نہیں پاتے۔ ان کیلئے میں چاہتا ہوں کہ مکان وسیع بناؤں۔) اور یہ بھی آپ کے ملفوظات میں ہے کہ نکاح کا ذکر آیا تو فرمایا "صوفی رانکاح کروں نہ شاید۔" (صوفی کو نکاح نہیں کرنا چاہئے۔)

اور یہ بھی آپ کا قول ہے "صوفی راترک و تحرید و روگردانی از دنیا۔ انحراف از مسوی اللہ۔ خلوت و دوری از اغصیا باید کرو۔ و نکاح مانع این چیز ہاست۔" (صوفی کیلئے ترک و تحرید، دنیا سے من پھر لینا، اللہ کے سوا ہر شے کو پھر و دینا، خلوت میں رہنا اور امیر لوگوں سے دوری اختیار کرنا ضروری ہے اور نکاح ان چیزوں سے روکنے والا ہے۔)

مولانا تاج الدین علیہ الرحمۃ نے بھی قطع تعلق فرمایا۔ اور حامی تحرید

ہوئے۔ چنانچہ محمد مبارک علوی کرمانی موعود بامیر خوردنے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ ”این بزرگ دراواہل تعلق باہل داشت۔ فاماچہ سعادت ابدی نصیب او گشت کہ ترک مذلت گرفت و بدولت ارادت سلطان المشائخ مشرف شد۔ و محبت سلطان المشائخ در سویڈائی دل مبارک او جائی کرد۔ ترک یک بارگی پیش گرفت۔ و فقر و مجاہدہ و فاقہ را دولت خود دانت۔“ (یہ بزرگ شروع میں اہل سے تعلق رکھتے تھے۔ ابدی سعادت آپ کا نصیب بن گئی۔ یہ تمام کام جو رسوائی کرنے والے تھے آپ نے اختیار کر لئے۔ اور سلطان المشائخ کی محبت آپ کے دل میں مضبوط ہو گئی اور فوراً اس تہائی کو پسند کیا۔ اور فقر اور مجاہدہ اور فاقہ کو اپنی دولت جانا۔ سیر الاولیاء) اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ”پر ترک و تحرید منسوب گشت۔“ (ترک و تحرید سے منسوب ہو گئے۔)

حضرت امیر حسن علاء سجرا علیہ الرحمۃ بھی اہل تحرید سے تھے۔ چنانچہ صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ ”این بزرگ درین عالم مجرد زیست۔“ (اس بزرگ نے اس جہان میں مجرد زندگی گزاری۔)

مولانا فخر الدین مروزی علیہ الرحمۃ بھی اہل تحرید سے تھے۔ چنانچہ آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ ”بمبالغ تقوے و بہ نہایت ترک و تحرید کوشید و پیوستہ کتابت کلام مجید کر دے۔ و از اختلاف خلق مجرد زیست۔“ (اور تقوی کیلئے سب سے بڑھ کر ترک و تحرید کی کوشش کی اور کلام مجید کی تعلیم میں مصروف ہو گئے اور خلوق خدا سے اختلاف سے زندگی گزارتے۔ سیر الاولیاء)

مولانا وجیہ الدین پائلی علیہ الرحمۃ کی نسبت بھی صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ ”در زہد و دروغ و تقوی و شدت مجاہدہ و ترک و تحرید در زمان خود مش نداشت۔“

(زہدورع، تقوی اور شدت بجا ہدہ اور ترک و تحرید میں ان کے زمانے میں ان کی کوئی مثال نہ تھا۔) اور شاہ محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ مولانا شمس الدین خلیفہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ جو تحریر و تقدس میں یگانہ روزگار تھے۔ اور اس برگزیدہ خدا تے حالت تحرید میں زندگی بسر کی۔

اخبار الاخیار میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت بہاؤ الدین جو پیوری علیہ الرحمۃ خلیفہ حضرت نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ تمام عمر مجرد رہے۔ حضرت شیخ علم الدین علیہ الرحمۃ جو حضرت محبوب الہی کے خلیفہ اور علوم ظاہری کے عالم تھر تھے اور تاریخ میں جن کے مزار پر انوار سے طالبان حق مستفیض ہوتے ہیں وہ تحرید کے حامی تھے اور خود مجردو آزاد رہے۔ (اخبار الاخیار)

صاحب اخبار الاخیار نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شاہ قیص علیہ الرحمۃ جو اپنے وقت کے مشہور اہل باطن اور متقی تھے۔ وہ بھی عشق الہی کے جوش میں مجردو آزاد

رہے۔

مولانا سراج الدین عثمان علیہ الرحمۃ خلیفہ حضرت سلطان المشائخ نے بھی تحرید پسند فرمائی۔ چنانچہ صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ ”خدمت سلطان المشائخ مجرد الحال و فارغ الہال بود۔“ و عمر عزیز خود ہم درکنج جماعت خانہ سلطان المشائخ گذار ہندے۔“ (اور سلطان المشائخ کی خدمت میں مجردو اور فارغ ہو کر رہے اور اپنی

پیاری زندگی سلطان المشائخ کے جماعت خانہ کے ایک کونے میں گزار دی۔)

حضرت خواجہ عبداللہ احرار نقشبند علیہ الرحمۃ جن کا مشاہیر حضرات صوفیہ میں شمار ہے اور جن کی نسبت مولانا عبد الرحمن جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد

بتدیر عبید اللہی آمد

(جب قبائے شاہی میں فقر آ جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ کی بندگی آتی ہے۔)

ان کا قول حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمۃ نے تذکرہ نکاح کے سلسلہ میں نقل فرمایا کہ ”حضرت واقف اسرار کا شف انوار خواجہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ مبخر مودود ند کے از من گناہے سرزد شدہ است۔ اگر پنج صد سال زندہ مانم و توبہ واستغفار بجا آرم کفارت آن کی شود۔ یا ران مجلس عرض نمودند کہ کدام گناہ بوقوع آمد۔ فرمودند کہ نکاح۔ پس خیال باید ساخت کہ با وجود این حشمت ظاہری ایں چنیں مضرت بالطفی دارد“۔ (واقف اسرار، کا شف انوار حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے اور اگر میں پانچ سال زندہ رہوں اور توبہ واستغفار کرتا رہوں تو یہ پانچ سو سال کا کفارہ بھی اس گناہ کا کفارہ نہیں بتا۔ مجلس میں بیٹھنے والے دوستوں نے عرض کی کہ کونسا گناہ سرزد ہوا تو آپ نے فرمایا کہ نکاح یہ گناہ ہے۔ پس اس کے بعد خیال کیا کہ باوجود بد بہ و رعب کے اسی کی دل میں تکلیف رکھتے تھے۔ در المعرف)

اور حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمۃ کے مانوختات میں ہے کہ آپ نے فرمایا ”ور آداب المریدین حضرت ضیاء الدین ابو نجیب عبد القادر سہروردی رضی اللہ عنہ نوشتہ اند کہ فی زماننا نکاح بناید کر د۔ پس وائے بر آن صوفی کہ درین زمانہ دست در از نماید۔“ (آداب مریدین میں حضرت ضیاء الدین ابو نجیب عبد القادر سہروردیؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں نکاح نہیں کرنا چاہئے۔ پس اس صوفی پر افسوس ہے کہ جو اس زمانے میں نکاح کرتا ہے۔ در المعرف)

حضرت مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی علیہ الرحمۃ بھی متاہل نہیں ہوئے اور
ہمیشہ آپ مجرداً اور آزاد رہے (اخبار الاخیار)

حضرت مخدوم محمد شاہ میمن علیہ الرحمۃ بھی حصور تھے۔ یعنی آپ نے نکاح نہیں
کیا اور تمام عمر مجرداً اور آزاد رہے (اخبار الاخیار)

واقف اسرار احادیث کا شف اسرار الوہیت سلطان المشائخ محبوب الہی
نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز جن کے فیوض و برکات کے چشمے جاری ہیں وہ
حصور تھے کہ آپ کا دامن تحری و تکدرات ازدواج سے آلوہ نہیں ہوا۔ اور تحریید کی
فضیلت آپ نے ارشاد فرمائی۔ چنانچہ صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ اہل ارادت
نے دریافت کیا کہ یا حضرت مجرد رہنا بہتر ہے یا متاہل۔ فرمایا کہ مجرد رہنا عزیز تر
ہے اور متاہل کی بھی رخصت ہے۔

یہ تمثیلاً ہندوستان کے چند مشاہیر حضرات صوفیہ کے اسمائے گرامی نگارش
کے جن میں کوئی مقنڈائے خلق اور کوئی مخدوم ملک ہے۔ اور جن کے تصرفات سے اہل
ہند مستفیض اور برکات طریقت سے خود اوار ہوئے۔ اور جس طرح ان کے تقدس باطنی
کا زمانہ معترف ہے۔ اسی طرح علوم ظاہری میں ان کا تحری و کمال دنیا کو معلوم ہے۔
لیکن یہ برگزیدہ خدا جب مجرداً اور آزاد رہے تو ان کا تحری و فضل تحریید کے لئے کافی دلیل
ہے اور طالبان طریق حق کے واسطے مسند مثال ہے۔

علاوہ ان کے اگر ہندوستان کے باہر مالک اسلام میں سلف صالحین کے
حالات میں دیکھا جائے تو حضرات صوفیہ کرام کا وہ مقدس اور ممتاز طبقہ جن کا جلیل
القدر اور محققین میں شمار ہے۔ اور جن کے علوی مرتبہ کا آئمہ شریعت نے اقرار کیا

ہے۔ تاریخ کے ورق گردانی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر مجرد اور آزاد ہے۔ اور تحرید کی فضیلت بیان کی اور اپنے مقلدین کو تحرید کی ہدایت فرمائی۔

چنانچہ سید ابو ایم متبولی قدس اللہ سرہ جو قابوہ کے مشہور صوفی اور صاحب دوائر کبریٰ تھے۔ وہ برگزیدہ خدا مجرد اور تحرید کے حامی تھے۔ چنانچہ امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقۃ الکبریٰ میں لکھا ہے: ”وَكَانَ سَيِّدِي أَبْرَاهِيمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مُبْتَلِي بِالْأَنْكَارِ عَلَيْهِ مِنْ كُونَهُ لَمْ يَتَزَوَّجْ“ کہ سید ابو ایم زناج نہ کرنے کے باعث لوگوں کے انکار میں بتا ہوئے۔

سید یوسف بن جعفر کورانی رضی اللہ عنہ جن کے مصر میں الاعداد مرید تھے۔ اور شیخ نجم الدین محمود اصفہانی اور شیخ بدر الدین حسن شمشیری کا خرقہ آپ کو ملا تھا۔ یہ بھی آزاد اور مجرد تھے جیسا کہ صاحب طبقۃ الکبریٰ نے لکھا ہے کہ ”وَكَانَتْ طَرِيقَةُ التَّحْرِيدِ“ کہ آپ کا طریقہ مجرد ہنا تھا۔

شیخ ابو الحجاج اقصری قدس اللہ سرہ بھی مصر کے مشہور خدار سیدہ اور صاحب تحرید صوفی تھے جن کے حالات میں امام شعرانی نے لکھا ہے کہ ”كَانَ جَلِيلَ الْمَقْدَارِ كَبِيرَ الشَّانِ كَانَ مَجْرِداً“ کہ جلیل القدر اور کبیر الشان اور مجرد تھے۔
(طبقۃ الکبریٰ)

حضرت محمد سماک علیہ الرحمۃ بوزاہد متنکن اور عابد متندین اور مجرد تھے ان کے حالات میں حضرت شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ نے تذکرہ الاولیا میں لکھا ہے کہ ”نقی است کہ او غریب (یعنی مجرد) بود۔ اور اگفتند چرازن نہ کنی۔ گفت ازانکہ من طاقت دشیطان ندارد۔ گفتند چہ گونہ۔ گفت مراثیطانے است و ارشیطانے۔

دروست دو شیطانے طاقت ندارم۔“ (نقل ہے کہ آپ غریب یعنی مجرد تھے۔ ان کو لوگوں نے کہا کہ تو نکاح کیوں نہیں کرتا۔ آپ نے کہا کہ میں دو شیطانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لوگوں نے کہا دو شیطان کس طرح تو آپ نے فرمایا کہ ایک شیطان میرے ساتھ اور دوسرا اس کے ساتھ۔ میں دو شیطانوں کو باتھ میں رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔) اور امام شعرانی نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق ابراہیم بن اسعیل خاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”افسہ المرید ثلاثة حب الدرحم و حب النساء و حب الرياسة“ کمرید کے لئے تین آفتیں ہیں:- روپی کی محبت، عورت کی محبت۔ سرداری کی محبت۔ (طبقۃ الکبری)

اور ابو اسحاق ابراہیم ہروی رضی اللہ عنہ بھی مجرد تھے۔ چنانچہ امام شعرانی نے آپ کی نسبت طبقۃ الکبری میں لکھا ہے ”وَكَانَ مِنْ أَهْلِ التَّوْكِلِ وَالْتَّجْرِيدِ“ یعنی آپ متوكل اور اہل تجرید تھے۔

اور ابو اسحاق ابراہیم داؤ و قصار رضی اللہ عنہ جو ملک شام کے مشہور اور صاحب فیض و برکات صوفی اور ابو القاسم جنید علیہ الرحمۃ کے ہم نشین تھے۔ اور خود مجرد اور اہل فقر کے حامی رہے۔ چنانچہ آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ ”ملازمًا للفقر مجردا فيه محبًا لا هله“ کہ آپ ہمیشہ مجرد اور اہل فقر کے دوست رہے۔ (طبقۃ الکبری)

اور حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ نے تذکرۃ الاولیاء میں سید الموحدین ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا یہ قول لکھا ہے کہ ”گفت ہر کہ ترک ہوا کرد بحق رسید۔“ (جس نے ہوا و حرس کو ترک کر دیا وہ اللہ تک پہنچ گیا۔)

اور ابو عبد اللہ بن الحسین مغربی رضی اللہ عنہ جو ۹۷ھ میں ملک بنا کو تشریف لے گئے اور ابراہیم خواص اور ابراہیم شیبان کے پیر تھے صاحب طبقۃ الکبریٰ نے لکھا ہے کہ آپ نے تحرید کی حمایت میں فرمایا ”الفقیر المجرد من الدین و ان لم يعمل شيئاً من اعمال الفضائل افضل من هؤلاء المتبعدين و معهم الدين“ کہ دنیا سے فقیر اعمال فضائل میں سے کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو ان عابدوں سے افضل ہے جن کے ساتھ دنیا ہے اور یہ بھی آپ کا قول ہے کہ ”بل ذرۃ من الفقیر المجرد افضل من اعمال اهل الدین“ بلکہ فقیر مجرد کا ذرہ بھر علم اہل دنیا کے پیہاڑ برابر عمل سے بہتر ہے۔

اور صاحب طبقۃ الکبریٰ نے لکھا ہے کہ ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی رضی اللہ عنہ جن کا طریقہ دولت و عزت سے دست بردار ہونا تھا۔ وہ فرماتے کہ ”رائت فی ایات الصوفیہ و انهافی معاشرۃ الا ضد ادوالمیل الى النساء“ یعنی صوفیوں کو دیکھا کہ اضداد کے ربط اور عورتوں کی طرف میلان میں جملہ آفیں ہیں۔

اور ابو بکر نعر بن احمد بن نصر و فاقہ رضی اللہ عنہ جو مصر کے جلیل الشان بزرگ تھے ان کا قول ہے کہ ”آفة المرید ثلاثة اشياء التزوج و كتابة الحديث و معاشرة الاصد“ کہ تین چیزوں مرید کے لئے آفیں ہیں:- نکاح کرنا، حدیث لکھنا اور مخالف مشرب سے ملننا۔ (طبقۃ الکبریٰ)

اور ابو سلیمان داؤد بن نصیر طائی رضی اللہ عنہ جو زہد و ورع میں مشہور اور غیر متاثل تھے ان کے حالات میں امام شعراً نے طبقۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ”ومكث

رضی اللہ عنہ رابعا و ستین سنة اغرب، "کہ آپ نے چونسٹھ سال تجدیں زندگی بسر فرمائی۔

اور ابو نصر بشر بن الحارث حافی رضی اللہ عنہ بھی کامل مجرد تھے۔ جن کے حالات میں شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف میں اور امام عبدالوہاب شعرانی نے طبقۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ "فیل له تنزوج و تحرخ عن مخالفۃ السنۃ فقال رضی الله عنه اجی مشغول بالفرض حن السنۃ" یعنی کہا گیا کہ لوگ الزام دیتے ہیں کہ آپ نے سنت نکاح کوتک کیا۔ فرمایا ان سے کہہ دو کہ نہ نزا دائے فرض میں مشغول ہوں اس وجہ سے ادائے سنت کی فرصت نہیں۔ اور صاحب طبقۃ الکبریٰ نے انہیں بشر حافی کا یقین لقیل کیا ہے کہ۔ "لِمَ لِحْجَةِ النِّسَاءِ فَلْتَبِقِ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا يَأْنِفُ الْحَادِهِنَّ" کہ جو شخص عورتوں سے علیحدہ رہنے پر قادر ہوا سکوال ازام ہے کہ اللہ سے ڈرے اور ان کے پاس نہ جائے۔ اور حضرت کریم الدین شیخ مشداد دینوری رضی اللہ عنہ نے تعلقات عیال و اطفال سے انتظام قطعی فرمایا۔ چنانچہ آپ کے حالات میں صاحب سیر الاقظاب نے لکھا ہے کہ "آنحضرت در اوکل حال منشم بود۔ چوں محبت حق درویش پدید آمد۔ اموال و متاع در راه خدا نہ کوئی بحاجان بداؤ۔ چنانچہ بہر افظار ہم چیزے نکذا اشت۔ دروب سوئے کعبہ آور دو گفت الہی جزو مراثیق نہی باشد۔ عیال و اطفال مراثیق دانی۔ پس متوجہ کہ معلمہ شد۔ و در آنجا بہ عبادت مشغول گشت۔" (ابتداء میں حضرت مالدار تھے۔ جب اللہ کی محبت ان کے دل میں ظاہر ہوئی تو مال اور ساز و سامان کو اللہ کے راستے میں محتاجوں کو دے دیا۔ چنانچہ افظار کیلئے بھی کوئی چیز نہ چھوڑی۔ اور اپنا چہرہ کعبہ کی طرف

کر لیا اور کہا اے اللہ تیرے سو مجھے کوئی چیز نہیں چاہئے۔ میرے بال بچے تو جانتا ہے۔ پس مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور چلے گئے اور وہاں جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔)

اور حضرت داؤد طائی علیہ الرحمۃ بھی آزاد اور اہل تحرید سے تھے۔ چنانچہ صاحب تذكرة الاولیاء نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ ”گفتند چرازن نخواہی۔ گفت مومنہ رانتو انم فریافت گفتند چہ گونہ گفت چون اور انہم مونت اور اور گردن خود کردہ باشم۔“ (لوگوں نے کہا کہ تو نکاح کیوں نہیں کرتا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں مومنہ عورت کو دھوکا نہیں دینا چاہتا۔ لوگوں نے کہا کس طرح۔ تو آپ نے کہا کہ جب میں اس کے ساتھ نکاح کروں گا تو اس کا بوجھ میں اپنی گردن پر ڈالوں گا۔)

اور حضرت خوجہ خدیفہ عرشی رضی اللہ عنہ بھی صاحب تحرید تھے۔ چنانچہ صاحب سیر الاولیاء نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ ”آنحضرت سالہا در سفر و حضر ملازم ہیروشن خیر خود بودہ۔ وزن نداشت۔“ (آنحضرت کی سال سفر و حضر میں اپنے ہیروشن خیر کے ساتھ وابستہ رہے اور نکاح نہیں کیا۔)

اور حضرت ابراہیم اوہم رضی اللہ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ آپ نے ترک تعلق کے بعد تحرید کی حمایت فرمائی اور مجردر ہے۔ چنانچہ صاحب سعی سنابل نے لکھا ہے کہ ”ابراهیم قدس اللہ سره نزدیک شبانے رفت۔ وجاہماۓ خود بودے داد۔ وجاہد دے خود پوشید۔ واللہ و فرزندان را ندا سپرد۔ وسرہ بیانان نہاد۔“ (ابراهیم قدس سرہ ایک چڑواہے کے پاس گئے اور اپنے کپڑے اس کو دے دیئے اور اس کے کپڑے خود پہن لئے اور اپنے بال بچوں کو اللہ کے پسرو کر دیا اور بیانان کی طرف نکل گئے۔)

یکھے خانوادہ ادھمیان جو حضرت ابراہیم ادھم سے منسوب ہے وہ جملہ مجرد تھے۔ جیسا کہ صاحب مراثۃ الاسرار نے لکھا ہے کہ ”ادھمیان مجرد و مسافر انند۔ و ذکر جلی بسیار گویند۔“ (ابراہیم ادھم کے خانوادہ والے مجرد اور مسافر تھے اور بہت زیادہ ذکر جلی کرنے والے تھے۔)

اور صاحب مراثۃ الاسرار نے لکھا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کے ارادتمند اہل ترک و تحرید تھے۔ وہ ہذا ”عیاضیان ہمیشہ مسافر و تھبا و مجردی یودند وزن خانہ نبھی کر دند۔“ (عیاضیان ہمیشہ مسافر، تھبا اور مجرد ہے اور انہوں نے نکاح نہیں کیا اور مکان نہیں بنایا۔)

اور خانوادہ بہیر یان کی نسبت جو حضرت ہیرہ بصری رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔ صاحب مراثۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ ”بہیر یان در شہر و قریہ مسکن نبھی کر دند۔ و روز و شب باوضود رہیا بخوردی یودند۔“ (بہیر یان نے شہر یا بستی میں سکونت اختیار نہیں کی تھی۔ اور رات دن باوضو جنگل میں تھاڑا ہتھ تھے۔)

علی ہذا صاحب مراثۃ الاسرار نے حضرت خواجہ حبیب عجمی رضی اللہ عنہ کے خانوادہ کی نسبت لکھا ہے کہ ”جمیان اکثر در کوہ ہا سکونت داشتند و مجرد یوند۔“ (جمیان اکثر پہاڑوں میں تھاڑا ہتھ تھے۔)

اور امام شعر افی علیہ الرحمۃ نے طبقاًۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ مطرف بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”من ترك النساء و الطعام فلا بد له من ظهور الكرامة“ کہ جس نے عورتوں اور لذیذ غذاؤں کو ترک کیا اس سے کرامت کا ظاہر ہونا لازمی ہے۔

اور عمر بن عبد العزیز بھی بعد خلیفہ ہونے کے تازندگی مجردر ہے۔ چنانچہ آپ کی بی بی فاطمہ کا قول ہے ”وَمَنْذُولِي الْخَلَاقُتُهَا مَا اغْتَسَلَ قَطُّ مِنْ جَنَابَةِ إِلَى انْهَاتٍ“ کہ جب سے خلیفہ ہوئے تا حیاتِ فصل جنابت نہیں کیا۔

حضرت مالک دینار رضی اللہ عنہ جو سر پا ہدایت تھے ان کے حالات میں صاحب تذکرہ الاولیاء نے لکھا ہے کہ ”در بصرہ مردے بود تو تکر۔ وفات کردو مال بیر بماند۔ و دخترے داشت سخت با جمال۔ دختر زدیک ثابت“ ہنائی آمد و گفت میخواهم کہ زن مالک باشم۔ تامر اور کار طاعت یاری دہ۔ ثابت مالک را گفت مالک گفت من دنیا را سے طلاق داؤہ ام۔ وزن از دنیا است۔ پس مطلقہ ثلاثہ رانکا ح نتوان کرو۔“ (بصرہ میں ایک امیر آدمی تھا۔ وہ فوت ہوا تو بہت سامال چھوڑا۔ اس کی ایک حسین لڑکی تھی۔ لڑکی ثابت ہنائی کے پاس آئی اور کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ میں مالک کی زوجہ بن جاؤں کہ وہ عبادت کے کام میں میری مدد کرے گا۔ ثابت نے مالک کو کہا۔ مالک نے کہا کہ میں نے دنیا کو تین طلاقوں دے دی ہیں۔ پس تین طلاقوں جس کو ہو چکی ہوں اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا جا سکتا۔)

اور امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقۃ الکبری میں لکھا ہے کہ سعید بن الحمیب جوتا بعین میں ہیں۔ اور جن کا ۹۲ ہجری میں انتقال ہوا۔

وَفَرِمَاتَتِي ہیں ”ماشی اخوف عندی من النساء“ کہ میرے خیال میں عورتوں سے زیادہ کوئی چیز خوفناک نہیں ہے۔

الغرض طبقہ حضرات صوفیہ کے جملہ مجردین کے صرف اسماے گرامی کا بھی نہ تفصیل لکھنا آسان نہیں۔ کیونکہ عارفین ہاتھیں سے دنیا کا کوئی گوشہ کسی زمانہ میں

خالی نہیں رہا۔ اس نے ان خدا پرست ہستیوں کے نام نامی کی مکمل فہرست مرتب کرنا لیکنی دشوار ہے۔ اور خصوصاً میری محدود معلومات تو کسی طرح اس خدمت کے لاکن نہ تھی۔ مگر تمثیلاً بعض مستند کتابوں سے جن کی صحت کا سب کو اعتراف ہے یہ مختصر فہرست نگارش کی جس میں عرب و ہجوم کے چند مقید ر اور ممتاز حضرات صوفیہ کرام اور اولیائے عظام کے نام اقدس درج ہیں۔ جو اپنے اپنے عہد میں شریعت و طریقت کے امام و مقید ر اور احکام حضرت احادیث کے مطیع اور سنت رسالت کے مقیع تھے۔

بلکہ بعض تابعین کے اسمائے گرامی بھی اس میں موجود ہیں۔ جن کو قرن اویل کا فضل حاصل ہے اور یہ برگزیدہ خدا مجرود و آزاد و تجد کے حامی تھے اور طالبان طریق حق کو تجدید کی ہدایت فرماتے تھے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ رضای اللہی کے لئے تجدید بھی مستحسن ہے۔ اور ”لا رہانیت فی الاسلام“ میں جس رہانیت کی امتیاز ہے وہ رہانیت متبدع یعنی اختصار شدن ہے۔ اور اگر تجدید مستحسن اور رہانیت متبدع کی تعریف بالمعنى مراد ف اور متعدد ہوتی تو یہ رہنمائے دین میں تجد کبھی اختیار نہ فرماتے۔

بلکہ علاوہ ان حضرات کے وہ اصحاب رسالت ماب جو سابق الایمان ہیں۔ اور ”رضی اللہ عنہم و رضو عنہ“ (اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ لوگ اس سے راضی ہیں۔ سورۃ الہیرہ: ۸) جن کی شان میں ہے اور اتباع سنت رسالت میں جو بکمال خضوع خشوع تمام عمر مصروف و مشغول رہے۔ اس مقدس جماعت میں بعض اصحاب نے رضاۓ اللہی کے واسطے تجدید و تفریید اختیار فرمائی اور مجرود و آزاد رہے۔

مثلاً پروانہ شمع بجال الحمدی حضرت اولیس قرآنی رضی اللہ عنہ جو عہد رسالت

مصطفویٰ کے مشہور زاہد و عابد اور متّقیٰ و خدار سیدہ بزرگ تھے۔ اور کس اہتمام بلغ کے ساتھ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خرقہ مبارک ان کو تقویض فرمایا۔ ان کے مقدس حالات دیکھنے کے بعد اس کا اعتراف کرنا ہوتا ہے کہ آپ نے بالکل زاہدانہ زندگی بسر فرمائی۔ صاحب طبقۃ الکبریٰ نے آپ کا ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ ”السلامة فی الوضدة“ (سلامتی تہائی میں ہے۔ الحدیث) جس کا ترجمہ حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ نے تذکرۃ الاولیاء میں یہ فرمایا ہے کہ ”سلامت در تہائی است و تہائی آن بود کہ فرد و بود۔“ (سلامتی تہائی میں ہے اور تہائی یہ ہے کہ تو اکیلار ہے۔)

علی ہذا اصحاب صفة جن کی رفت و عظمت کا آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ میں ذکر ہے اور تاریخ کے صفحات زبان حال سے شاہد ہیں کہ یہ مردان خدا تمام عمر زہدو درع صبر و شکر میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اور یہ سچے ایمان دار رضاۓ الہی کے طلب گار اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیفۃ اور جان ثار تھے۔ اور یہ اقتضائے حقانیت یہ برگزیدہ متکلین تعلقات عالم سے محترزاً اور دست بردار۔ اور دنیا اور اسباب دنیا سے بے سروکار رہے۔ خوف الہی سے لزان مسجد نبوی کے صفویں یہ فقرائے مہاجرین تھا اور مجرور ہتھ تھے۔ جن کی تحریکی نسبت صاحب مراثۃ الاسرار نے یہ لکھا ہے کہ ”قوے بودند در مدینہ ازار باب فقر و درع مستقیم بر قدم توکل و تجد۔ ہر کدام غیر از شغل مع اللہ بکارے کے دست نمکر دند و دریگانہ سکونت داشتند۔“ (مدینہ شریف میں ایک قوم تھی جو فقر اور پر ہیز گاری والے لوگ تھے۔ اور توکل اور تجد پر قائم تھے۔ ہر شخص اللہ کے شغل کے سوا کسی اور کام کی طرف ہاتھ نہیں کرتا تھا۔ اور وہ تھا

رہتے تھے۔)

اور این مجرنے بھی تجد اصحاب صد کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے کہ مسجد بنوی کے آخر میں صد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب فقراء کے واسطے بنایا گیا تھا۔ جواہل نہ رکھتے تھے۔

اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری پر حاشیہ لکھا ہے اس میں ابو نعیم کے حوالے سے منقول ہے کہ جماعت اہل صد کی تعداد سے زیادہ تھی۔ اور صد مسجد بنوی کے آخر میں ایک چبوترہ تھا جو ان فقراء کے رہنے کے لئے بنایا گیا تھا جن کی کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ اور نہ وہ متأہل تھے۔

لیکن تعداد اصحاب صد میں محققین کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ اس گر وہ فقراء میں چار سو نفوس تھے۔ بعض نے سو، بعض نے چالیس ارقام فرمائے ہیں۔ بہر کیف علی اختلاف الروایات اصحاب صد کی تعداد جو کچھ ہو۔ اور ان میں کل یا جس قدر بھی مجرد اور آزاد ہوں۔ مگر یہ مسلم ہے کہ قرن اول بلکہ خاص مہاجرین میں آزاد اور مجردین کا وجود ضرور تھا۔ اور اصحاب کی وہ مقدس جماعت جس کو سابق الایمان ہونے کا شرف و اختصاص حاصل ہے۔ اس کے بعض افراد ترک تزوج فرماتے تھے۔ اور ان کے معاصر جواہل تزوج اور متأہل تھے وہ ان مجردین کا احترام کرتے تھے اور نہ شارع اعظم نے ان کے تجد کا انکار فرمایا پس فضل تجد کے واسطے یہ کافی دلیل ہے۔ اس لئے کہ جب اصحاب اجلہ کا ترک تزوج فرمانا ثابت ہے اور صحیح روایات سے معلوم ہو گیا کہ وہ مجرد اور آزاد تھے۔ اور حضرت نبی کریم علیہ الہیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کا مجردرہ نہ قبول و منظور فرمایا تو وہ خد شہ کہ تجد منافی اسلام ہے بالکل جاتا رہا۔ اور ظاہر ہوا کہ اگر

مطلق تجدی امتناع ہوتی تو اصحاب رسالت ماب جو آج قبیعین شریعت کے امام اور
طباء و مادلی ہیں۔

ایسی صریح امتناع کا رنگاب نہ فرماتے۔ اور معاذ اللہ اگر ایسے فتح اور منوع
فضل کا ان سے وقوع ہوتا تو عالم اسلام میں ان کا وقار و تقدس برقرار نہ رہتا۔ اور نہ سلف
صالحین میں وہ شمار کئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اور آج تک ان کا نام اسی عظمت و
احترام کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ بلکہ اس قطع علائق سے ان کے اعزاز میں خاص امتیاز
ہو گیا۔ اور ان کی تجدید ان کے علوی مرتبہ کی دلیل بھی گئی۔ حتیٰ کہ بانی شریعت نے
اپنے اکرام و انعام میں اضافہ فرمایا کہ قریب مسجد ان کے واسطے صدقہ بنایا گیا۔ اور یہ
عزت افرادی کی کسب و جہاد کی تکلیف سے ان کو مستثنیٰ کیا۔

لہذا اصحاب اجلہ کی تجدید ثابت ہونے کے بعد فضل تجدید اور جواز تجدید کے
بجائے اب وجوب تجدید کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ حسب مذکورہ حدیث "اصحابی
کا لسجوم بایهم افتد یتم اهتدیتم" (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں
سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ الحدیث) سیرت اصحاب رسالت ماب کی
تقلید ہم کو واجب ہے تو جس طرح ارباب متrodھین نے اصحاب متاہلین کی اتباع میں
ازدواج و مناکحت کو لازم گردانا۔ اسی طرح طالبان حق کے لئے تجدید میں اصحاب صدقہ
کی تقلید واجب ہے۔ اور دو حالت میں مآل مستحسن و محمود ہے۔

ہر چند فضل تجدید کے لئے اصحاب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
تقلید کا حوالہ ہم کو کافی اور بس تھا۔ لیکن فضل تجدید کا بھی ایک درجہ اور باقی ہے۔ جو
اصحاب اجلہ کی تجدید سے بھی زیادہ رفع ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی مجدد بلکہ حصور

تھے۔ اور آپ کی تحرید ایسی خبر متواتر ہے کہ زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں۔

علیٰ ہذا تجھی علیہ السلام جو نبی وقت تھے مگر آپ نے بھی تحرید اختیار فرمائی۔

لہذا ایک پیغمبر صاحب کتاب اور ایک نبی معصوم کا ترک ازدواج فرمانا فضل تجد کے

لئے بہت بڑی دلیل ہے۔ اور مجردین ما بعد کے مبارات کے واسطے خاص سند ہے کہ فخر

کے ساتھ وہ کہہ سکتے ہیں کہ تحرید انہیاں علیہم السلام کی سنت ہے۔

اب کامل یقین ہو گیا کہ ”لا رہبانیت فی الا سلام“ سے محض تحرید اور

ترک ازدواج مراد نہیں ہے۔ بلکہ زاہدین مبتدعیہ کا شوق تحرید میں اختصار ہونا مقصود

ہے۔ جو عقولاً ونقلاً غیر مشروع اور قطعی منوع ہے۔ ورنہ عارفین اور صالحین اور اصحاب

رسالت ماب اور نبی اور پیغمبر صاحب کتاب بھی تحرید نہ اختیار فرماتے۔ اس لئے

بخوبی یقین ہو گیا کہ رہبانیت مبتدعیہ کی تربیب و امتانع میں حدیث ”لا رہبانیت

فی الاسلام“ جس طرح مصدقہ ہے اسی طرح طریق خدا طلبی میں ضبط خواہشات

کے لئے تحرید محمود مددوح ہے۔

لیکن یہ تو معلوم ہوا کہ طبق حضرات صوفیہ میں بھی صاحب تحرید ہوتے۔ اور

بعض اصحاب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مجرد تھے۔ حتیٰ کہ ایک نبی اور ایک پیغمبر کا

حضور ہونا ثابت ہے۔ اور انہیں مقدس اور مقتدر ہستیوں کے حوالہ سے ہم نے فضل

تحرید کا اقرار کیا۔ اور انہیں مقبولان الہی کا مقلد دیکھ کر مجرد دین اہل اسلام کی تحرید و

تفہید کو مستحسن سمجھا۔ مگر پھر بھی خیال ہوتا ہے کہ ہمارا یہ سمجھنا کلیتاً قبل اطمینان نہیں۔

کیونکہ درحقیقت محمود وہی فعل ہو سکتا ہے جو خدا کے نزدیک محمود ہو۔ اس لئے دیکھنا یہ

چاہئے کہ ان مجردین کے خالق حقیقی نے بھی ان کی تحرید و تفرید پسند فرمائی یا نہیں۔ اگر

حضرت رب العزت نے اہل تحرید کے صبر و ضبط اور تحرید و تفسر کو مستحسن جانا ہو۔ اور ان کے ایمان و ایقان کی گواہی دی ہو۔ اور ان کی رفعت و عظمت کا اظہار کیا ہو تو اس وقت بغیر کسی شک و شبہ کے فضل تحرید کامان لینا ہم کو لازمی ہو گا۔ مگر بجز قرآن کی شہادت کے خدا کی رضا مندی دوسرے ذریعہ سے ہم کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب ضرورت اس کی ہے کہ آیات قرآنیہ کو دیکھیں کہ احکام الحکمین نے مجردین کے حق میں کیا فرمایا ہے۔

لہذا ہؤز اخور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شاہد ہے کہ حضرت احادیث جل جلالہ نے اپنے مجردینوں کی حمایت فرمائی ہے چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام جو حصور یعنی مجرد کامل تھے ان کی یہ رفعت و عظمت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پاک مجرد کو روح اللہ اور کلمة اللہ اور مقترب خاص کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوا ”اذ قالت الملائكة يَسْمِرْ يَمَّا إِنَّ اللَّهَ يَسْرِكَ بِكُلِّمَةٍ مِّنْهُ أَسْمَهُ“
 المسيح عیسیٰ ابن مریم و جیہا فی الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَمِنَ الْمَقْرِبِينَ ۝“
 (سورۃ آل عمران: ۲۵) یعنی فرشتوں نے بشارت دی کہے مریمؑ کی کلمة اللہ سے پیدا ہوں گے جو دنیا میں ذی وجہت اور آخرت میں ان کو مقام قرب ملے گا۔ پس مجرد رہنا اگر ممکن ہو تو ایسے مستند حصور کو اللہ جل جلالہ کلمة اللہ کا خطاب اور مقریبین اور صالحین کا مرتبہ نہ مرحمت فرماتا۔

علی ہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کا تحرید کامل اور مسلمہ ہے ان کو بھی رب العزت نے صفات حمیدہ کے ساتھ یاد کیا۔ بلکہ علاوه و مگر اوصاف کے ان کی تحرید کامل کا ایسے الفاظ میں ذکر فرمایا کہ ان کی تحرید ان کی مدحت میں شمار ہو گئی۔ اور ان کی

علوی مرتبت کی خاص دلیل قرار پائی۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے جناب باری عز اسمہ میں دعا کی کہ مجھ کو اولاد صالح مرحمت فرم۔ مجتب الدعوات نے اپنے نبی کی یہ دعا قبول کی۔ اور ہاتھ غیب نے مولود مسعود کی زکریا علیہ السلام کو جب وہ محراب عبادت میں کھڑے تھے بشارت دی کہ "اَنَّ اللَّهَ يُشْرِكُ بِيَسْعَيِ مَصْدَقًا بِكَلْمَةِ مِنَ اللَّهِ وَسِيدًا وَحَسْرَةً وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝" (سورہ آل عمران: ۳۹) یعنی اللہ خوشخبری دیتا ہے تم کو نبی کی جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اور وہ سردار اور حصور اور نبی اور صالحین میں سے ہے۔ اس آیہ کریمہ میں خالق حقیقی نے اپنے مجرد بندہ نبی علیہ السلام کو پانچ صفتیں سے موصوف فرمایا ہے۔ مصداق بکلمۃ من اللہ۔ اور سید اور حصور اور نبی اور صالح اور یہ پانچوں صفتیں ہم تم بالشان ہیں۔ مگر قابل لحاظ یہ ہے کہ تیری صفت یعنی حصور اسکو بھی حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنے مقبول نبی کے صفات میں بیان فرمایا۔ اور اس اہتمام کے ساتھ کہ وسط صفات میں صفت حصور کو قائم کیا اور دو صفتیں مصداق بکلمۃ اللہ اور سید ارشاد ہوئیں۔ اور آخر میں نبی اور صالح فرمایا۔ لہذا سیاق عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح سید اور نبی اور صالح صفات محدود ہیں۔ اسی طرح حصور بھی خاص صفت حمیدہ ہے۔

چنانچہ حضرات محققین کا یہی مذہب ہے کہ حصور بہت بڑا مرتبہ ہے۔ کہ چند لوگوی معنی حصور کے ہوئے۔ یعنی عورتوں سے باوجود خواہش کے محترز۔ اور بے پرواہ ہونا ہے۔ اور یہی صاحب شرح نے لکھا ہے کہ "ز حصور بالغہ۔ مردے کے گروزن گردد" (جو عورت کے قریب نہ جائے۔) لیکن حضرات مفسرین نے حصور

کے معنی بکمال شرح و سط ارقام فرماتے ہیں۔

چنانچہ صاحب تفسیر قادری نے لکھا ہے کہ ”و حصوراً أور مجدد عورتوں سے یا یہو و
لَعْبٍ سَيِّدَنَا أَبْنَاءَهُمْ كَفَنَهُوا لَهُمْ“ اور تفسیر مواهب الرحمن میں ہے کہ ”و حصوراً
ممنوعاً عن النساء۔ اور سخت بازر کھنے والا اپنے کو عورتوں سے“۔ اور علامہ
داعی تفسیر حسین میں لکھتے ہیں کہ ”و باز ایستادہ از زنان یا خود را باز دارندہ از یہو و لَعْبٍ“
(جعوروں سے رکنے والا ہو یا اپنے آپ کو لَعْبٍ و یہو سے بازر کھنے والا ہو)۔ اور علامہ
فیضی نے تفسیر سواطع الالہام لکھا ہے کہ ”و حصوراً۔ حاصر الدرہ طار حا
مر العرس او محصراً محدوداً صاراً او املاً و لَهُوا“، یعنی حصور کے معنی
یہ ہیں کہ خوبی اور پرہیزگاری کے ساتھ روکنے اور عورتوں کی لذت کو چھوڑنے والا۔ یا
محصور و محدود کرنے والا اور خواہشات یہو سے بازر بینے والا۔ اور صاحب تفسیر خازن
نے حصور کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ ”قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ
الْحَصُورُ الَّذِي لَا يَأْتِي النِّسَاءَ وَلَا يَقْرَبُ بَهُنَّ“، یعنی ابن عباس وغیرہ مفسرین
نے کہا کہ حصور وہ شخص ہے جو عورتوں سے عیمدہ رہے اور ان کے پاس نہ جائے۔ اور
صاحب تفسیر مدارک نے حصور کے معنی یہ ارقام فرماتے ہیں کہ ”هُوَ الَّذِي لَا يَقْرَبُ
النِّسَاءَ مَعَ الْقَدْرَةِ حَصْرُ النَّفْسِهِ“، کہ حصور وہ ہے کہ باوجود قدرت کے عورتوں
سے دور رہے اور اپنے نفس کو روکے۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر جلالیں
میں لکھا ہے کہ ”و حصوراً ممنوعاً عن النساء“، کہ حصور اس کو کہتے ہیں جو عورتوں
سے ممنوع کیا گیا ہو۔

اور مفسرین حضرات صوفیہ علیہ الرحمۃ نے حصور کی تفسیر میں نکات معنوی

بھی ارقام فرمائے ہیں چنانچہ صاحب تفسیر عرائیں البيان نے لکھا ہے کہ ”والحصرور الذى حصر ماءه من النساء“ کہ حصور وہ ہے جو خواہش نفسانیہ کے مادہ کو عورتوں سے محفوظ رکھے۔ اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ”والحصرور المقدس عن شوابیں التقلید وعن الا تفقات الى الكونین“ یعنی اور حصور وہ ہے جو شوابیں تقلید سے پاک اور کوئین سے غیر متفق ہو۔

اور پھر آپ نے حضرت ابن عطاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”والحصرورا المتنزه عن الا کوان و مافيها“ کہ حصور وہ ہے جو کوئین اور کوئین کی چیزوں سے بے پرواہ اور علیحدہ ہو۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے ”الحصرور الذى يملک الا یملک“ کہ حصور نے کسی کی ملک میں ہے اور نہ کسی چیز کا مالک۔ اور یہ بھی آپ کا قول ہے کہ ”والحصرور الذى لا یعرف سواء اللہ“ یعنی حصور اللہ کے سو اور کسی کو پہچانتا ہی نہیں۔

الغرض جب حضرات مفسرین کے اقوال سے بالاتفاق بھی ثابت ہے کہ حصور کے معنی مجرد و صابر و ضابط قانون و آزاد اور تعلقات عالم سے دست بردار اور صاحب مراتب علیا اور غیر اللہ سے بے سر و کار کے ہیں تو اب بالکل اطمینان ہو گیا کہ تحرید نہایت مہم بالشان صفت ہے۔ اور اس کا بھی کامل یقین ہو گیا کہ حدیث ”لا رہانیت فی الاسلام“ اسی رہبانیت کی امتیاز میں ہے جو شرعاً ممنوع اور مذموم ہے یعنی خسی ہونا اور آلہ مرد انگلی کو قطع کرنا۔ نہ محض تحرید کی ممانعت ہے کیونکہ جب صاحب تحرید کی صفت میں نص صریح موجود ہے۔ تو حدیث محض تحرید کی مانع نہیں ہو سکتی ورنہ رہبانیت سے اگر محض تحرید مراد ہوتی تو مشاہیر حضرات صوفیہ اور بعض

اصحاب رسول اللہ اور ایک مقدار نبی اور ایک پیغمبر صاحب کتاب تجد نہ اختیار فرماتے۔ اور نہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایک مجرد کامل کی صفت میں سید اور حضور ارشاد فرماتا۔

بلکہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں حصور کے جو معنی ارقام فرمائے ہیں تو محمد دیگر اقوال کے قول ٹانی میں تجدید کا فضل ثابت کیا ہے۔ اور اس قول کی نسبت لکھا ہے کہ ”وَهُوَ اخْتِيَارُ الْمُحَقِّقِينَ“ نے اسکا اختیار کیا ہے۔ اور وہ قول یہ ہے کہ انه الذی لا باقی النساء لا المعجز مل للعفة والزهد“ کہ حصور وہ شخص ہے جو مجبور انہیں بلکہ زہد و عفت کی وجہ سے عورتوں کے پاس نہ جائے۔ پھر امام موصوف شرح حصور کے دلائل لکھتے ہیں کہ ”احتاج اصحابنا بیہذه الا یہ علی ترك النکاح افضل“ کہ اس آیہ کریمہ سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا ہے کہ ترك نکاح افضل ہے کیونکہ ”لا نه تعالیٰ مدحہ بترك النکاح“ کہ اللہ جل جلالہ نے مدح فرمائی ہے (وَكَیْلٌ عَلَیْهِ السَّلَامُ کی) تجد کے سبب سے ”وذلک بدل علی ان ترك النکاح فضل تلك الشريعة“ اور (خداماً مدح فرمانا) اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شریعت ہذا میں ترك نکاح افضل ہے۔ ”واذ أثبتت ان تركه في تلك الشريعة افضل و جب ان يكون الامر كذلك في هذه الشريعة بالنص والمعقول“ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ترك نکاح اس شریعت میں افضل ہے تو نقلاً و عقلاً ایسا ہی حکم اس شریعت میں ہونا چاہئے۔

اس کے بعد امام موصوف نے دلیل نفی و عقلی کی تفصیل میں پہلے شرعی استدلال یہ فرمایا کہ ”اما النصو فقوله تعالى اوشك الذي هدى الله و

فبهداهم اقتده، یعنی جن کو اللہ نے ہادی کیا ہے ان کی اقتدا کرو۔ اور معقول دلیل آپ نے ہی پیش فرمائی ہے کہ ”واما المقول فهو ان لا صل في الثابت بقاء على ما كان والنسخ على خلاف الاصل“ کہ دلیل عقلی یہ ہے کہ جب اصل کی بقایا بات ہے جیسی کہ تھی تو منسوخ ہونا خلاف اصل ہے۔

امام رازیؒ نے بکمال صراحت اور صاف لفظوں میں ثابت فرمایا کہ وہ فضل جس کی احکم الحکمین نے مدح فرمائی وہ یقینی افضل اور مستحسن ہے اور استدلال شرعی و عقلی سے یہ واضح کر دیا کہ جس طرح بھی علیہ السلام کے واسطے تحریر کا مل موجب فضل اور علوی مرتبہ ہوئی اسی طرح شریعت اسلام میں ترک نکاح افضل ہے اور ہونا چاہئے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ کی اس مدلل تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ تحریر کو فضیلت اس وجہ سے ہے کہ جنابت احادیث جل جلالہ نے اس کی مدحت فرمائی۔ اور مش دیگر صفات حمیدہ کے اپنے نبی کی شان میں حصور بھی ارشاد کیا۔ اور یہ خصوصیت تحریر کی عظمت کے واسطے کافی ہے۔

لہذا اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور یقول حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ جس طرح اہل انتظام کے لئے تزویج لازمی اور ضروری ہے۔ اسی طرح صاحب ریاضت و مجاہدات کی تقریب خاطر کے واسطے تحریر مناسب اور مفید ہے۔ اور اسی اعتبار سے ہمارے سرکار عالم پناہ نے عام مریدین کو مناکحت کی امتیاع نہیں فرمائی۔ لیکن غلامان خرقہ پوش کے حق میں تحریر کی متواتر تاکید بھی ہوئی۔ اور اپنے خرقہ میں لنگوٹ بھی شامل فرمایا۔ جو تحریر کی خاص نشانی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے

کہ جناب حضرت حصور یعنی مجرد کامل تھے کہ ازدواج کی جانب کبھی الفاظ نہیں فرمایا۔ اسی مناسبت سے آپ کے خرقہ اقدس کی ہیئتِ مجھی زبان حال سے شاہد ہے کہ یہ زادہ نہ وضع اور اہل تفریض کا مخصوص لباس ہے۔ اور لگوٹ سے تو صاف ظاہر ہے کہ مشرب وارثی میں تحریم مقدم اور لازمی ہے۔

چنانچہ حاملان خرقہ وارثی کا یہی مشرب ہے اور جملہ تہبند پوش مجرد اور آزاد رہے۔ اور اس لازمی شرط کی کامل پابندی کی۔ بحر شاذ فقراء کے۔ جن کو غشاء جناب حضرت نے تام کی رخصت دی۔ یا قبل تہبند پوشی کے وہ متام تھے۔ اور حصور نے کسی مصلحت سے ان کا اہل و عیال کے ساتھ رہنا مناسب سمجھا۔ ورنہ عموماً حاملان خرقہ پوش مجرد اور اسباب دنیا سے بے تعلق اور اہل دنیا کے بے غرض ہمیشہ کسی گوشہ تہائی میں مسکن گزیں رہے یا مسافروں کی طرح سیر و سیاحت میں یوں زندگی بسر کی کہ جسے خلوص و محبت سے مہمان بنایا اس کے عارضی طور پر مہمان ہوئے۔

اور پھر خدا کے بھروسہ پر سفر کیا۔ بلکہ اعزٰز و اقربا کے یہاں روزمرہ کی برادرانہ آمد و رفت و نیز تقریبات کی شرکت سے محترز رہے۔ جو ہادی برحق کی خاص تقلید ہے کیونکہ سرکار عالم پناہ کی عادات میں ہے کہ شادی و غم کی تقریب میں آپ شریک نہیں ہوئے۔ جس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ علاقہ دنیوی کے لوازمات کو بھی آپ نے قطعی منقطع فرمایا اور اہل تحریم و تفریض کے لئے بے غرض اور زادہ نہ زندگی بسر کرنے کی مثال قائم کر دی۔

چونکہ ہادی برحق نے فقراء تہبند پوش کو تو کل خاص کی ہدایت فرمائی ہے اس لحاظ سے جملہ شرائط و قیود بھی وہی تجویز کئے گئے جو قاعدت کے خلاف اور زہد کے

منافی نہ ہوں۔

چنانچہ جس طرح ان کو لباس سادہ اور بے تکلف مرحمت ہوا اسی طرح ان کے لباس کے ساتھ جو دیگر لوازمات ہیں ان کو بھی مختصر اور محدود کر دیا۔ اور اپنے غلامان خرقہ پوش کے لئے کاہ و دستار کا استعمال اور جوتو اور پاکتاہ پہننا قطعی ممنوع گردانا۔ بلکہ ان کا ترک مشرب میں داخل کر دیا۔ اور مختلف عنوان سے اس کی ممانعت فرمائی۔

مثلاً ایک طریقہ اتنا ع کا اس کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضور کا حکم عام تھا کہ بوقت تہبند پوشی طالب فقر کے قدیم لباس کے ساتھ اس کی ثوبی اور جوتو بھی خیرات کر دیا جائے۔ اور بغیر کسی امتیاز کے ہمیشہ اس فرمان و ارشی کے مطابق عمل درآمد ہوتا رہا۔ جس کا صاف منشاء بھی ہے کہ خرقہ وارثی دنیا کے معمولی اسباب تکلفات سے محفوظ ہے۔ اور یہ طریقہ عمل زبان حال سے شاہد ہے کہ مقتداے کامل نے روزاً اول اپنے فقر کو سمجھا دیا کہ جس طرح لباس قدیم کا استعمال آئندہ تمہارے واسطے ممنوع ہے۔ اسی طرح ثوبی اور جوتو بھی پہننا اب تمہارے مشرب کے منافی ہے۔ اس کو ترک کرو۔ اور ننگے سراور پا برہن را طلب میں سرگرم جنتو رہو۔ جو عاشقان صادق کی تقلید بھی ہے۔ اور محبت کا لازمی نتیجہ بھی۔ اور اصولاً بھی طریقہ عشق میں آرام و آسائش کا خیال کرنا اور زینت وزیبائش کا سامان رکھنا طالب کے واسطے مکروہ ہے۔

بلکہ یہ حکم اتنا عی بخوناں ہدایت صاف لفظوں میں بھی صادر ہوا ہے۔ جس سے بغیر کسی تاویل کے اس ممانعت کی اہمیت اور قطعیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ثوبی اور جوتو پہننا زہد کامل کے خلاف اور خرقہ وارثی کی شان و عظمت کے قطعی منافی ہے چنانچہ جناب حضرت نے پر کمال صراحت فقراء تہبند پوش سے

مخاطب ہو کر اکثر فرمایا ہے کہ ”ٹوپی اور جوتہ تو فقط آرام کے لئے پہننے ہیں اور فقیر کو آرام و تکلیف برابر ہے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”ٹوپی اور جوتا جس طرح دنیادار کے لئے ضروری ہے اسی طرح فقیر کے واسطے جھگڑا ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ادب یہ ہے کہ راہ طلب میں فقیر نگہ سرا در نگہ پاؤں ہو۔“ اور اکثر ارشاد ہوا کہ ”فقیر کو زینت سے کیا کام۔“ اور بعض فقراء سے تو خاص طور پر بتا کیا در ارشاد ہوا کہ ”ٹوپی، جوتہ، کرتہ، پانچاہ کبھی نہ پہننا۔“ اور یہ تو متواتر حضور نے فرمایا ہے کہ ”ہم نے ٹوپی بھی دے دی اور جوتہ بھی پھینک دیا۔“

ارشادات مذکورہ میں فقراء نے تہبند پوش کو جوتہ اور ٹوپی پہننے کی صریح امتناع ہے۔ اور صاف لفظوں میں ہدایت فرمائی ہے کہ راہ طلب میں جوتا پہننا آداب عشق کے خلاف ہے۔ بلکہ دیگر اسباب آرام و عافیت کو بھی منافی مشرب گردانا۔ اور زہدو قیامت کا اصول بتا دیا کہ راہ فقر میں آرام و آلام کا فرق و امتیاز نہیں ہے۔

علاوہ اس کے اگر حامیان خرقہ وارثی کو یہ صریح ہدایت نہ بھی ہوتی تو اس حالت میں بھی ان کو تلقید شیخ لازمی تھی۔ کیونکہ خود حضور نے جیسے احرام کو اپنا باب مستقل قرار دیا کلاہ و دستار کبھی زیب سرنہیں فرمائی۔ اور نہ پائے مبارک کے لئے موزہ اور پائنا بہ پہنند کیا۔ بلکہ آپ کی خصوصیات میں ہے کہ سر اقدس ہمیشہ بے جواب اور پائے مبارک برہنہ رہے۔ صرف ضرورت خاص کے وقت نعلیں چوبی کو قدم بوی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے فقراء نے تہبند پوش کو جوتہ اور ٹوپی پہننے سے احتیاط قطعی واجب ہوئی۔ کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ مشرب شیخ مرید کی عین ملت ہے۔ اور تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترک معمولی نہیں ہے۔ بلکہ اس امتناع میں خاص

اہیت اور اس کو مشرب وارثی سے گہرا تعلق ہے۔ اس لئے کہ دیکھایا گیا کہ بعض فقراء کو ان کی حالت کے لحاظ سے سرکار عالم پناہ نے کسی شرط کی تعیل سے مستثنی بھی کیا ہے مگر یہ حکم ایسا قطعی ہے کہ اس کی بجا آوری میں کوئی رعایت نہیں کی گئی۔ اور کسی تہینہ پوش کو کسی عذر کی وجہ سے جناب حضرت نے جوتا اور اٹپی پہننے کی رخصت نہیں دی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ ترک لازمی ہے اور حامل خرقہ وارثی کو واجب ہے کہ جو نہ اور اٹپی پہننے سے احتراز کرے۔ اور پیشوائے برحق کے تصرف سے ایسا نہیں ہوا کہ عموماً فقرائے وارثی نے اپنے ہادی کامل کی تقلید کا شرف بھی حاصل کیا اور اس حکم قطعی کی پوری تعیل بھی کی۔ یعنی کلاہ و دستار، جوتا اور پانچاپ، ہمیشہ کے لئے ترک کیا۔

علی ہذا ہادی کامل کی مخصوص ابجاع یہ بھی ہے کہ فقرائے وارثی سر کے بال نہ قصر کرواتے ہیں نہ حلق۔ کیونکہ جناب حضرت کے موئے مبارک جو بہت گنجان اور نہایت زم و باریک تھے۔ وہ ہمیشہ قصر و حلق سے محفوظ رہے۔ اور عجیب تر خوبی یہ تھی کہ ہر چند پر بیچ نہ تھے لیکن شاند کرنے کے بعد دوش اقدس سے اوپر اور نرمہ گوش کے قریب رہتے تھے۔

اس مسئلہ میں حضور کے کسی حکم صریح کا علم مجھ کو نہیں ہے ممکن ہے کہ آپ نے کسی فقیر کو حلق و قصر کرانے کی ممانعت صاف لفظوں میں بھی فرمائی ہو۔ لیکن خیال یہ ہوتا ہے کہ غلامان خرقہ پوش نے جس طرح دیگر امور میں جناب والا کی تقلید کی ہے۔ اسی طرح اپنے آقا نے نامدار کی تہیت میں سر کے بال قصر کرانے نہ حلق۔ اور وہی وضع اختیار کی جو عاشقان با صفا اور زہدان بے ریا کا طریق ہے۔

اور فقرائے وارثی کا عام طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے بستر میں تکمیل نہیں ہوتا۔

بلکہ احتیاط یہ ہے کہ نہ پس پشت تکیہ لگاتے ہیں نہ تہ زانور رکھتے ہیں۔ اور یہ احتراز لازمی اور خصوصیت کے ساتھ داخل مشرب اس وجہ سے ہوا کہ سرکار عالم پناہ نے تکیہ رکھنا کبھی پسند نہیں کیا۔ ہمیشہ برپہلوئے راست استراحت فرمائی۔ اور بجائے بالش دست میں زیر سر رہتا تھا۔ بلکہ تکیہ کے ذکر سے آپ قطعی نفرت تھی چنانچہ اکثر آپ نے فرمایا ہے کہ ”فقیر کو تکیہ کی ضرورت نہیں۔“ اور یہ بھی فرمایا ”فقیر کا تکیہ اللہ پر ہوتا وہ فقیر ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہم نے کبھی تکیہ نہیں رکھا۔“

بلکہ شکوہ آباد کی علامت کے بعد چونکہ ضعف بہت ہو گیا تھا تو بعض اہل ارادت نے بھدا صرار ایک رضائی لپیٹ کر سر ہانے لگادی تاکہ استراحت میں حضور کے دست مبارک کو تکلیف نہ ہو۔ مگر جناب والا کے طریق استراحت میں تغیرہ ہوا۔ جب آرام فرماتے تو سر اقدس کے نیچے دست مبارک ضرور رہتا تھا۔ اس کی تقلید آپ کے فقراء تہبند پوش نے کی۔ اور ہادی کامل کی اتباع میں تکیہ رکھنا قطعاً ترک کیا۔

لیکن سر کے بال قصر و حلق کرانے سے قطعی احتراز اور تکیہ رکھنے سے ایسا انکار جو جزو مشرب شمار ہو جائے۔ اس کو حضور نے کیوں اختیار فرمایا۔ اور پھر عموماً فقراء دارثی نے تعمیلاً خواہ تقلید اہر دو شرائط کی بکمال استقلال پوری پابندی کس واسطے کی۔ کیونکہ بظاہر تو ان دونوں مسئلتوں میں مقادیر طریقت نظر نہیں آتے۔ مگر کتب سیر کی ورق گردانی کرنے سے ان کی اہمیت بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اور بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض سلف صالحین اور اکثر حضرات عاشقین کا یہی طریقہ تھا۔ جس کا ذکر تخلیقات الانس، تذکرۃ الاولیاء، طبقۃ الکبریٰ وغیرہ کتب معتبر میں بصراحت موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زہد کامل کی یہی تعریف ہے کہ ترک قطعی ہو۔

حتیٰ کہ روایات شریعہ سے بھی اس طریق و مشرب کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے چنانچہ منقول ہے کہ سیدنا علیہ السلام کی یہ خاص سنت ہے کہ ہمیشہ آپ کے سر کے بال تابدوس رہے۔ بلکہ نزول کے وقت بھی آپ کی یہی وضع ہوگی۔ اور حیثیٰ عیسوی اسی نشانی کے ساتھ مذکور ہے کہ آپ کے لباس میں دو چادریں زرد ہوں گی اور سر کے بال دراز اور چمکدار ہوں گے۔

علی ہذا یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تکمیل بھی نہیں رکھا ہمیشہ فرش زمین پر استراحت فرمائی۔ اور بجائے باش خشت یا پتھر کا ٹکڑا زیر سر رکھتے تھے۔ جو آپ کے زہد کامل کی عین دلیل ہے۔ اور چونکہ مشرب وارثی حضرت کلامۃ اللہ کے مذاق و مشرب سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ شاید اسی وجہ سے جناب حضرت نے نہ سر کے بال قصر و حلک کرائے اور نہ کبھی زیر سر تکید رکھا۔ اور آپ کی تقلید آپ کے غلاموں نے کی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کریں گے۔ اور اسی تبعیت کا یہ صلب ہے کہ فیضان مرشد نے ان کو ادنے سے اعلیٰ اور خاک سے پاک کر دیا۔ بقول حافظ شیراز

کیمیا نیست عجب بندگی پیر مغار
 خاک او گشتم و چند دین در جاتم دادند

(پیر مغار کی بندگی ایک عجیب کیمیا ہے۔ میں اس کی خاک بن جاؤں جو اس کے پاؤں کے ساتھ مس ہوتی ہے۔)

الغرض ارشادات مذکورہ کے مضامین سے صاف ظاہر ہے کہ سرکار عالم پناہ نے اپنے فقراۓ تہبند پوش کو طرز معاشرت کی نسبت بھی وہی بدایت فرمائی جو طالب راہ فقر کے واسطے نہایت مفید ہے۔ اور ان کیلئے ظاہری شرائط مشربی بھی وہی تجویز

ہوئے جوتا رک دنیا اور متوکل خاص کی تفریغ کے واسطے لازمی اور ضروری ہیں۔ کیونکہ مسلمہ ہے کہ طالب فقر جب دنیا سے دست بردار ہو گا تو ارباب دنیا سے اس کو سروکار نہ ہو گا۔ چونکہ خواہشات کی فکر اور مرادات کا خیال صریح حارج اوقات ہوتا ہے۔ اس لئے حضور نے فقراءٰ تہبند پوش کی ضروریات زندگی کو کیمیتہ مختصر اور محدود کر دیا اور اپنا مقدس خرقہ جس کو کفن سے تعمیر کیا جاتا ہے کافی قرار دے کر اشاراً "سو تو اقبل ان تمتو" (مرجا مرنے سے پہلے) کا مفہوم سمجھا دیا جو طریقت کا نتیجہ آخری اور اہل طریقت کا عین مقصود ہے۔ چنانچہ خرقہ وارثی جس طرح سادہ اور بے تکلف اور عاشقانہ وضع میں زاہد نہ لباس ہے اسی طرح دیکھایے گیا ہے کہ حاملان خرقہ وارثی نے عموماً نہایت سادگی سے زندگی بسر کی۔ ہر چند مختلف طبقات اور مختلف اقوام و مذاہت کے افراد کو خرقہ پوش ہونے کا شرف اختصاص حاصل ہوا مگر ترک لباس کے بعد اکثر مردہ صفت ہو کر۔ "کالمیت بیدہ الغسال" (جس طرح کہ میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔) کے مصدق ہو گئے اور " وعد نفسک فی اصحاب القبور" (اور اپنے آپ کو اصحاب قبور میں سمجھ) کی حقیقی صورت دکھادی۔ کہ ہر حال میں صابر و ضابط اور ہر امر راضی برضاۓ الہی رہے۔ دنیا کی زیب وزیبنت کو حرام سمجھا۔ نہ راحت کی خوشی نہ تکلیف کا مال۔ نہ عزت کی جتنوں ذات کا خیال ہمیشہ ببل شیراز کے ہمنوا ہو کر زبان حال سے کہتے رہے۔

گرچہ بدنامی ست نزو عاقلان

ما نمی خواہیم نگ و نام را

(اگرچہ یہ عقائد و مفہوموں کے نزدیک بدنامی ہے لیکن ہم عزت اور شان نہیں چاہتے۔)

اور بعض حضرات کی وصال شاہدِ حقیقی کے خیال میں وفور شوق سے یہ کیفیت بھی ہوئی ہے کہ عالمِ محیت میں قدیم معلومات قطعاً فراموش ہو گئے۔

چنانچہ میں نے پیش خود دیکھا ہے کہ ملارضی الدین صاحب بغدادی جو پہلے علم و فضل میں مشہور تھے مگر تہبند پوش ہونے کے بعد ان کا یہ حال ہوا کہ تبحر و تحقیق خواب و خیال ہو گیا۔ جدید سبق تو خوب یاد کیا لیکن آموزنہ ایسا بھولے کہ حرف شناس بھی نہ رہے۔ بقول

جمی جا کے کتبِ عشق میں سبق مقام فنا لیا

جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صافِ دل سے بھلا دیا

لہذا فقرائے وارثی کا زہد و توکل، ثبات و استقلال، ریاضت و مجاہدت بھی اپنی نظر آپ ہے اور ان کے حالات اسی لائق ہیں کہ تفصیل لکھے جائیں۔ لیکن چونکہ طوالت کا خیال ہے اس نے انشاء اللہ آئندہ بصراحت نگارش کروں گا۔ اور اب رسالہ نہ اس گذارش کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ حضور کے ارشادات جن کو مسلک و مشرب سے گہرا تعلق ہے اگر تمام و مکمال لکھے جاتے تو تخفیم و فترت ہو جاتا ہے نظر اخصار اور احتیاط ضروری فرمان اور مخصوص وہی احکام نقل کے جن کا علم جملہ حاضر باش غلامان بارگاہ وارثی کو اس وجہ سے ہے کہ جناب حضرت نے ان کی ہدایت متواتر اور عام طور پر فرمائی اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ارشادات کو تعمیم کا مرتبہ حاصل ہے کیونکہ فقرائے وارثی ہمیشہ ان کی تعمیل میں سرگرم اور ہمہ تن مصروف رہے۔ اور یہ قیود داخل مشرب سمجھے گئے۔ اور ان میں ترمیم و تنسیخ اور اضافہ ہوا اور نہ آئندہ ہو گا۔ اور انھیں شرائط و قیود کی پابندی اور عدم پابندی ایسا معیار ہے کہ وارثی اور وارثی نما فقراء کا امتیاز

بہ آسانی ہو سکتا ہے۔

ای واسطے وہ فرمان جن کی شخصی اور انفرادی حیثیت تھی۔ اور وقت فو قت بعض فقرا کے حق میں مخصوص طور پر صادر ہوئے۔ اور کسی مشربی شرط میں ان کو عارضی یا ہمیشہ کے لئے رخصت دی گئی ان کو عمداً اس لحاظ سے نگارش نہیں کیا کہ مشربی شرائط کی بحث میں شخصی ہدایات کی تمثیل نہ مفید ہے نہ موزوں۔ البتہ ملفوظات کے سلسلہ میں ان کا بھی ذکر ہو سکتا ہے۔

لیکن رسالہ ہذا میں یہ کمی ضرور ہے کہ میری عدم استعداد کے باعث وہ ارشادات جن کا نکالت فقر اور حقائق معنوی سے تعلق تھا بالکل چھوٹ گئے۔ اور اس کا سبب یہی ہے کہ مجھے ایسا نااہل اور ظاہر ہیں اسی قدر جسارت کر سکتا تھا کہ وہی احکام نقل کرے جن کی فقر اکو عام فہم الفاظ میں متواتر ہدایت ہوئی۔ اور ظاہری شرائط و قیود سے جن کا تعلق ہے۔ اور نمایاں طور پر جن کی تعمیل حاملان خرقہ وارثی کو کرتے دیکھا اور ظاہر جن کے مفہوم تک ہمارے ادراک کی بھی رسائی ہو۔ ورنہ باطنی دقاائق اور روحاںی حقائق یا کسی مخصوص ہدایت کی شرح اور صراحة مجھے ناپلدرہ اہ طریقت سے یقینی ناممکن اور محال تھی۔ کیونکہ رموز معنوی سے ایک سگ دنیا کا آگاہ ہونا قطعاً دشوار ہمکہ خلاف قیاس ہے۔

لیکن مشرب وارثی کے یہ ظاہری شرائط و قیود بھی جن کی تعلم و ہدایت فقر اکو عام فہم اور معروف الفاظ میں ہوئی۔ اور جن کو روزمرہ کے طرز معاشرت سے زیادہ سروکار ہے۔ ان کو بھی طریقت کے جملہ خصوصیات سے مملو پاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں شرائط و قیود کے ظاہری مفہوم کو اور خرقہ وارثی کی ظاہری حیثیت مجموعی کو بھی اگر پہ نظر

غائر دیکھا جائے تو اس لطیف اور مقدس مشرب کا خلاصہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سامان عیش و آرام اور اسباب نگ و نام سے دستبردار ہو کر بکمال صبر و استقلال متولیین خاص کے طریقہ پر زندگی بسر کرنا۔ اور اسباب دنیا سے ترک و تجد۔ اور تعلقات دنیا سے انقطاع قطعی اور استعانت غیر اللہ سے احراز کامل اور شوق وصال میں اپنی ہستی کو ہستی شاہدِ حقیقی کے سامنے نیست و نابود کرنا ہے۔ اور یہی عشق الہی کا لازمی نتیجہ اور طریقت کا عین تکملہ ہے۔

بلکہ انہیں قیود و شرائط کی شرح اگر کوئی اہل دل اور واقف رموز طریقت لکھتا تو اسکی دوسری شان ہوتی اور انہیں شرائط قیود کی حقیقی خوبیوں کا اظہار ہوتا۔ اور معلوم ہو جاتا کہ حاملان خرقہ وارثی کے ظاہری شرائط مشربی بھی حقائق معنوی سے مملو ہیں اور فقرای وارثی کا طرز معاشرت بھی زہدو توکل کے مخصوص مدارج سے وابستہ ہے اسی سلسلہ میں بکمال ادب یہ بھی گذارش کروں گا کہ میری اس عامیانہ تحریر میں اگر کوئی غلطی ہو۔ اور ضرور ہو گی۔ کیونکہ انسان خطاؤ نسیان کا مجموعہ ہے تو ناظرین والا تمکین صحیح فرمائے۔ مجھ پر مدد ان کو اپنا ممنون فرمائیں۔

والسلام خیر ختم

تقریظ بے مثل تاریخ نایاب

از نتیجہ فکر جناب فیض مآب مستغرق الی اللہ حضرت حاجی

او گھٹ شاہ صاحب وارثی مدظلہ العالی مقیم پھرا یوں ضلع مراد آباد

لہٰ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر یخواست

آخر آمد نہ پس پرده تقدیر پدید!

(تمام تعریف اللہ کیلئے ہے۔ جو دل چاہتا ہے آخر کار وہی تقدیر کے پرده سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔)

اللہ اللہ بعد انتظار بسیار یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی کہ سیدی و مولائی، وارثی و آقائی، ہادی مطلق، مرشد برحق، سرکار عالم پناہ، آئیہ من آیات اللہ حضرت وارث پاک خلف الصدق صاحب لولاک سلام اللہ علیہ وعلی آباء الکرام کے وہ مقدس احکام کو فقراء تہبند پوش کے مشرب و مسلک سے خاص تعلق ہے مگر ہنوز متفرق طور پر مختلف خدام کے گوشہ قلب میں مستور تھے۔ لیکن بفضلہ آج ہمارے منع فیض و تصرف کی قوت کاملہ نے یہ کر شمہہ دکھایا کہ اپنے ایک غلام کے ہاتھ سے اس منتشرہ خیرہ کو مجتمع کرادیا۔ یعنی انجی ملت مرزا محمد ابراہیم بیگ شیدا وارثی نے بے کمال حسن سعی اس جواہر گنج سیدہ کو درج سفینہ کیا۔ اور اس مشربی دستور اعمال کی شیرازہ بندی سے غلامان وارثی کو عموماً اور فقراء تہبند پوش کو مخصوص طور پر مر ہوں منت فرمایا۔ و نیز برادر موصوف نے فرماں وارثی کی شرح اس خوبی سے کی اور ان کی خصوصیت اور اہمیت ایسے مندرجہ طریقہ سے

دکھائی کے مطالعہ کے بعد بجز فہم کے لاکی گنجائش نہیں۔ لہذا یہ فقیر بھی اپنے خوبجاہ تاش
مولف مددوح کے شکریہ میں حضرت اسان الغیب کا ہم نواہو کر بصد خلوص عرض کرتا ہے
کہ ”جزاک اللہ فی الدارین خیراً“ اور تاریخ طبع نذر رنا ظریں ہے:-

کرد تالیف نسخہ شیدا	تحفہ خاص بہر حق میں ہست
آنچھے فرمود وارث نبوی	پے سالک بطور آئین ہست
کرده شرخش مدل و مبسوط	قابل صد ہزار تحسین ہست
بہر عشق نسخہ ہذا	ورد دل را دوائے تسلیم ہست
نقش تسبیر و حریجان ملول	درنگاہ عقیدت آگین ہست
بہر شاش دلم چوشد مضطہ	گفتمش چوں حزین غلگین ہست
باز آمد ندا گبو اوگٹ	این سلوک مقام تسلیم ہست

۱۳۲۳

(شیدا نے یہ نسخہ تالیف کیا۔ حق میں لوگوں کیلئے یہ ایک خاص تحفہ ہے۔ جو کچھ بھی پاک
کے وارث نے فرمایا وہ سالک کیلئے بطور اصول ہے۔ آپ نے اس کی مدل اور مبسوط
شرح کی۔ کوکہ قابل صد ہزار تحسین ہے۔ عاشقوں کیلئے یہ نسخہ ہے کہ جو درد دل کیلئے
سکون کی دوا ہے۔ یہ مسخر کرنے والا نقش ہے اور پریشان جان کیلئے تعویذ ہے اور نگاہ
کیلئے عقیدت کا سامان ہے۔ یہ مجھے خوشی دیتا ہے جب میرا دل بے چین، پریشان اور
غلگین ہو جاتا ہے۔ پھر ندا آئی اوگٹ کہہ یہ باعزت مقام سلوک ہے۔)

تقریظ ریختہ کلک گوہر بار جناب مولوی عمران احمد صاحب وارثی مدظلہ العالی تعلقدار ہیوا ضلع سیتاپور

ایں زمان جان د اُنم بر تافتہ است
 بوئے پیراہان یوسف یافتہ است
 داور گیہان رانیا کش و خشور یزدان راستا نیش۔ وارثیان رامڑہ جان فرا
 ویز دانیان رانویدروان افزای۔ بادہ کشان جام بیخودی را درودی و دروکشان ایاغ در عرض
 خنگی را سرودے کہ نگارے رعناء بہزاران ہزار کر شمہ رخ زیبائی خود بھیانیان و انہدو
 شاہدے زیبا از پرده پنهانی سچلوہ مستانہ برون خرامید۔ آرے این نگار رعناء شاہد زیبا
 کہ بخش دوم از ارشادات وارثیہ است۔ از دانشہائے آشکارا آراستہ و بیش ہائے نہانی
 چہر است است۔ از دیر باز گیہانیان چشم بر راه و آفریدگان گوش بر آواز بودند کہ ناگاہ
 از پہرے افزاس تان بفرو دین تارستان فرو دا م۔ بیلا بیلاے جان سپاران مہین مرشد
 پاک و شفیق گان مہین فرزند صاحب لولاک کہ پیش ازیں بسا کس از پر ستاران وارثی
 نامہ باز گاشتند و خامہا فرسوند مگر بیچ کیے بدین مانا فرہنگے ناخت کہ از باستنی ہائے
 باستنی و شاستنی ہائے شایستہ گوہر آگین بود۔ کہ رہوان راستور بود۔ و تارستان
 را رخنہ بندی باشد۔ نازم گرامی برادر محمد ابراہیم بیگ شیدار اکہ از تر فنگی بدن بدین رخنہ
 پے بر دو تونمندی خرد و ایزدی تبر و از تراویش خامہ خامہ شکر ف پیش آورد کہ اگر اور اگر زین
 دستور ژنہ پوشنیان وارثی گویم زید و اگر فرخ آئین وردن پر در آن مرشدی خوافم

شايد

حرفیں چہرہ آرائے گلتان سطورش رونماۓ سبلستان

ہنام ایزد کے در زگارش این گرامی نامہ گرانمایہ نگارندہ چہ ما یہ رنجما کہ نہر دہ
و چہ--- نہا کہ نخوردہ ہمتا کہ دریا را بکوزہ آور دہ کوہ را کاہ نمودہ۔ بو شیرہ گفتار چین
یگانہ گیتی ویتاۓ روزگار را کہ از خادرتا با ختر ہمتا و ہمال خوبیش نداشت۔ بدین شنجار
سر دون زین شیوه تو شتین کار ہر کس جزاً و تبود و چین پہن دشت را بایں زیبائی چیبودان
ہر رہروز ہرہ نداشت۔ والا گھر نامہ و خدا و ند نامہ پیغور دیائے بے پایان و مُن بے نوا و
نا آشنا دست و پاختہ۔ زید کہ سربہ گریبان فرد برم کہ ازین اندر یہ لرزہ اندازم را در
گرفتہ است و خامد ام بر در آمد۔

(اس وقت جان نے میرا دامن بدل لیا ہے۔ یوسف کے پیرا ہن کی خوشبو اس نے
حاصل کر لی ہے۔ تمام تر حمد و شنا پر و دگار عالم کیلئے اور تمام تر تعلیفیں اللہ کے رسول ﷺ
کیلئے۔ وارثیوں کیلئے مژده جان فز اور اللہ والوں کیلئے روح پر و رخوبی، مست کرنے
والے جام کو پینے والے مے نوشوں کیلئے شراب ڈرد۔ اور مستی والا پیالہ پینے والوں
کیلئے گیت ہے۔ خوبصورت محبوب نے اپنے خوبصورت چہرے کو ہزاروں کر شموں
کے ساتھ جہان والوں کے سامنے ظاہر کیا۔ خوبصورت محبوب جو ہزاروں سے زیادہ
خوبصورت ہے۔ ہزارہا تازخترے سے اپنے ریخ انور کو دنیا والوں کیلئے ظاہر کیا۔ اور
خوبصورت معشوق پوشیدہ پر دہ سے مست لوگوں کیلئے جلوہ افروز ہوا۔ یہ خوبصورت
محبوب کون ہے؟ یہ ارشادات وارثیہ کا دوسرا حصہ ہے۔ علم و عقل سے آراستہ ہو کر ظاہر
ہوا۔ پوشیدہ مجلس سے سجا ہوا ہے۔ کافی دیر سے جہان والے انتظار کر رہے تھے۔ اور

خلوقِ خدا آواز پر کان لگائے ہوئے تھے کہ اچانک آسمان سے نواز نے والے ستارے موسم بہار میں نیچے آئے۔ جان شاران مرشد پاک فرزند صاحب لولاک، پرستاران سلسلہ وارثیہ نے کئی خط لکھے۔ سالکین کی ضرورت اور اعلیٰ خواہشات کی نسبت سے یہ صحیفہ موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ مسافروں کیلئے ایک اصول راہ ہے۔ اور گم کردہ راہوں کیلئے راستے کارہنما ہے۔ میں ناز کرتا ہوں کی برادرِ محمد ابراہیم بیگ شیدا پر کہ گہری نگاہ سے ان لٹاٹف کا سراغ لگایا اور عقل کی پنچھلی کی وجہ سے اور اللہ کی عنایت سے، عمدہ قلم سے انہیں قلببند کیا۔ اگر اس کو وارثیوں کے لباس کی گودڑی پسند کرنے والا کہوں زیادہ موزوں ہو گا۔ اور اگر اس مبارک عادات والے، کہ جس کی مرشد نے دل سے تربیت فرمائی ہے اس کے بارے میں یہ بات کہوں تو یہ بھی بجا ہے کہ اس کے حروف باغ کے چہرہ کو آراستہ کرنے والے ہیں۔ اور اس کی سطریں اس سنبھلتان کی رومنائی کرنے والی ہیں۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اس عزت والی کتاب کی تحریر میں۔ اس کو تحریر کرنے والے نے بکشکل تمام کیا سرمایہ ظاہر کیا ہے۔ گویا اس نے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے اور پہاڑ کو ایک تنکابنادیا ہے۔ اور اس کی اعلیٰ باتوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ بے مثل کتاب بن گئی ہے۔ یہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے یکتا ہے کہ جو مشرق سے مغرب تک اپنی مثل نہیں رکھتی۔ اس کو اس طریقہ سے لکھا کہ سوائے اس کے اور کسی کا کام نہیں تھا۔ اور ایسے وسیع جنگل کو اتنی خوبصورتی سے طے کیا کہ ہر مسافر کی یہ ہمت نہ تھی۔ یہ دریا کی طرح بے پایاں شان والی کتاب اور یہ الہامی کتاب اور مجھے جیسا بے سرو سامان، ناؤاقف انسان۔ کیا ایسے آدمی کیلئے مناسب ہے کہ اپنا سر گریبان سے نکالے۔ اس سوچ سے میرا جسم کا نپ رہا تھا۔ اور میرا قلم نیچے گر پڑا۔)

هذا اقرطه حکیم مولوی سید احمد وارثی زمانوی ثم السیتا فوری

قد شرفت بمطالعة بعض اجزاء الرسالة الموسومة بارشادات الوراثية
فوجدت بها كثيرة- الفوائد جليلة العواند فلله ورمولفها و هو اخ
المعتمد محمد المد عو بابر اهيم بيگ الشیدا اقصدات ان حرر في
تاريختها مصاريع عديدة وهذا ما تيسر لى منها فى التعجيل -

بیانها از سلوک وارث پاک	بعنوان ہائے گونا گون مفصل
بیاضش خوبتر از روئے خوبان	سواوش فائق از چشم مکھل
بصورت لفظ لفطش سورہ نور	بمعنی حرف خوش وحی منزل
سواوش شد درین فرخنده آدان	بدست حضرت شیدا کمل
رقم زد سال طبعش ملک احمد	صراط العشق والعرفان مدل

170/171

سے بیان کیا گیا ہے۔ ان اوراق کی سفیدی خوبصورت چہرے والوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اور اس کی سیاہی سرگیس آنکھ سے زیادہ عمدہ ہے۔ اس کے الفاظ کی صورت سورۂ نور کے الفاظ کی صورت ہے۔ اور اس کے حروف کے معنی نازل شدہ وحی ہے۔ اس کی تحریر جس مبارک وقت میں حضرت شیدا کے ہاتھ سے مکمل ہوئی ہے۔ اس کے طبع ہونے کا سال احمد کی قلم نے یہ لکھا ہے کہ عشق اور عرفان کا راستہ دل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔)

تاریخ از چکیدہ قلم اعجاز قم جناب شیخ اعجاز احمد عرف نوشہ میاں صاحب مذاقی، چاریاری، بدایونی، مدظلہ العالی

چو شید اے فرزانہ کار دان رقم زد کتابے بطرز عجیب
 اگر گوش راست باشد سخن پر تصحیف آورده عشق غریب
 چه لائق مصنف چہ زیبا کتاب مگر نہ این باشد و آن طبیب
 دلم کرد نوشہ بالش رقم
 کتابے پر از راز عشق جیب

۱۳ بھری ۲۳

(اگر میں یہ بات کہوں تو چ ہو گی کہ دانشور شیدا نے اس کتاب کو عجیب انداز سے لکھا ہے۔ اس نے عجیب و غریب عشق کی تصنیف کی ہے۔ کیا ہی یہ لائق مصنف ہے اور کیا ہی یہ خوبصورت کتاب ہے۔ گویا یہ نہ ہے اور وہ طبیب۔ میرے دل نے اس کی تحریر کا سال یہ رقم کرایا ہے کہ دوست کے عشق کے راز سے یہ کتاب بھری ہوئی ہے۔)

تقریظ دلپذیر و تاریخ بے نظیر از نتیجہ فکر حکیم مولوی ضمیر احمد صاحب وارثی ریس پچھرائیوں ضلع مراد آباد

محمدہ وصلی علی رسول الکریم۔ ہمارے خواجہ ناش مرتضیٰ احمد ابراء یہم بیگ
صاحب وارثی مخلص بہ شیدا نے منهاج العشقیہ کا یہ دوسرا حصہ اس خوبی کے ساتھ
تالیف فرمایا جس کو سالکان راہ طلب کا خضر طریق اور واقفان اسرار فقر کا مونس و رفیق
کہا جائے تو بیجانہ ہو گا جس کا ہر نکتہ باب تحقیق کا ایک دفتر اور ہر حرف دریائے تدقیق کا
بے بہا گوہر ہے۔ خصوصاً غلامان وارثی اس رسالہ کو اگر حرز جان کہیں تو بجا اور تعویذ
بازوئے ایمان بھیں تو روا ہے۔ کیونکہ رہنمائی کامل کے ان ملفوظات کا یہ مجموعہ ہے جو
قراءے تہبید پوش کے حق میں حضور نے بطور تعمیم متواتر فرمائے ہیں۔ مولف موصوف
نے بکمال شرح و بسط سلیس اور بامحاورہ الفاظ میں اور ایسے محققانہ طریق سے نقل کئے
ہیں کہ متفقہ میں حضرات صوفیہ کرام کے حالات اور سلف صالحین کے ارشادات سے
تطبیق فرمائی ہے جو مدد و حکم کا خاص حصہ ہے۔ لہذا ہم شکر گزار ہیں کہ پیشوائے حقیق
کے یہ احکام جو ہنوز پرداہ ختم میں مستتر تھے آپ کی سعی بلغ سے مجتمع ہوئے جو ہمیشہ ہمیشہ
غلامان بارگاہ وارثی کی معلومات کا ذریعہ ہوں گے۔ آخر میں قطعہ تاریخ نگارش ہے۔

اذنکم بامعشر الخلان

فی نشر سلک الدر والمرجان

اهدی به من ریح الصبافی

نشر طيب الروح والريحان
لله در القول بالتأليف
مستحسن ما قال في الاحسان
ارخته متقنة بكماله
قد صرخ بالعشق والعرفان

١٣٥٣

(اے دوستوں کی جماعت میں تم میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ یہ مرجان اور موتیوں کی
ایک لڑی ہے، نشر میں۔ یہ صحیح کی ہوا سے زیادہ رہنمائی کرنے والی ہے۔ پاکیزہ خوشبو
ہے جو عطر اور ریحان میں ہوتی ہے۔ یہ مخصوص باتیں تصنیف کرنے کیلئے اللہ کی رحمت
ہو مصنف پر۔ بہت اعلیٰ ہے جو اس نے احسان کے
ہارے میں بیان کیا ہے۔ اس کتاب کو یقیناً کمال انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ بے شک
(اس میں عشق اور عرفان کی تصریح کی گئی ہے۔)

قطعه تاریخ طبع از نتیجه فکر عالی مقبول بارگاہ صدر جناب قاضی سلیمان احمد صاحب دارالشیعہ لکھنؤی

ب قیل و قال افتدن نہ دین است مگر گویم کہ اصل دین یقین است
یقین را بالیقین ماعشق دائم ہمیں است و ہمیں است
اگر باشد ہوائے سیر گلشن یا بکر چہ گلہا اندرین است
اگر داری سرے در کوئے محظی یا خیزبا مارہ چنین است
اگر سینہ دگر باشد سفینہ خواہر دو کہ دردی حال این است
بدین منح ب الفاظ مبارک کہ گفتہ قبلہ دنیا و دین است
سطور چندرا مبوط کرم کہ آخر یاد گار این حزین است
پے ساش ندا آمد سلیمان
بگو، لب طریق عاشقین است

۳۳ بھری

(قیل و قال میں مصروف ہوتا دین نہیں ہے۔ اصل دین یقین ہے۔ عشق یہی ہے کہ
ہم یقین کو یقین کے ساتھ جانیں۔ حقیقت یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے۔ اگر باغ کی
سیر کرنا ہو تو آ جا اور دیکھ کے اس کے اندر کیا ہی عجیب پھول ہیں۔ اگر تو محظی کی گلی کی
چاہت رکھتا ہے تو آ جا اور انہوں نہارے ساتھ چل کے اس کا راستہ یہی ہے۔ اگر سید سفینہ
بن جائے تو خوش ہو جا اس پر کہ اصل حال یہی ہے۔ اسی طریقے سے مبارک الفاظ

سے کہ جو دین و دنیا کے قبلہ نے فرمائے ہیں۔ میں نے یہ چند سطور قلم کیں کہ اس پریشان حال کی یہ یادگار رہے۔ سلیمان کو اس کے سال کیلئے یہ ندا آئی۔ بیان کر کہ یہی عاشقوں کے طریقہ کا لب لباب ہے۔)

تمت بالخير

تفصیل اشاعت کتاب هذا

الحمد لله كـه کتاب لا جواب موسوم به

منهاج العشقیہ فی ارشاد الوارثیہ

از تالیف مرزا محمد ابراء یم بیگ صاحب شیداوارثی

(اولیں طباعت - ۱۹۵۶ء)

با هتمام عزیز احمد در مطبع جوبلی پرنسپل و رکس

فریز روڈ - کراچی - طبع شد

(پہلے ایڈیشن کی سکین کاپی درگاہ وارثی ایسوی ایشن - دیوبہ شریف ضلع بارہ

بنکی نے ۲۰۰۰ء میں شائع کی)

(نقش ثانی مع تسهیل و تخریج و حواشی: ۲۰۱۸ء)

مکتبہ وارثیہ سنگھوئی، جہلم (پاکستان)

سلسلہ وارثیہ کی چند تعارفی کتب

مشی خدا بخش شاونق	☆ تحفۃ الاصفیاء (فارسی)
عبدالآدشاہ وارثی	☆ عین الیقین
مرزا ابراہیم بیگ شید او راثی	☆ حیاتِ وارث
فضل حسین وارثی او ناوی	☆ مشکلۃ حقانیت
مرزا منعم بیگ وارثی	☆ حیاتِ وارث
حکیم صدر علی وارثی	☆ جلوۂ وارث
مرزا ابراہیم بیگ شید او راثی	☆ منہاج العشقیہ
حاجی غفور شاہ وارثی حسامی	☆ الوارث (انگلش)
انیسویں صدی کا صوفی (انگلش)	☆ افتخار حسین وارثی
پنڈت دیندار شاہ وارثی	☆ تحفۃ درویش
بیدم شاہ وارثی	☆ رسالہ تعارف وارثیہ
محبوب شاہ وارثی	☆ نداء غیبی
حسین وارثی سہرا می	☆ چراغ راہ

میاں اوگھٹ شاہ وارثی	☆	شہاب ثاقب
مرزا ابراہیم بیگ شیداوارثی	☆	خلاصۃ السلوک
مرزا ابراہیم بیگ شیداوارثی	☆	بلوغ المرام
پروفیسر فیاض کاوشن وارثی	☆	آفتاپ ولایت
راشد عزیز وارثی	☆	عکس جمال
راشد عزیز وارثی	☆	عرفان حق
راشد عزیز وارثی	☆	گل بستان وارث

خصوصی گزارش

تمام احباب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تصوف، اسلام اور سلسلہ وارثیہ کے متعلق ایک جامع انسائیکلو پیڈیا "معارف وارثیہ" مرتب کرنے کیلئے تحقیق و تحریر کا کام بحمد اللہ تعالیٰ جاری ہے۔ یہ ایک انتہائی اہم اور مشکل کام ہے۔ جو یقیناً کسی فرد واحد کے بس کاروگ نہیں بلکہ ایک ٹیم ورک ہے۔ لہذا اس کام کو بفضل خدا بخیر و خوبی جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے تمام احباب کی خدمت میں بصد ادب و احترام ہر طرح کے مکمل تعاون کی گزارش کی جاتی ہے۔

اس انسائیکلو پیڈیا کے مرتب کرنے کیلئے سرکار سیدنا حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز، حضرت حافظ اکمل شاہ وارثی، حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی، سید عزبر علی شاہ وارثی اجمیری، دیگر فقراء اور مشاہیر سلسلہ وارثیہ کے متعلق ہر قسم کی شائع شدہ کتابیوں، غیر شائع شدہ تحریروں (مخوطات / قلمی کتابیں) وارثی فقراء اور وارثی مشاہیر کی تصانیف، ان کے خطابات، گفتگو، انش رویوز، اعراس اور دیگر اجتماعات (تقریبات) کی آڑیوں، ویڈیو کیسٹوں، سی ڈیز، ڈی وی ڈیز، سلسلہ وارثیہ کے زیر اہتمام کام

کرنے والے اداروں ، مساجد ، مدارس اور انجمنوں کے متعلق جامع رپورٹس ، مختلف لوگوں کی سرکار وارث پاک اور دیگر فقراء سے وابستگی کے متعلق حالات و اتفاقات ، مشاہدات اور تاثرات ، خطوط ، تصاویر ، اخبارات ، رسائل اور مستند زبانی معلومات کی اشد ضرورت ہے۔

سلسلہ وارثیہ کی تاریخ ، تعلیمات اور تبرکات کو آنے والی نسلوں کیلئے محفوظ کرنے کا فریضہ تمام وارثی احباب پر عائد ہوتا ہے۔ لہذا براہ کرم ایسی تمام دستاویزات اصل یا نقل کسی بھی حالت میں رقم السطور کو مہیا فرمائے مشکور و منون فرمائیں۔

اللہ کریم اس عظیم کام میں حصہ لینے والوں کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین بحق سید المرسلین ﷺ۔

خاک در جیب ﷺ

راشد عزیز وارثی

المعروف فقیر مرا شاہ وارثی

مکتبہ وارثیہ سنگھوئی ، تحریک و ضلع جہلم (پاکستان)

E-Mail: rawarsi707@gmail.com

Mobile: 03465849707--03335842707